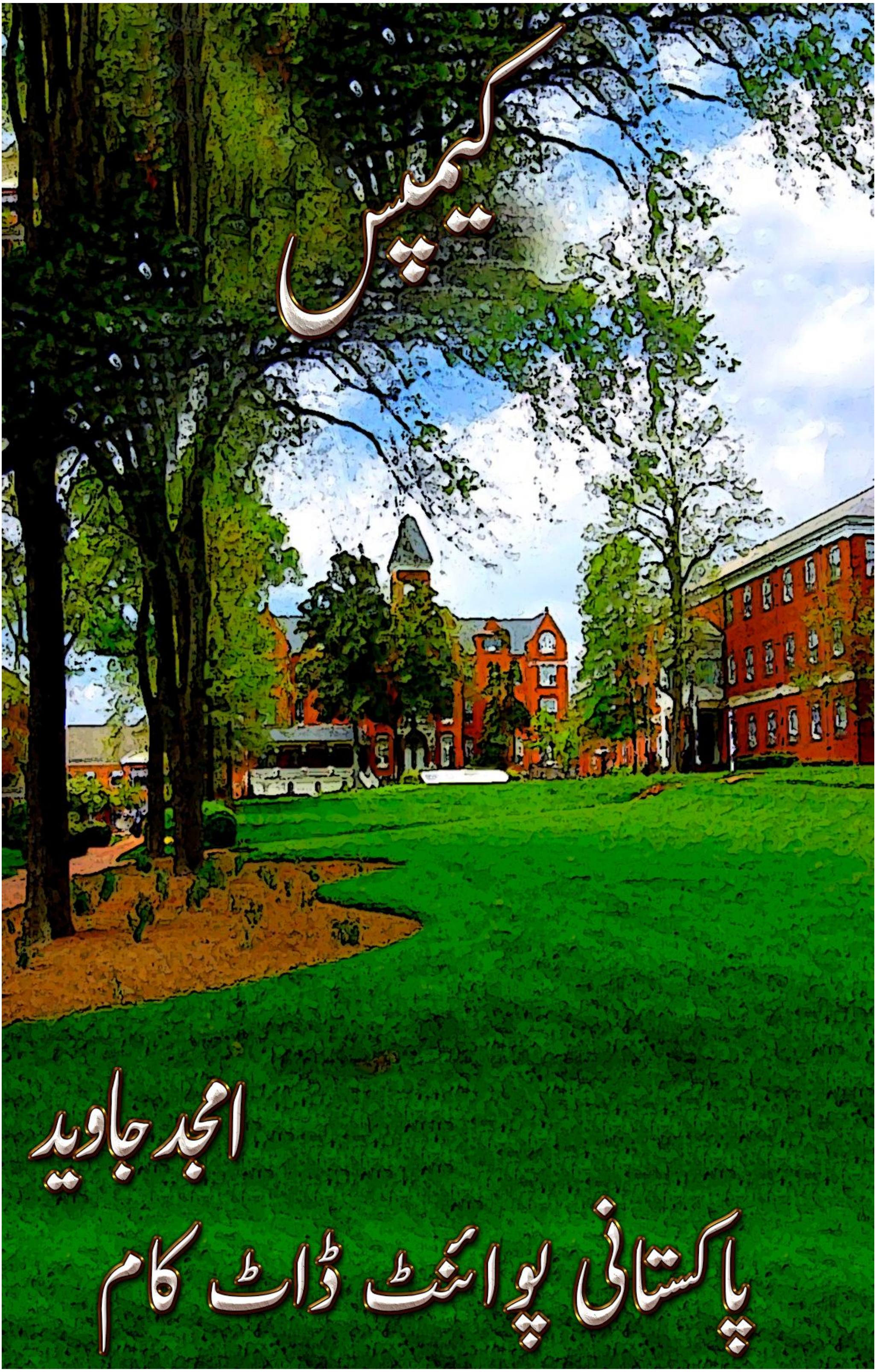
کیمپس
امجد جاوید
پاکستانی پوائنٹ ڈاٹ کام

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔

www.pakistanipoint.com

پاکستانی پوائنٹ

کیمپس

امجد جاوید

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔

www.pakistanipoint.com

کیمپس

کتابی شکل: پاکستانی پوائنٹ کمپوزنگ ٹیم

پاکستانی پوائنٹ کوئی تجارتی ویب سائٹ نہیں ہے یہاں پر موجود ناولز بالکل مفت ہیں۔اس مشن کا مقصد صرف اردو ادب کی خدمت کرنا ہے تاکہ جو لوگ وطن سے دور ہیں اور اردو کتب حاصل نہیں کرسکتے،وہ یہاں سے ڈاؤنلوڈ کرلیں۔اگر آپ اردو لکھنا جانتے ہیں تو آپ بھی روز کا ایک صفحہ کمپوز کر کے اس مشن کا حصہ بن سکتے ہیں۔مزید معلومات کے لئے،

سپر موڈز:صبا گل، تتلی، ٹیم لیڈر:ایم وائے صائم، مینجمنٹ:حسیب یا وقار سے رابطہ کریں، شکریہ

راوی : ابان علی

نیو کیمپس کی حدود میں داخل ہوتے ہی مجھے شدت سے سنسنی خیزی کا احساس ہوا۔ مجھے یوں لگا جیسے یہ سنسنی میرے بدن کے ریشوں تک میں اترتی چلی جارہی ہے۔ بظاہر میری نگاہ میں تارکول کی دورویہ سڑک تھی جو دور تک جاتی ہوئی دکھائی دے رہی تھی، لیکن میرے ذہن میں وہ سارا منظر پھیلا ہوا تھا، جسے میں نہ جانے کتنی بار سوچ چکا تھا۔ سڑک کنارے سر سبز و شاداب درخت تھے، جن میں سے صبح کے سورج کی روشنی چھن چھن کر آرہی تھی۔ سبز درختوں میں سے زرد رنگ کی روشنی کسی آبشار کی مانند دکھائی دے رہی تھی۔ مختلف رنگوں کے پھولوں کے پودے بھی دورویہ راستے کے ساتھ ساتھ لگے ہوئے تھے۔ میرے ذہن میں پھیلا ہوا منظر، میرے اندر سنسنی بیدار کرنے لگا تو میرا دوران خون بڑھنے لگا۔ انہی لمحات میں مجھے احساس ہوا کہ میری کار کی رفتار معمول سے کچھ زیادہ ہو گئی ہے۔ میں نے کار کی رفتار دھیمی کرلی اور اپنے آپ کو سنبھالنے لگا۔

میرے لیے اس کیمپس کا ماحول بالکل اجنبی تھا ۔ اونچی نیچی عمارتوں کے طویل سلسلے سے یوں لگ رہا تھا۔ جیسے صحرائی ٹیلوں کے ریگستان میں ایک چھوٹا سا شہر آباد کر دیا گیاہو۔ دورو نزدیک عمارتوں کو سڑکوں کے جال نے آپس میں ملا دیا ہوا تھا۔ انہی عمارتوں کے درمیان میں کہیں ایک وہ ڈیپارٹمنٹ تھا، جہاں میں نے کچھ وقت گزارنا تھا۔ وقت کا یہ دورانیہ کتنا ہو سکتا ہے، یہ میں نہیں جانتا تھا۔ یہ تو اس پر منحصر تھا، جس کے لیے میں یہاں تک آن پہنچا تھا۔ مجھے اچھی طرح احساس تھا کہ اس کیمپس کی فضا میرے لیے کوئی پھولوں کی سیج ثابت ہونے والی نہیں تھی۔ اصل میں سامنے دکھائی دینے والا ایک منظر ہر انسان کو مختلف اس لیے دکھائی دیتا ہے کہ وہ اس منظر کو اپنی سوچ اور زاویہ نگاہ سے دیکھتا ہے۔ کیمپس کے پہلے منظر ہی میں سے جو سنسنی خیزی ابھر کر آرہی تھی، دراصل وہ میرے اندر کی سوچیں ہی تھیں۔ میں جس مقصد کے لیے وہاں آیا تھا، اس کے لیے مجھے کس قدر قربانی دینا پڑتی، کامیاب ہو جاتا ہوں یا ناکام، جو کچھ بھی تھا، وہ وقت اور حالات کے دبیز پردوں میں چھپا ہوا تھا۔ میری سوچوں کو میرا مضبوط ارادہ حوصلہ دے رہا تھااور میں پورے اعتماد کے ساتھ کیمپس کی ان فضاؤں میں آگیا تھا، جو میرے لیے بالکل اجنبی تھیں۔

مجھے اپنا ڈیپارٹمنٹ تلاش کرتے ہوئے زیادہ وقت نہیں لگا۔ میں نے کار پارکنگ میں لگائی اورڈیپارٹمنٹ کی عمارت کی جانب بڑھ گیا۔ میں سیڑھیاں چڑھ کر راہداریوں سے ہوتا ہوا اس کلاس روم کے سامنے جا پہنچا، جس میں لمبے قد، پتلے بدن اور سانولی رنگت والے لیکچرار داخل ہو رہے تھے۔ میں تصدیق کرنے کے لیے کہ یہی میرا کلاس روم ہے ، نہایت ادب سے پوچھا۔

"سر !....میں سال اول کا طالب علم ہوں اور پوچھنا یہ چاہتا ہوں کہ یہی میرا کلاس روم ہے"....

"چلو، چلو، بیٹھو،یہی ہے"۔ انہوں نے عینک کے اوپر سے مجھے دیکھتے ہوئے جلدی سے کہا اور میرے ساتھ ہی اندر داخل ہو گئے۔ کلاس میں تقریباً سارے لوگ بیٹھ چکے تھے۔ میں نے سب پراچٹتی ہوئی نگاہ ڈالی۔لڑکے کم تھے اور پچھلی نشستوں پر بیٹھے ہوئے تھے جبکہ لڑکیوں کی تعداد زیادہ تھی۔ ان لڑکیوں کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے میرا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ پتہ نہیں وہ ان میں ہو گی یا نہیں ہو گی؟ میں پورے یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ اگر وہ ان میں ہے تو کون ہے؟ میں یہی سوچتا ہوا پچھلی رومیں ایک خالی نشست پر جا بیٹھا۔

”نوجوان !....کلاس کو شروع ہوئے دو ہفتے ہو گئے ہیں اور تم ہو کہ اب آرہے ہو، ایسا کیوں؟“

”سر !....دراصل میں لاہور میں تھا، وہاں سے وائنڈاپ کرتے کرتے کچھ دن لگ گئے۔ اس لیے دیر ہو گئی“۔ میں نے کیمپس میں آ کر پہلا جھوٹ بڑی آسانی سے بول دیا۔

”اوہ !....کیا نام ہے تمہارا“۔ انہوں نے پوچھااور رجسٹر کھولنے لگے۔

”میرا نام ابان علی ہے“۔ بڑے اعتماد کے ساتھ میں نے دوسرا جھوٹ بھی بول دیا۔

”کہاں سے تعلق ہے؟“انہوں نے پھر عام سے لہجے میں پوچھا تو میں نے اسی شہر کے مضافات میں ایک گاؤں کا نام لے لیا۔ جو میرا تیسرا جھوٹ تھا۔ میرے جواب پر انہوں میری جانب غور سے دیکھا پھر مسکراتے ہوئے بولے۔” لگتا نہیں ہے کہ تم اسی شہر کے مضافات سے تعلق رکھتے ہو؟ “

یہ بڑا نازک سوال تھا ور اس کا جواب مجھے بہت سوچ سمجھ کر دینا تھا مگر ایک دھیمی سی مسکراہٹ دے کر میں خاموش رہا تو کلاس میں چہ میگوئیوں کی ہلکی سی بھنبھناہٹ شروع ہو گئی۔ تبھی لیکچرار کلاس کی جانب متوجہ ہو گئے اور میں نے

اگلی نشستوں پر بیٹھی لڑکیوں پہ ایک نگاہ ڈالی اور خود کو پُرسکون کرتے ہوئے لیکچرار کی طرف متوجہ ہو گیا۔

ابان علی میرا فرضی نام تھا۔ حقیقت میں ابان علی یہیں اس شہر کے مضافات میں رہتا تھا جو میرے پاپا کے بہت ہی قریبی دوست کا بیٹا تھا۔ میں ایک طویل عرصے کے بعد پاکستان آیا تھا۔ اگرچہ میں نے ہوش پاکستان ہی میں سنبھالا تھا لیکن پھر بعد میں میرا لڑکپن اور نوجوانی کا کچھ حصہ برطانیہ کے شہر رچڈل میں گزرا تھا۔ ہم سے بہت پہلے میرے پاپا وہاں چلے گئے تھے۔ پھر بہت عرصے بعد انہوں نے ہمیں بھی وہیں بلوا لیا۔ وہیں میری بہن الماس پیدا ہوئی۔ یوں پاپا، ماما، الماس اور میں رچڈل میں بہت اچھے اور خوشگوار دن گزار رہے تھے۔ پاپا نے وہاں آ کر بہت محنت کی تھی۔ شروع دنوں میں مزدوری کرتے رہے، پھر چھوٹا سا کاروبار شروع کیا، جو بڑھتے بڑھتے کافی حد تک بڑھ گیا تھا۔ انہی دنوں میں پڑھائی تقریباً مکمل کر کے پاپا کے ساتھ بزنس میں ہاتھ بٹانے کا سوچ رہا تھا کہ ایک دن سڑک کے ایک حادثے میں پاپا شدید زخمی ہو گئے۔ کئی دن ہسپتال میں رہنے کے بعد جب وہ گھر واپس آئے تو میرا ان کے ساتھ بہت زیادہ وقت گزرنے لگا۔ میرے پاپا نے میری پرورش کافی حد تک مشرقی انداز میں کی تھی۔ وہ ہمیں ہر دم یہ احساس دلاتے

رہتے کہ ہم مسلمان ہیں اور پاکستانی ہیں۔ بچپن کی دی ہوئی سوچ پر میرے خیالات پرورش پاتے رہے تھے۔ ایک مشرقی بیٹا ہونے کے ناطے، میں پاپا کی خدمت کرنے کو سعادت خیال کرتا تھا۔ اس لیے میں ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے کی کوشش کرتا تھا۔ پاپا کے گھر پر رہنے کے باوجود بزنس ٹھیک چل رہا تھا۔ ان کا منیجر سب کچھ سنبھالے ہوئے تھا۔ تاہم مجھے ہر دم خیال رہتا تھا کہ اب مجھے عملی زندگی میں آجانا چاہئے۔ مجھے بس انتظار اس بات کا تھا کہ پاپا مجھے خود اپنے بزنس میں آنے کی دعوت دیں کہ انہیں حادثہ پیش آگیا اور ہم دونوں زیادہ وقت ایک دوسرے کے ساتھ گزارنے لگے۔

ایسے ہی ایک دن میں اور پاپا،گھر سے باہر لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آسمان پوری طرح شفاف نہیں تھا، سفید بادل بہت زیادہ تھے۔ اس باعث دھوپ نہیں تھی مگر پھر بھی اچھی خاصی روشنی تھی۔ ہوا کسی حد تک تیز تھی۔ میں ایسے موسم میں بڑی خوشگواریت محسوس کیا کرتا تھا۔ ہم دونوں یونہی بزنس کے بارے میں باتیں کرتے چلے جارہے تھے۔ایسے میں ماما نے انہیں فون لا کر دیا۔ پاپا نے سوالیہ نگاہوں سے انہیں پوچھا کہ کس کا فون ہے تو وہ فون تھماتے ہوئے بولیں۔

”زریاب بھائی کا فون ہے ، آپ بات کرلیں؟ “یہ کہہ کر وہ واپس پلٹ گئیں تو میں بھی اٹھ آیا۔ میں نے بس اتنا ہی سنا تھا۔

”کیسے ہو زریاب؟“

نہ جانے ان کا فون کب بند ہوا۔ میں ڈرائنگ روم میں آ کر ٹیلی ویژن کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔ میں ایک دلچسپ پروگرام میں کھویا ہوا تھا کہ پاپا میرے پاس آ کر بیٹھ گئے۔ تب میں نے ٹیلی ویژن بند کر دیا اور یونہی بات کرنے کی خاطر ان سے کہا۔

”پاپا!....زریاب انکل آپ کے ایک ہی پاکستانی دوست ہیں۔ وہ آپ کو اب تک یاد رکھے ہوئے ہیں۔ ان کے علاوہ آپ کو پاکستان سے کبھی کسی کا کوئی فون نہیں آیا۔ کیا ہمارا وہاں پر کوئی نہیں ہے؟“

مجھے نہیں معلوم تھا کہ میرے اس سوال کا ان پر اتناشدید رد عمل ہو گا۔ انہوں نے بے چارگی سے میری جانب دیکھا۔ ان کا چہرہ تن گیا اور وہ خاموشی کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب گئے۔ وہ کتنی ہی دیر تک میرا چہرہ دیکھتے رہے۔ مجھے لگا کہ وہ چہرہ تو میرا دیکھ رہے ہیں، لیکن ذہنی طور پر وہ کہیں اور کھوئے ہوئے ہیں۔ بلاشبہ ماضی کی کسی یادمیں اتنی شدت تھی کہ اس نے انہیں خود سے غافل کر دیا تھا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے ہیں پاپا؟ "میں نے ان کی حالت دیکھتے ہوئے بے چینی سے پوچھا۔

"کچھ نہیں بیٹا"۔ انہوں نے یہ کہتے ہوئے ایک طویل سرد آہ لی۔ میں نے واضح طور پر ان کے چہرے پہ آئی ہوئی بے بسی کو دیکھ لیا تھا۔ پھر وہ کچھ کہے بغیر وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ میرے لیے ان کا ردِعمل کافی حد تک حیرت انگیز تھا۔ میری نگاہوں کے سامنے سے پاپا کا چہرہ ہی نہیں ہٹ رہا تھا۔ کس قدر بے بسی اور بے چارگی تھی ان کے چہرے پر، ایسا کیوں ہے؟ انہوں نے میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دیا تھا؟ اور ان کی ایسی حالت کیوں ہو گئی؟ ان سوالوں نے میرے اندر تجسس نہ صرف بیدار کر دیا بلکہ امید کی خواہش بھی پیدا ہو گئی۔ پاکستان سے شدید محبت رکھنے کے باوجود نہ وہ کبھی پاکستان گئے تھے اور زریاب انکل کے سوا کسی سے کوئی رابطہ بھی نہیں تھا۔ ایسا کیوں تھا؟ فطری سی بات ہے کہ ان سوالوں کا جواب پاپا ہی کے پاس تھا اور وہی اس کا جواب دے سکتے تھے۔ میں چاہے ان سے جتنا بھی بے تکلف تھا مگر ان سے ایسے سوال کرنے کا حق نہیں رکھتا تھا، جن سے ان کے چہرے پر بے بسی یا بے چارگی درآئے۔ میں اپنے آپ میں بہت شرمندہ تھا مگر تجسس مجھے بے چین کئے دے رہا تھا۔

اسی رات پاپا ڈنر پر بہت خاموش سے تھے۔ مجھے بڑا افسوس ہو رہا تھا کہ میں نے ان سے ایسا سوال کیا ہی کیوں۔ میں نے تھوڑا بہت کھایا اور وہاں سے اٹھنے لگا تو پاپا نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"تم نے کہیں جانا تو نہیں، میرا مطلب ہے گھر پر ہی ہونا؟"

"جی، میں گھر پر ہوں"۔ میں نے کہا تو وہ ماما کی طرف دیکھ کر بولے۔

"زینت !....ہماری چائے اس کے کمرے میں لے آنا، ہمیں کچھ باتیں کرنی ہیں"۔

یہ کہہ کر وہ کھانے کی طرف متوجہ ہو گئے۔

ان کے یوں کہنے پر ماما نے ذرا سی حیرت کے ساتھ انہیں دیکھا اور پھر کھانے میں مشغول رہیں۔ میں اپنے کمرے میں ان کا انتظار کرنے لگا۔ کافی دیر بعد وہ میرے کمرے میں آئے تو ماما بھی ان کے ساتھ تھیں۔ انہوں نے چائے کے دو مگ ہمارے پاس رکھے اور واپس چلی گئیں۔ وہ میرے پاس بیڈ پر ہی بیٹھ گئے تھے۔ انہوں نے چائے کا ہلکا سا سپ لیا اور گہرے لہجے میں بولے۔

"بیٹے !....آج وہ وقت آگیا ہے، جس کا مجھے برسوں سے انتظار تھا۔ زریاب کا فون آنے کے بعد مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میں تم سے کیسے بات کر پاؤں گا۔ تم

نے سوال کر کے میری مشکل آسان کردی۔ میں اب سارا کچھ تمہیں بتا دینا چاہتا ہوں۔ جو بات رہ جائے گی، وہ میں تمہیں بعد میں بتا دوں گا“۔

”ایسی کیا باتیں ہیں پاپا؟ “میں نے گہری دلچسپی اور تشویش سے پوچھا۔

”بیٹا !....وہ باتیں میرے ماضی سے متعلق ہیں؟ میرا وہ ماضی ، جو پنجاب کی سر زمین سے جڑا ہوا ہے۔ میں نہ تو ان یادوں سے خود کو الگ کر پایا ہوں اور نہ ہی میں اپنا ماضی بھول سکا ہوں۔ میں نے چاہا تھا کہ سب کچھ بھلا دوں اور اپنے ماضی سے ہر طرح کا ناطہ توڑ لوں، مگر میں ایسا نہیں کرپایا میرے بیٹے۔ آج میں تمہیں اس لیے بتا دینا چاہتا ہوں کہ پھر تمہیں کبھی کسی سوال کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہو“۔ یہ کہہ کر وہ خاموش ہو گئے۔ کچھ دیر تک چائے کے ہلکے ہلکے سپ لیتے رہے۔ اس دوران میں خاموش رہا اور ان کی بدلتی ہوئی کیفیات کو بڑے غور سے دیکھتا رہا۔

”میں جنوبی پنجاب کی ایک دور افتادہ بستی میں رہتا تھا۔ بستی میں اگرچہ بہت سارے لڑکے تھے، مگر ان میں ہم تین لڑکے ہی ایسے تھے، جو پڑھ رہے تھے۔ زریاب، اسلم اور میں ۔ ہم روزانہ سائیکلوں پر سوار ہو کر نزدیکی گاؤں میں موجود ایک سکول میں پڑھنے جاتے۔ چاہے کھیل کا میدان تھا یا پڑھائی کا،ہم سب لڑکوں میں

ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی تگ و دو لگی رہتی تھی۔ میرا بڑا مختصر سا خاندان تھا، میرے والد، والدہ اور میں۔ میں اکلوتا تھا، اس لیے میرے والد غریب اور چھوٹے کسان ہونے کے باوجود پوری توجہ سے مجھے پڑھا رہے تھے۔ وہ میرے متعلق بڑے بڑے خواب دیکھا کرتے تھے۔ ہماری بستی پر وہی روایتی جاگیر دارانہ فضا طاری تھی ۔ مگر ہمیں کسی نے کچھ نہیں کہا تھا۔ زریاب ایک کافی خوشحال کسان کا بیٹا تھا اور اسلم ہماری ہی بستی کے چھوٹے سے سکول میں تعینات ٹیچر کا بیٹا تھا۔ ہم اپنی مستی میں اپنی دنیا میں گم تھے۔ یہاں تک کہ ہم نے دسویں پاس کرلی اور شہر کالج میں پڑھنے آگئے"۔ یہاں تک کہہ کر وہ سانس لینے کے لئے رکے اور مگ میں بچی ساری ٹھنڈی چائے ایک ہی گھونٹ میں پی گئے۔ پھر چند لمحوں بعد بولے۔

"کالج پڑھنے کے لیے ہمیں شہر جانا پڑا۔ میں ، زریاب اور اسلم شہر میں ایک ہی جگہ رہتے تھے۔ ہم میں بڑی گہری دوستی ہو گئی۔ ہر ہفتے بعد ہم گاؤں جاتے، اگر کچھ زیادہ چھٹیاں ہو جاتیں تو وہ وقت بھی ہم گاؤں ہی میں گزارتے تھے۔ ہمارا وہ وقت بہت اچھاہوتا تھا۔ بے فکری کا دور ہنسی خوشی گزر رہا تھا۔ خیر ،قصہ مختصر، اس کی تفصیل پھر کسی وقت سہی، لیکن جو بات میں تمہیں بتانے جارہا ہوں وہ یہ

ہے کہ اسلم نے اپنے دل کی بات ہمیں نہیں بتائی تھی، جس سے ہم پر ایسا عتاب آیا کہ سب کچھ ختم ہو کر رہ گیا"۔

"کیسا عتاب پاپا"۔ میں نے تشویش سے پوچھا۔

"یہ ایسا عتاب تھا، جس سے ہماری زندگی تک بدل گئی اور اس کے اثرات ہم پر آج تک ہیں"۔

"کیا ہوا تھا؟ "میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"ہماری بستی کے پاس ہی ایک بڑی حویلی تھی، جس کے مالک سردار فخرالدین تھے۔ بہت بڑا زمیندار تھا اس علاقے کا۔ بہت اچھا آدمی تھا اور خدا ترسی تو اس کی بہت مشہور تھی۔ اس کی وجہ سے ہی اس علاقے میں امن اور سکون تھا۔ اس کی اولاد میں دو لڑکے اور ایک لڑکی تھی۔ اس کے لڑکے بہت اچھے سکولوں میں پڑھ رہے تھے اور اس کی بیٹی وہیں تھوڑا بہت پڑھی تھی، اس کا دماغ پڑھائی میں اتنا نہیں چلتا تھا۔ نہ جانے کب اور کس وقت اسلم کی اس لڑکی کے ساتھ تعلق کی ابتدا ہو گئی تھی۔ بعد میں پتہ چلا تھا کہ وہ اسے پڑھانے جاتا تھا۔ کچھ دن گیا تھا اور اس کا ذکر اسلم نے ہم سے نہیں کیا تھا۔ ہمیں پتہ اس وقت چلا جب بات بہت آگے بڑھ گئی تھی"۔

"بات آگے بڑھ گئی تھی، کیسے؟ "میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ان دونوں کے درمیان تعلق اس حد تک آگے بڑھ گیا کہ انہوں نے شادی کا فیصلہ کر لیا۔ اس میں اسلم کی اتنی دلچسپی نہیں تھی، جتنی اس لڑکی کی تھی۔ اس نے اسلم کو مجبور کر دیا کہ وہ اسے یہاں سے لے کر کہیں دور چلا جائے۔ اسلم خوف زدہ ہو گیا۔ وہ جان چھڑوانا چاہتا تھا۔ مگر اس لڑکی نے جان نہیں چھوڑی، ان کے درمیان معاملہ ہی اس حد تک چلا گیا تھا کہ لڑکی ماں بننے والی ہو گئی"۔

"اوہ"!....میں نے بے ساختہ کہا۔

"خیر !....ان دنوں ہم بستی گئے ہوئے تھے۔ شام ڈھلے اسلم نے مجھے اور زریاب کو اس معاملے کے بارے میں بتایا تو ہمارے پیروں تلے سے زمین نکل گئی ۔ اگرچہ سردار فخرالدین اچھا آدمی تھا مگر وہ اپنی غیرت کے سلسلے میں اسلم کو کبھی معاف نہیں کرنے والا تھا۔ اور جہاں تک لڑکی کو وہاں سے بھگا کر لے جانے کا تعلق تھا، اسلم تو ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا۔ اس کی اتنی اوقات ہی نہیں تھی۔ ہماری سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا کہ ہم کیا کریں۔ ہم اسلم کی مدد کس طرح کریں، یہ بھی ہمارے دماغ میں نہیں آرہا تھا۔ اسلم حد درجہ مایوس ہو گیا تو زریاب نے اپنے طور پر صلاح دی کہ لڑکی کو سمجھا بجھا لیتے ہیں کہ وہ گھر سے بھاگنے کا خیال ترک کر دے

اور اس بچے سے کسی طرح جان چھڑالے ، وہ پہلے تو راضی نہ ہوا پھر ایک دم سے راضی ہو گیا"۔

"اس میں کیا بات تھی "....میں نے تیزی سے پوچھا۔

"اس میں اسلم کی خباثت تھی، مجھے اور زریاب کو کھیتوں کے درمیان ایک جگہ وقت دے دیا اور کہا کہ وہ لڑکی کے ساتھ وہاں آجائے گا، ہم وہاں پہنچ گئے۔ کچھ وقت بعد لڑکی بھی وہیں آگئی۔ وہ ہمیں دیکھ کر گھبرا گئی۔ اس نے اپنے ساتھ سامان بھی باندھ ہوا تھا۔ تب ہمیں احساس ہوا کہ ہم تو اسے سمجھانے کے لیے وہاں گئے تھے اور وہ گھر سے نکل آئی تھی"۔

"اس میں اسلم کی خباثت کیا تھی؟ "میں نے الجھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ ہمیں بہت بعد میں پتہ چلا تھا، اس وقت تو ہم خود پریشان تھے کہ یہ کیا ہو گیا ہے، وہ لڑکی بھی پریشان تھی۔ زریاب نے پریشانی میں وہاں سے نکل کر اسلم کو دیکھنے کی کوشش کی وہ آ بھی رہا ہے یا نہیں، دفعتاً وہ بھاگتا ہوا میرے پاس آیا اور مجھے وہاں سے بھاگنے کے لیے کہا۔ میں کچھ بھی نہ سمجھا اور وہاں سے بھاگ پڑا۔ تب تک بہت سارے لوگ ہمارے قریب آچکے تھے ۔ بھاگتے ہوئے اچانک

مجھے ایسا لگا کہ فائر ہوا ہے اور میری پنڈلی میں انگارے بھر گئے ہیں۔ اس وقت میں پوری طرح سمجھ گیا تھا کہ لڑکی کے گھر والوں کو پتہ چل گیا ہے“۔

”کیسے پتہ چلا انہیں؟“میں نے تیزی سے پوچھا۔

”یہ بات بہت بعد میں پتہ چلی تھی، جب سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔ اسلم نے پوری طرح اپنی جان چھڑانے کے لیے سارا الزام مجھ پر دھر دیا تھا۔ ہمیں وہاں پہنچا کر خود اس نے سردار فخرالدین اور اس کے بیٹوں کو بتا دیا کہ ان کی بیٹی میرے ساتھ بھاگ جانے والی ہے اور اس وقت کھیتوں میں ہے۔ وہ لوگ پہنچ گئے۔ انہوں وہی منظر دیکھ لیا جو اسلم انہیں دکھانا چاہتا تھا۔ وہ جو خود چور تھا، سادھ بن گیا اور ان کی نظروں میں ان کا بہی خواہ ثابت ہو گیا۔ مجرم بنا تو میں، یہاں تک کہ میری پنڈلی میں گولی لگ گئی“۔

”نہیں پاپا، وہاں ان کی بیٹی موجود تھی، وہ انہیں نہیں بتا سکتی تھی کہ آپ مجرم نہیں ہیں، وہ تو اسلم ہے، جس نے “....میں نے دبے دبے غصے میں کہا۔

”ایک فائر تو مجھے لگانا،لیکن دوسرا فائر جو سردار فخرالدین کے بڑے بیٹے نے کیا تھا، ان کی بیٹی کو لگا۔ انہوں نے اس کو وہیں مار دیا۔ ہو سکتا ہے، انہیں مزید گولیاں بھی ماری ہوں، مگر میں وہاں ٹھہرا نہیں تھا، میں بھاگتا رہا اورمیرے ساتھ

زریاب بھی بھاگتا رہا۔ انہوں نے کچھ بندے ہمارے پیچھے لگائے، مگر ہم ان کے ہاتھ نہیں آئے تھے۔ یہ میری خوشی قسمتی تھی یا بد قسمتی، ہمیں سڑک پر جاتا ہواٹرک مل گیا۔ ہمارے اشارہ کرنے پرڈرائیور نے ٹرک روک دیا۔ ہم اس میں سوار ہو گئے اور شہر کی جانب چل دیئے، لیکن مجھے نہیں پتہ تھا کہ پیچھے میری ساری دنیا لٹ جائے گی"۔ آخری کہتے کیسے ہوئے پاپا کا لہجہ بھیگ گیا اور ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ یہ دیکھ کر میں تڑپ گیا اور جلدی سے پوچھا۔

"کیا ہو گیا تھا؟"

"میں ان کے ہاتھ نہیں لگا تھا۔ شہر میں ہمارے ایک کلاس فیلو کا والدہ ڈاکٹر تھا، اسے اعتماد میں لیا، انہوں نے زخم صاف کر کے پٹی کر دی میری میڈیکل ٹریٹ منٹ ہو گئی اور میں سکون آور انجکشن کے زیر اثر سو گیا، لیکن اس رات سردار فخرالدین کے بیٹوں نے میرے بابا اور میری اماں دونوں کو قتل کر دیا اور ہمارے گھر کو آگ لگا دی .... کچھ .... بھی نہیں بچا تھا"۔پاپا جو پہلے ہی رو دینے والے تھے ایک دم سے دھاڑ مار کررو دیئے۔ میں نے پہلی بار انہیں اس قدر غم زدہ دیکھا تھا۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میں انہیں کیسے ڈھارس دوں۔ وہ ہچکیاں لے کر رونے لگ گئے تھے۔ میں حیرت سے بت بنا ان کی طرف دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد

انہیں ذرا سا حوصلہ ہوا تو خود پر قابو پاتے ہوئے بولے۔" اسلم نے بہت سوچ سمجھ کر منصوبہ بنایا تھا، وہ نہ صرف خود بچ گیا بلکہ اس نے اپنے والدین کو بھی بچا لیا۔ اس کے باپ کی نوکری بچ گئی۔ وہ اسی طرح عزت واحترام کے ساتھ وہاں نوکری کرتا رہا۔ سردار کی بیٹی جو ماں بننے والی تھی اور جس کا مجرم اسلم تھا، اس کا راز اس کی موت کے ساتھ ہی دفن ہو گیا۔ وہ مخلص ثابت ہو گیا اور میں مجرم بن کر چھپا رہا۔ کوئی شنوائی نہ ہوئی، کوئی مدعی نہیں تھا، ایک ہی رات میں تین قتل ہو گئے اور کسی نے پوچھا تک نہیں"۔

"زریاب انکل کے گھر والوں نے کچھ نہیں کیا تھا؟ "میں نے طوفان تھم جانے پر آہستگی سے پوچھا۔

"انہیں تو پہلے سمجھ ہی نہیں آئی کہ حقیقت کیا ہے، وہ بے چارے توخود زریاب کے غائب ہو جانے پر پریشان تھے۔ ایک طرف انہیں شرمندگی کھائے جارہی تھی تو دوسرا زریاب کی گمشدگی انہیں پاگل کرنے لگی۔ زریاب فقط میرے لیے شہر میں میرے ساتھ رہ رہا تھا۔ ہم دونوں کو خبر نہیں تھی کہ پیچھے گاؤں میں کیا ہو گیا ہے۔ یہ تو چند دن بعد وہ گاؤں گیا تو پتہ چلا کہ سب کچھ میرا ہی خاکستر ہو گیا ہے۔ اس نے بہت شور مچایا، لیکن اس کی آواز یہ کہہ کر دبا دی گئی کہ وہ صرف

مجھے بچانے کے لیے یہ سب ڈرامہ رچارہا ہے۔ وہ بھی اس کا ساتھی ہے۔ سردار فخرالدین نے ان کے خاندان پر دباؤ ڈالنا شروع کر دیا کہ زریاب کے ذریعے مجھے پکڑا جائے۔ وہ مجھے مار دینا چاہتے تھے۔ حقیقت پر پردہ پڑ گیا تھا۔ وہ گاؤں سے واپس میرے پاس شہر آیا تو اس نے ساری صورتِ حال بتائی۔ میں جوشِ انتقام میں پاگل ہو گیا۔ میں شاید انہیں مارنے کے لیے دوڑ پڑتا، جو سراسر خودکشی تھی اور آج میں تمہیں سب کچھ بتانے کے لیے یہاں موجونہ ہوتا۔ تم نہ ہوتے .... مگر قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ زریاب نے اور ڈاکٹر انکل نے مجھے سمجھایا کہ جو ہونا ہے، وہ تو ہو گیا، اب کیا کرو گے جا کر، خودکشی مت کرو۔ اپنے آپ کو سنبھالو، میں دنیا کا بدقسمت شخص ہوں جو اپنے والدین کے جنازوں کو کاندھا بھی نہ دے سکا تھا، جو بے گناہ مارے گئے۔ میں اکیلا ان کا ماتم کرتا رہا اور ان کی قبریں بھی نہ دیکھ سکا“۔

”اوہ !....یہ تو بہت ظلم ہوا آپ کے ساتھ“۔ میں نے انتہائی دکھ سے کہا۔

”ہاں !....ظلم ہوا ،لیکن آج تک میں اس درد کی کسک محسوس کر رہا ہوں۔ میں کچھ نہیں کر سکا۔ میں صبر کرنا چاہتا ہوں، مگر صبر تو وہاں ہوتا ہے میرے بچے کہ جہاں بدلہ لینے کی قدرت ہو اور وہ خود کو بدلہ لینے سے روک لے۔ طاقت ہونے

کے باوجود دشمن کو کچھ نہ کہا جائے، مگر میں تو مجبور محض تھا اور آج تک ہوں۔ کچھ نہیں کر سکا تھا۔ تب بھی نہیں، جب مجھے وہ شہر چھوڑنا پڑا۔ ڈاکٹر انکل کے جاننے والے کراچی میں تھے۔ انہوں نے مجھے کراچی بھیج دیا۔ میں وہاں شپ یارڈمیں نوکری کرنے لگا۔ زریاب کے خط مسلسل آتے تھے۔ صرف اسی سے رابطہ تھا، اس کی اسلم سے دوستی دشمنی میں بدل گئی تھی، لیکن اس کا کچھ بگاڑ نہیں سکا۔ وہ سرداروں کا منظورِ نظر بن گیا تھا۔ اس نے ان کی حمایت لے لی تھی۔ وہ لوگ مجھے مسلسل تلاش کر رہے تھے۔ یہ زریاب ہی کا مشورہ تھا کہ میں کسی اور ملک میں نکل جاؤں۔ ادھر پاکستان میں رہوں ہی نا، پھر جب کبھی وقت آیا تو دیکھ لیں گے۔ میں وقت کی تلاش میں رہا اور پھر ایک دن مجھے لندن کا چانس مل گیااور میں تب سے یہاں ہوں، پلٹ کر واپس نہیں جا سکا۔ ایک بدقسمت بیٹا، جو اپنے والدین کی قبریں بھی نہیں جانتا"۔ یہ کہتے ہوئے وہ پھر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو دیئے۔ مجھ سے برداشت نہ ہو سکا۔ میں نے پاپا کو گلے لگا لیا۔ میرا دل بھی بھر آیا تھا۔ کچھ دیر بعد انہوں نے مجھے خود سے الگ کیا، تو میں نے دل کی گہرائیوں سے کہا۔

"پاپا !....میں آپ کا دُکھ سمجھتا ہوں، پلیز مجھے بتائیں، میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں"۔

"تم بہت کچھ کر سکتے ہو بیٹا !میں اپنے والدین کی قبروں کو دیکھ سکتا ہوں۔ ان پر جا کر فاتحہ پڑھ سکتا ہوں۔ اسلم سے اپنا انتقام لے سکتا ہوں۔ بہت کچھ کر سکتے ہو تم"۔ انہوں نے کھوئے ہوئے انداز میں کہا

"مجھے بتائیں۔ میں سب کچھ کرنے کے لیے تیار ہوں۔" میں نے پورے عزم اور انتہائی مضبوط ارادے کے ساتھ کہا تو وہ میری طرف چند لمحے دیکھتے رہے، پھر ان کے چہرے پر دھیمی سی مسکراہٹ آگئی۔

"میں جانتا تھا بیٹے، تمہارا جواب یہی ہو گا۔ میں جب تمہیں اور تمہاری ماں کو اکیلا کراچی میں چھوڑ کر یہاں آیا تھا، تب تم بہت چھوٹے سے تھے۔ سکول جاتے تھے تم ۔نہ جانے کیوں میرے دل میں تھا کہ تم ہی میرا بدلہ لو گے۔ اگرچہ یہ بات اچھی نہیں ہے،انتقام کو وراثت میں دیناجاہلوں کا کام ہے، لیکن سچ کہوں، تب سے میرے دل میں یہی تھا۔ آج تم نے کہا تو مجھے لگا، میں نے اپنا انتقام لے لیا، میں تمہیں اس آگ میں جھونکنا نہیں چاہتا۔ تمہاری ماں نے بہت مصیبتیں سہی ہیں۔ تقریباً پانچ سال بعد وہ مجھ سے جدا ہو کر اپنے والدین کے ساتھ رہی، پھر یہاں آ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کر بھی میرا ہاتھ بٹاتی رہی۔ تم اکیلے وہاں کیا کرو گے۔ جبکہ وہ اسلم، ایک طاقتور سیاستدان بن چکا ہے۔ تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے ہو میرے بچے۔میں نہیں چاہتا کہ تمہیں کچھ نقصان ہو۔ تمہاری اپنی زندگی ہے، اسے بناؤ سنوارو، اپنی ماں کو خوش رکھنے کی کوشش کرو"۔پاپا نے بے چارگی سے مسکراتے ہوئے کہا تو میرا دل کٹ گیا۔ تب میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"پاپا !.... آپ فی الحال آرام کریں۔ میرا خیال ہے کہ آپ کے دل کی بھڑاس نکل گئی ہے۔ آپ سو جائیں ہم اس موضوع پر دوبارہ بات کریں گے۔ آپ پلیز آرام کریں۔ آئیں، میں آپ کو آپ کے کمرے تک چھوڑ آؤں"۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ خاموشی سے اٹھ گئے۔ مجھے لگا کہ وہ پہلے سے زیادہ سکون محسوس کر رہے ہیں۔ میں انہیں ، ان کے کمرے تک چھوڑ کر واپس آ گیا۔ میں نے واپس اپنے بیڈ پر آ کر وقت دیکھا۔ رات کے دس بج رہے تھے۔ میں زریاب انکل کو فون کرنا چاہا رہا تھا، لیکن اس وقت پاکستان میں تقریباً رات کے تین بجنے والے تھے۔ میں نے ان سے صبح بات کرنے کا فیصلہ کیا اور سونے کی کوشش کرنے لگا۔

"آپ کہاں گم ہیں، کلاس تو ختم ہو گئی ہے، سب جا چکے ہیں"۔ میں نے چونک کر دیکھا، کلاس میں کوئی نہیں تھا اور مجھ سے یہ کہنے والا میرے سامنے کھڑا مجھے دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔ اس نے باقاعدہ میرا کاندھا ہلا کر مجھ سے یہ بات کہی تھی۔ میں نے اسے غور سے دیکھا، گورے چٹے رنگ کا لمبا سا گھنگھریالے بالوں والا لڑکا بڑی دلچسپی سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔ "مجھے اسد کہتے ہیں"۔ اس نے اپنا نام بتایا اور مصافحے کے لیے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا۔

"ابان علی !....تم مجھے ابان کہہ سکتے ہو"۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ تھام لیا اور پھر اٹھ کر اس کے ساتھ کلاس روم سے باہر چل دیا۔

"مجھے تمہارا بے تکلفانہ انداز اچھا لگا، لیکن تم اس قدر کھو کہاں گئے کہ کلاس ختم ہو جانے کا احساس تک نہیں ہوا"۔ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"بس یار !....یہ سوچنے لگا تھا کہ میں یہاں تک آ کیسے گیا"۔ میں نے عام سے لہجے میں کہا۔

"ارے چھوڑ یار !....ماضی میں کیا رکھا ہے، وہ گزر گیا۔ جیسا بھی تھا، اچھا برا، وہ تو اب ہاتھ آنے والا نہیں، اب تو یہ سوچو میری جان کہ یہاں دو سال کیسے گزرنے

ہیں“۔ اس نے شوخی سے کہا اور ہلکا سا قہقہہ لگا دیا۔ تو میں نے صاف گوئی سے کہا۔

”مجھے تمہاری زندہ دلی اچھی لگی“۔

”آؤ، پھر اس خوشی میں کینٹین پر چلتے ہیں، وہاں تھوڑا بہت تعارف ہو جائے گا، اور جن کلاس فیلوز سے میرا تعارف ہو چکا ہے، ان سے بھی ملوا دیتا ہوں“۔ یہ کہتے ہوئے وہ کلاس روم سے باہر نکلا۔راہداری میں کوئی بھی نہیں تھا۔ ہم دونوں چلتے ہوئے سیڑھیوں تک آئے اور پھر ڈیپارٹمنٹ سے باہر آ گئے۔

بعض اوقات ماحول بھی موڈ بنا دیا کرتا ہے۔ اب اسد کو کیا معلوم تھا کہ میں کیا سوچ رہا ہوں اور میرے ماضی میں کیا تھا۔ شاید اس نے اپنے ماضی کے تناظر ہی میں مجھے دیکھا۔ ممکن ہے اس کا ماضی کوئی اتنا اچھا نہ رہا ہو۔ اپنے آپ ہی کو ڈھارس دینے کے لیے اس نے مجھے تسلی دی ہو۔جو کچھ بھی تھا، مجھے یہ اچھا لگا کہ اس نے مجھے محسوس کیا، میرے لیے رکا رہا اور میرے قریب ہونے کے لیے مجھے مخاطب کیا۔ ورنہ وہ بھی دوسروں کی طرح کلاس روم سے نکل جاتا۔ وہ مجھ سے دو قدم آگئے تھا۔ میں نے اسے پھر غور سے دیکھا۔ نیلی جینز پر چیک دار سفید شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ پاؤں میں جاگر تھے اور کوئی اتنا خاص نہیں تھا کہ اس میں کوئی

مزید کشش محسوس ہوتی۔ میں چونکہ اس ماحول کا عادی نہیں تھا، اس لیے اسد کے بارے میں کوئی اتنا زیادہ تجزیہ نہیں کر سکتا تھا۔ ڈیپارٹمنٹ کے باہر آتے ہی اس نے پوچھا۔

"تم تو اس ماحول کے عادی ہو گے نا ....میں پہلی بار اس علاقے میں آیا ہوں۔ خشک سا علاقہ ہے اب نہ جانے یہاں کے لوگ کیسے ہوں گے"۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے عام سے لہجے میں کہا تو میں ہنس دیا۔

"سچ پوچھو نا اسد، میں بھی زیادہ اس علاقے میں نہیں رہا، میرا زیادہ وقت لاہور میں گزرا ہے، لیکن حوصلہ رکھو، تمہیں تم جیسے ہی لوگ مل جائیں گے۔ وہ کہتے ہیں نا ہر بندہ اپنے جیسے دوسرے بندے کو تلاش کر رہا ہوتا ہے"۔

"بات تو تمہاری ٹھیک ہے، یہ بھی حقیقت ہے کہ ماحول اور موسم وہاں کے انسانوں کے مزاج پر اثر انداز ضرور ہوتا ہے۔ اب دیکھیں میرا یہ خیال یہاں کے لوگوں کے بارے میں کس حد تک درست ثابت ہوتا ہے"۔ اس نے کافی حد تک سنجیدگی سے کہا۔

"لگتاہے تم کچھ ڈرے ڈرے سے ہو، کیا بات ہے"۔ میں نے انتہائی بے تکلفی سے پوچھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

”ڈر نہیں رہا، اجنبیت محسوس کر رہا ہوں۔ تھوڑا بور بھی ہو رہا ہوں، کیونکہ میں بہت بھرا پُرا گھر اور خوبصورت شہر چھوڑ کر آیا ہوں۔ میرپور آزاد کشمیر میرا علاقہ ہے“۔

”اوہ !....تم تو خاصی دور سے آئے ہو۔ چلو کوئی بات نہیں۔ مجھے امید ہے کہ تم یہاں کے لوگوں کی کمپنی انجوائے کرو گے“۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا تو اس کے چہرے پر بھی مسکراہٹ آگئی۔ اس وقت تک ہم کینٹین تک پہنچ گئے۔ باہر لان میں کرسیاں خالی پڑی ہوئی تھیں۔ مگر اسد اندر ہی بڑھتا چلا گیا۔ وہاں جنوبی کونے میں چند لڑکے گپ شپ میں مصروف تھے۔ ہم دونوں کی جانب دیکھتے ہی وہ خاموش ہو گئے۔ ان میں سے ایک نے ویٹر کو خالی کرسیاں لانے کے لیے کہہ دیا۔ جو فوراً ہی آگئیں۔ ہمارے بیٹھتے ہی ایک سنجیدہ سے لڑکے نے میری جانب دیکھ کر کہا۔

”تمہارا تعارف تو ہو گیا ابان، ہم سب تمہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ امید ہے کہ ہم سب کا وقت بہت اچھا گزرے گا؟“اس نے بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا تھا، اس سے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے وہ مجھے یہ تاثر دینے کی کوشش کر رہا ہے کہ وہ ان کا لیڈر ہے۔ تب میں نے دھیرے سے کہا۔

"میں بھی کچھ ایسا ہی محسوس کر رہا ہوں"۔

"ہاسٹل میں رہو گے یا ڈے سکالر ہو؟ "ایک دوسرے نے لڑکے نے پوچھا۔

"ڈے سکالر سمجھ لو، شہر میں ایک گھر ہے، جس کے مکین باہر کے ملک گئے ہوئے ہیں،بس نگرانی کے لیے وہاں ٹھہرا ہوا ہوں"۔ میں نے ایک اور جھوٹ داغ دیا۔

"سپر !....یہ تو بہت اچھا ہے، تم بڑے سکون سے رہو گے وہاں"۔ تیسرے نے کہا۔

"ہاں !....یہ تو ہے، خیر یہ تو وقت ہی بتائے گا کہ یہاں سکون نام کو کچھ ملتا بھی ہے یا نہیں ،یا سارا وقت بے سکون ہی رہیں گے"۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اتنے میں چائے آگئی۔ تب تعارف کا سلسلہ دراز ہوتا گیا۔ بات کیمپس کے ماحول سے نکلی تو پھیلتی گئی۔ وہ جو خود ساختہ لیڈر تھا، وہ ڈی جی خان کے علاقے سے تھا، تنویر گوپانگ، درمیانہ سا قد، قدرے بھاری سا، بڑے چہرے اور بھاری مونچھوں والا، سانولے رنگ کا۔ اس کی آواز خاصی بھاری تھی۔ جب کوئی خاص بات کرنی ہو تو اسے بہت بنا سنوار کر کہتا تھا۔ کافی دیر تک یونہی گپ شپ چلتی رہی اور اس محفل میں ان سب کا نام میرے ذہن میں نہ رہا، میں بس ان کی طرف دیکھتا رہا اور وہ کہتے رہے۔ میں بھی یہی اندازہ لگاتا رہا، کون کس طرح کا ذہن رکھتا

ہے۔ کافی دیر بعد اچانک ایک لڑکے نے اپنے سیل فون پر وقت دیکھتے ہوئے کہا ۔" اوئے میڈم کا پیریڈ شروع ہونے والا ہے، چلو چلیں"۔

یہ سنتے ہی تقریباً سبھی اٹھ گئے۔ تنویر گوپانگ نے فوراً ہی بڑا نوٹ نکالا اور ویٹر کو دے کر حساب بعد میں کرنے کا کہا اور باہر کی سمت چل دیا۔ میں نے اسد کی طرف دیکھا، اس نے مسکرا کر چلنے کا اشارہ کیا تو ہم دونوں باہر کی جانب لپکے۔ تبھی میں نے دیکھا کچھ لڑکیاں دوسری طرف سے نکل کر ڈیپارٹمنٹ کی جانب جارہی ہیں۔

"یہ بے چاری لڑکیاں بھی نہ جانے کہاں کہاں سے آئی ہوں گی"۔ اسد نے یوں کہا جیسے ان سے وہ ہمدری محسوس کر رہا ہو۔

"تو کیا انہیں نہیں آنا چاہیئے تھا؟"میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے، بہر حال گھر سے دور رہنا خاصا مشکل ہوتا ہے"۔ وہ مضطرب سے لہجے میں بولا۔

ہم ایسی ہی بے مقصد باتیں کرتے ہوئے پھر سے ڈیپارٹمنٹ کی راہداریوں میں آگئے۔ ہم کلاس روم میں داخل ہوئے تو سبھی اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ رہے تھے۔ میں بھی پچھلی رو میں جانے کے لیے بڑھا ہی تھا کہ چند لڑکیوں نے مجھے روک لیا۔

اس وقت مجھے بالکل بھی احساس نہیں تھا کہ یہ میری کلاس فیلوز ہیں یا ہماری سینئر کلاس سے تعلق رکھتی ہیں۔ میں نے ان کی جانب دیکھا اور خاموش رہا۔

"بڑی دیر کی مہربان آتے آتے"....ایک شوخ سی لڑکی نے میرا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا، ایک دوسری موٹی سی لڑکی بولی اٹھی۔

"نواں آیاں اے سوہنیا"....

اس کے مضحکہ خیز انداز پر وہاں موجود ہر ایک ہنس دیا۔ میں اسی لمحے سمجھ گیا کہ اب میرے ساتھ مذاق ہونے والا ہے اور ممکن ہے یہ میری کلاس کی نہ ہوں۔

تب میں نے بڑے سکون سے کہا۔

"آپ کون ہیں اور کیا چاہتے ہیں؟"

"برخور دار سمجھ دار ہے، جلدی سمجھ گیا ہے"۔ ایک لڑکی نے میری طرف دیکھ کر عجیب طرح سے ہنستے ہوئے کہا۔ مجھے غصہ آگیا۔

"ظاہر ہے آپ جیسی ماؤں کے بچے سمجھ دار ہی ہوں گے"۔ میں نے فوراً ہی اسے جواب دیا تو اس کا چہرہ فق ہو گیا۔ اسے امید نہیں تھی کہ میں اسے ایسا جواب دوں گا۔ تب اس نے انتہائی غصے میں کہا۔

"بہت بدتمیز ہو تم، تمیز نہیں ہے بات کرنے کی"۔

”میں نے کون سا غلط کہا ہے، تم نے برخوردار ہی کہا ہے نا مجھے“۔ میں نے سرد سے لہجے میں کہا۔

”جانتے ہو، تمہاری اس بات کے بدلے میں تمہارے ساتھ کیا ہو سکتا ہے“۔ وہ بھرتے ہوئے بولی۔

”نہیں جانتا، بتا دو“۔ میں نے پھر سکون سے کہا، تو اسد نے فوراً مجھ سے کہا۔

”یار ابان یہ ہمارے سینئر کلاس فیلوز ہیں، وہ فرسٹ ائیر فول“....

”کریں مذاق ....میں نے کب روکا ہے۔ یہ تو رشتے جوڑنے بیٹھ گئے ہیں“۔ میں نے ہلکی سی مسکراہٹ سے کہا۔ جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ تب اس لڑکی نے سب کی طرف دیکھ کر کہا۔

”چلو، میں دیکھ لوں گی اسے“۔

”کیسے دیکھو گی ....کیا ابھی تم نے مجھے نہیں دیکھا“۔ میں نے جان بوجھ کر ہنستے ہوئے کہا وہ غصے میں تیز قدموں سے چلتی ہوتی باہر چلی گئی اور پھر میری توقع کے مطابق دوسری لڑکیاں بھی باہر چلی گئیں۔ کلاس میں سناٹا چھا گیا۔ میں نے سب کی طرف ایک نگاہ سے دیکھا۔ مجھے کئی نگاہوں میں اپنے لیے ترس دکھائی دیا کہ نہ جانے اب میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ یہی وہ موقعہ تھا جب میں نے تمام

لڑکیوں کی طرف دیکھا۔ ممکن ہے ان میں وہ ایک ہو ....کون ہے وہ؟ کاش اس کے بارے میں مجھے آج ہی معلوم ہو جائے؟

"کوئی بات نہیں ابان، آؤ بیٹھو، کرلیں گے بات ان سینئرز سے"۔ تنویر گوپانگ نے ذرا اونچی آواز میں مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا تو میں نے بڑے سکون سے کہا۔

"اوکے !....لیکن پریشان ہونے کی ضرورت نہیں میں دیکھ لوں گا"۔

یہ کہتے ہوئے میں پچھلی طرف پڑی ایک خالی نشست پر آن بیٹھا۔ تبھی میڈم زہرہ جبیں کلاس روم میں آگئیں۔

وہ ادھیڑ عمر سمارٹ سی خاتون تھیں۔ گندمی رنگ، گہرے سیاہ لمبے بال جو انہوں نے کلپ سے باندھ رکھے تھے۔ تیکھے نقوش والی میڈم نے نفیس سا چشمہ لگایا ہوا تھا۔ لباس کے رنگ اور ڈیزائن میں بھی خاصی نفاست تھی۔ پہلی نگاہ میں ان کی گردن پر نظر پڑی تھی جو شفاف، لمبی اور خوبصورت تھی۔ گلے میں باریک سی چین میں ہلکا سا لاکٹ تھا۔ بڑی دھیمی مسکراہٹ کے ساتھ انہوں نے کلاس پر نگاہ ڈالی اور بڑے شستہ لہجے میں بولیں۔

"یہ کس نے سینئرز کو بھڑکا دیا۔ بڑے غصے میں دکھائی دے رہے تھے"۔

"یہ ابان نامی ایک نیا لڑکا آیا ہے اس نے".... ایک لڑکی نے اٹھ کر کہا اور پھر اختصار سے سب کہہ دیا۔ میڈیم غور سے سنتی رہی اور بار بار میری جانب دیکھتی رہی ۔ساری بات سن کر وہ میری جانب دیکھ کر بولیں۔

"آپ نے تو آتے ہی ڈیپارٹمنٹ میں ہلچل مچا دی۔ آپ کو شاید معلوم نہیں کہ آپ کے سینئرز خاصے تگڑے لوگ ہیں"۔ ان کے چہرے پر ہلکی ہلکی مسکان تھی۔

"اچھی بات ہے میڈم، وہ تگڑے ثابت ہو جائیں تو مجھے ان پر فخر ہو گا"۔ میں نے کھڑے ہو کر بڑے موڈ ب لہجے میں کہا تو میڈم کے چہرے پر حیرت در آئی۔

"اچھی بات ہے، خیر !ہم اپنے لیکچر کی جانب بڑھتے ہیں"۔ وہ سکون سے بولیں اور لیکچر شروع کر دیا۔ کلاس میں سناٹا رہا اور پھر پیریڈ ختم ہوگیا۔ میڈم کے جاتے ہی کلاس میں ہلکا ہلکا شور ہونے لگ گیا تھا۔ موضوع میری ذات ہی تھا۔ میں نے کسی کی طرف توجہ نہیں کی اور باہر جانے کے لیے قدم بڑھا دیئے۔ انہی لمحات میں چند لڑکے دروازے میں آکے کھڑے ہوگئے۔ بلاشبہ وہ سینئرز ہی تھے۔ کیونکہ ان کے پیچھے وہی لڑکیاں تھیں جو کچھ دیر پہلے میرا مذاق اڑانے کے لیے آئی تھیں۔ ان لڑکوں کے چہروں پر غصے، غضب اور حیرت کے ملے جلے تاثرات تھے۔ ہر

کوئی سمجھ سکتا تھا کہ وہ میری درگت بنانے کے لیے آئے ہیں۔ اسی لیے تنویر گوپانگ جلدی سے آگے بڑھا اور ان سے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک لیڈر ٹائپ سینئر نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا اور پھر بڑے گھمبیر لہجے میں بولا۔

"یہ ہے وہ....؟"اس نے اشارہ میری طرف کیا تھا۔

"ہاں یہی وہ بدتمیز ہے"۔ پیچھے کھڑی اس لڑکی نے تقریباً چیخنے والے انداز میں کہا تو اس نے میری جانب دیکھ کر کہا۔

"چلو وہاں روسٹروم کے پاس کھڑے ہو جاؤ۔ دیکھتا ہوں تم کتنے بڑے بدمعاش ہو"۔

"اور اگر میں وہاں تک نہ جاؤں تو"....میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سرد سے لہجے میں کہا تو وہ چونک کر میری طرف دیکھنے لگا۔

"تو پھر تمہارے ساتھ بہت کچھ ہو سکتا ہے"۔ اس بار اس کے لہجے میں وہ پہلے والا تنتنا نہیں تھا۔

"مثلاً کیا؟"میں نے پھر اسی انداز میں سے پوچھا۔

"جس کا تم تصور نہیں کر سکتے"۔ اس نے غصے میں کہا۔

"میں تیار ہوں"۔

یہ کہہ کر میں اس کی جانب دیکھنے لگا اور کسی بھی غیر متوقع افتاد کے لیے تیار ہو گیا۔ وہ چند لمحے میری جانب دیکھتا رہا اور پھر انتہائی غصے میں بولا۔

”دیکھ لوں گا میں تمہیں، تم کس طرح اس ڈیپارٹمنٹ میں رہتے ہو“۔

”میں یہیں پر ہوں۔ اپنا شوق پورا کر لینا۔ پھر جب میں نے کچھ کیا تو گھبر امت جانا، اتنے لوگ سن رہے ہیں، دھمکی تم دے کر جارہے ہو“۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے سکون سے کہا تو وہ کافی حد تک ڈھیلا پڑ گیا۔ اس درمیان تنویر گوپانگ نے صحیح وقت پر دخل اندازی کی اور بولا۔

”او سرجی، بدتمیزی اور مذاق میں فرق ہوتا ہے، اس لڑکی کو نہیں چاہئے تھا کہ وہ ابان کے ساتھ بدتمیزی کرتی“۔

”آپ ایک ہی طرف کی بات سن کر یہاں چڑھ دوڑے ہیں۔ پہلے آپ اصل حقائق معلوم کرتے“اسد نے فوری طور پر میری طرف داری کی۔

”آئیں، پھر وہاں بیٹھ کر یہ معاملہ طے کرتے ہیں“۔ اس سینئر نے دال گلتی نہ دیکھ کر کلرک کے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو میں فوراً بولا اٹھا۔

”نو، نہیں، سب کے سامنے، یہاں ....یہیں بات ہو گی۔ میں دخل اندازی نہیں کروں گا“۔

”اُو چلو چھوڑو یار ! ایسی بھی کیا بات ہو گئی ہے۔ وہ مذاق کرنے آئیں تھیں، بدتمیزی کرنے لگیں۔ اس نے بھی ویسا ہی کہہ دیا، بات ختم۔ اب آپ کیا اس کے لیے لڑائی جھگڑا کرو گے؟ “تنویر گوپانگ نے بڑی ملائمت سے کہا۔

”چلو پھر اسے کہو روسٹرم پر کھڑے ہو کر اپنا تعارف کروا دے۔ ان کی بھی بات رہ جائے گی“۔ سینئر نے کہا تو میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”پیار سے کہو گے تو بہت کچھ برداشت کر سکتا ہوں، رعب جماؤ گے یا بدتمیزی کرو گے تو میں خود بہت بڑا بدتمیز ہوں“۔

”چلو میں تمہیں پیار سے کہہ رہا ہوں“۔ وہ سینئر بولا۔

”نہیں، وہی لڑکی پیار سے کہے، یہاں روسٹرم پر آ کر اور جب تک میں کھڑا رہوں، میرے ساتھ کھڑی رہے“۔ تب میں نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا تو وہ لڑکی پیر پٹختے ہوئے یہ کہہ کر مڑ گئی۔

”مائی فٹ ....کچھ نہیں ہو گا ان سے“۔

سینئر اس لڑکی کو جاتا ہوا دیکھتا رہ گیااب وہ مزید کیا بات کرسکتے تھے۔ وہ بھی پلٹ کر واپس چلے گئے۔

کہتے ہیں کہ جو برستے ہیں وہ گرجتے نہیں، مجھے یہ اصول یاد تھا۔ وہ سینئر ان لوگوں کے سامنے تو کچھ نہیں کہہ سکا خاموشی سے واپس چلا گیا تھا۔ اب دوطرح کی ہی صورتِ حال سامنے آ سکتی تھی۔ ایک تو یہ کہ وہ بات کو بھول جائے اور معاملہ رفع دفع ہو جاتا، یا پھر میرے بارے میں کسی نہ کسی طور پر کوئی سازش تیار ہو جاتی۔ یہ طے شدہ بات ہے کہ سازش ہمیشہ منافق اور گھٹیا لوگ ہی تیار کرتے ہیں اور جو کوئی جتنی طویل عرصے کی سازشیں کرتا ہے، وہ اتنا ہی منافق اور گھٹیا ہوتا ہے اور میں جب یہاں آیا تھا تو ہر طرح کی صورتِ حال کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو کر آیا تھا۔ انسانی فطرت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ طاقت ور کا ساتھ دیتی ہے ۔ اس کا جھکاؤ ہمیشہ طاقت کی طرف ہی ہوتا ہے۔ کلاس میں پہلے دن کے یہی وہ لمحات تھے، جہاں مجھے خود کو کمزور ثابت نہیں کرنا تھا۔ بحث اس سے نہیں کہ کون کیسی طاقت رکھتا ہے۔ یہ طاقت مختلف قسم کی بھی ہو سکتی ہے جیسے تنویر گوپانگ اپنی چرب زبانی یا دولت کی طاقت کا مظاہرہ میرے سامنے کر چکا تھا یا اسد کے پاس ہمدردی جیسے خوبصورت جذبے کی طاقت تھی یا وہ طاقت جس کی بنا پر میڈم نے سینئرز کو تگڑے کہا تھا۔

لوگ واپس چلے گئے تھے اور کلاس میں سناٹا تھا۔ شاید وہ میرا ردِ عمل دیکھنے کے منتظر تھے۔ میں نے اسد کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اور بڑے سکون سے پوچھا۔

”اور کوئی پیریڈ ہے ؟پھر“....

”ہاں، ایک پیریڈ ہے تو سہی، لیکن وہ سر آج آئے ہی نہیں ہیں“۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”اس کا مطلب ہے، پھر چلیں، کل ملاقات ہو گی“۔ میں نے کہا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ میں نے قریب کھڑے لڑکوں سے مصافحہ کیا اور ڈیپارٹمنٹ سے نکل کر پارکنگ تک آ گیا۔

111

اس رات پاپا سے بات کر کے میں سو گیا تھا۔ رات گہری ہو جانے کی وجہ سے زریاب انکل کو فون نہیں کیا تاکہ وہ ڈسٹرب نہ ہوں۔ اگلے ہی دن پہلی فرصت میں، انہیں کال کر دی۔ وہ اپنے آفس میں تھے۔ میرا فون پا کر وہ بہت خوش ہوئے۔ تھوڑی دیر تمہیدی باتیں کر کے میں نے پاپا کی حالتِ زار کے بارے میں بتایا۔ وہ خاصے رنجیدہ ہو گئے۔

"یار، بات یہ ہے، میں نے نہ جانے کتنی بار اسے کہا ہے کہ اگر تم نے اس سے بدلہ لینا ہے تو آجاؤ، چند دن پاکستان میں رہو، اپنے والدین کی قبروں پر جاؤ۔ فاتحہ پڑھو، جیسے بھی ممکن ہوا میں اسلم کو تمہارے سامنے لا کھڑا کروں گا۔ پھر تم اس کے ساتھ جو مرضی کرلینا اور واپس برطانیہ چلے جانا۔ بعد میں جو ہو گا، میں بھگت لوں گا، مگر وہ مانتا ہی نہیں ہے۔ اندر ہی اندر جل کڑھ رہا ہے۔ اب اس کا علاج تو میرے پاس نہیں .... ہے نا بیٹے"۔ انہوں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

"انکل !....اگر اسلم کو ایک ہی فائر سے مار دیا جائے۔ اسے مرنے میں چند لمحے لگیں تو کیا یہ اس آزار، چبھن اور درد کا متبادل ہو سکتا ہے جو میرے پاپا نے اب تک محسوس کیا اور کرتے چلے آرہے ہیں۔ یہ کوئی انصاف نہیں ہے"۔ میں نے اپنا نکتہ نگاہ واضح کرتے ہوئے کہا۔

"کیا ہونا چاہیئے، بولو، بتاؤ تمہارے خیال میں کیا ہونا چاہیئے۔ وہی ہو جائے گا۔ کسی بھی قیمت پر میں تمہارے پاپا کو بہت خوش دیکھنا چاہتا۔ میں اسے یہ غم لے کر مرتے ہوئے نہیں دیکھنا چاہتا۔ اس کے لیے مجھے جو کچھ بھی کرنا پڑا میں کر گزروں گا"۔ وہ جوشِ جذبات میں بولے۔

"میرے بھی جذبات ایسے ہی ہیں انکل جیسے آپ کے ہیں، لیکن آپ ہی بتائیں۔ میں یہاں بیٹھ کر کیا کر سکتا ہوں۔ میری ماما، جس نے بہت دکھ سہے، وہ بھی اس اذیت میں مبتلا رہیں جس میں پاپا مبتلا ہیں۔ وہ اپنے والدین سے ملنے کراچی نہیں جا سکیں۔ یہاں تک کہ وہ بھی اس دنیا میں نہیں رہے۔ انہوں نے اپنے کسی رشتے دار سے رابطہ نہیں رکھا، مبادا کہیں میرے پاپا کو احساس ہو۔ وہ دکھ محسوس کریں ....الماس کا کیا قصور ہے کہ اسے ان فضاؤں میں زندگی گزارنے پر مجبور کیا جائے جو اس نے دیکھی ہی نہیں، یہاں وہ محفوظ تو ہے "میں نے دکھ بھرے لہجے میں انہیں بتایا تو وہ خاموشی سے سنتے رہے۔ میری بات ختم ہوتے ہی بولے۔

"میں یہ سب جانتا ہوں اور سمجھ بھی رہا ہوں۔ سارے حالات ہمارے سامنے ہیں۔ بتاؤ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ میں کچھ نہیں کر سکا ہوں، اس لیے میں کبھی تمہارے باپ سے ملنے بھی نہ جا سکا۔ میں شرمندہ ہوں اس سے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میرے دل میں اس کے لیے تڑپ نہیں ہے، میں بہت کچھ کرنا چاہتا ہوں اور کر بھی سکتا ہوں۔ مجھے بتاؤ میں ابھی کر دیتا ہوں"۔ انہوں نے پورے اعتماد سے کہا۔

"انکل !....پاپا اگر اس سے بدلہ نہیں لے سکتے تو میں لوں گا۔ میں یہاں کی زندگی چھوڑ کر پاکستان آ جاؤں گا۔ کچھ پانے کے لیے ، تھوڑا بہت کھونا تو پڑتا ہے نا۔ جب تک میں لاعلم تھا، تب کی بات اور تھی لیکن اب اسے معاف نہیں کروں گا"۔ میں عزم سے کہا۔

"یہی بات میں نے تمہارے پاپا سے کہی ہے۔ وہ اپنا بزنس تمہارے حوالے کرے اور خود پاکستان آجائے، پھر دونوں مل کر اس سے اپنا انتقام لے لیں گے۔ یا پھر جو بھی ہو سکا ہم سے وہ ہم کریں گے۔جہاں تک تمہارے یہاں پاکستان آنے کی بات ہے، بیٹے تمہارے سامنے مستقبل ہے، تم اپنی لائف بناؤ، ہم تمہیں ان جوکھم میں نہیں ڈالنا چاہتے۔ یہ ہم دونوں کا مسئلہ ہے، ہم ہی اس سے نپٹ لیں گے۔ تمہارے پاپا نے محنت کر کے بزنس کو جس سطح پر چھوڑا ہے، تم اسے اس سے آگے لے جاؤ، جب وہ پاکستان آئے تو اسے کم از کم یہ پریشانی نہ ہو کہ وہاں کوئی سنبھالنے والا نہیں ہے"۔ انہوں نے مجھے تفصل سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کیا کہا پاپا نے "....میں نے تجسس سے پوچھا۔

"یہی کہ وہ بہت جلد تمہیں کاروبار میں ایڈجسٹ کر کے پاکستان آرہا ہے"۔ انہوں نے سکون سے کہہ دیا۔

"یہ بات انہوں مجھے نہیں بتائی"۔ میں نے جلدی سے کہا۔

"وہ کون سا فوراً آ رہا ہے، اسے یہاں آنے میں تھوڑا وقت لگے گا۔ وہ تم لوگوں کو اعتماد میں لے کر اور ذہنی طور پر تیار کر کے آئے گا"۔ انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"انکل مجھے آپ سے بات کر کے بہت اچھا لگا۔ مجھے بہت حد تک ذہنی سکون ملا ہے"۔ میں نے انہیں اپنی کیفیت بتاتے ہوئے کہا۔

"تم میرے بچے ہو، اچھا ہوا تم نے مجھ سے اس موضوع پر بھی بات کرلی، تمہارا باپ بہت اچھا اور نرم دل انسان ہے۔ اس لیے تو انتقام لیتے لیتے اتنا وقت بیت گیا۔ تم مجھ سے بات کر لیا کرو، تم بھی تو میرے بیٹے جیسے ہو"۔ انہوں نے انتہائی شفقت سے کہا تو مجھے بہت اچھا لگا۔ پھر کچھ دیر الوداعی باتوں کے بعد میں نے فون بند کر دیا۔

زریاب انکل، اعلیٰ انتظامی آفیسر تھے۔ ایسے لوگ کہیں ایک جگہ تو رہتے نہیں، شہروں شہروں گھومتے ہوتے ہیں۔پاپا کو ایک اچھا اور مضبوط بنیادوں والا بزنس بنانے میں ان کے مشوروں اور حوصلوں کا بہت ساتھ رہا تھا۔ ایک چھوٹے زمیندار کا بیٹا ہونے کے باوجود انہوں نے خاصی محنت کی تھی۔دولت جائیداد تو انہوں نے

بنائی ہی تھی، اس کے ساتھ انہوں نے احباب کا ایک وسیع حلقہ بھی بنا رکھا تھا۔ شاید لڑکپن ہی سے ان کے لاشعور میں طاقت کے حصول کی خواہش جڑ پکڑ گئی تھی۔ اب جبکہ وہ اپنی ملازمت سے سبکدوش ہو جانے والے تھے۔ وہ اپنی زندگی کو ایک نئی طرز سے ، اپنی خواہش کے مطابق شروع کرنا چاہ رہے تھے۔ انہوں نے شادی اپنے ہی خاندان میں کی تھی۔ جس سے ان کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ دونوں بیٹیاں فرح اور فروا بہت ذہین تھیں اور اعلیٰ تعلیم حاصل کر رہی تھیں۔ فرح مجھ سے بڑی تھی۔ فروا میری ہم عمر اور ابان مجھ سے چھوٹا تھا۔ وہ اپنی مختصر سی فیملی کے ساتھ بہت خوشگوار زندگی گزار رہے تھے۔ رچڈل میں ہماری زندگی بھی بہت اچھی بسر ہو رہی تھی۔ مگر جب سے میں نے پاپا کا دکھ سناتھا۔ تب سے میری زندگی میں بے چینی در آئی تھی۔

اب میں پاپا کو زیادہ وقت دینے لگا تھا۔ انہیں لے جاتا۔ ان کے ساتھ زیادہ سے زیادہ باتیں کرتا، انہیں گھماتا پھراتا، یہاں تک کہ ایک دن میری ماما نے بہت خوشگوار موڈ میں کہا۔

”یہ آج کل تم باپ بیٹے کو کیا ہو گیا ہوا ہے؟“

”کیا ہو گیا ہے ماما“۔ میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یوں لگتا ہے جیسے دونوجوانوں کی نئ نئ دوستی ہو گئ ہو۔ تیرے پاپا تو جیسے ہمیں بھول ہی گئے ہیں"۔ انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"اُو بیوی !....تجھے یونہی لگتا ہے۔ تم کوئی بھولنے والی چیز ہو۔ میں تو بزنس اس کے حوالے کر رہا ہوں۔یہ وہاں پوری طرح ایڈجسٹ ہوجائے تو پھر سارا وقت تیرے لیے ہی تو ہے"۔ پاپا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ جو مرضی کریں، میں اور میری الماس، ہم ایک دوسرے کے لیے کافی ہیں۔ میرے بیٹے کی زندگی بہت اچھی ہو، ایک ماں اس سے زیادہ اور کیا چاہ سکتی ہے"۔ ماما نے دعائیہ انداز میں کہا تو ماحول میں ایک دم سے تقدس بھر گیا۔

ان دنوں میں پوری توجہ سے بزنس کو سمجھ رہا تھا۔ میری زریاب انکل سے روزانہ بات ہو جایا کرتی تھی۔ وہ چاہے بھول بھی جائیں لیکن میں ان سے ضرور بات کیا کرتا تھا۔ ان کی باتوں سے مجھے بہت حوصلہ ملا کرتا تھا۔ وہ بہت اچھی اچھی باتیں بتاتے رہتے تھے۔ ان سے باتیں کر کے مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ میں کوئی ذمہ دار قسم کا بندہ ہوگیا ہوں۔ وہ پرانا کھلنڈرا سا لڑکا نہ جانے کہاں گھو گیا تھا، جس کی ہزارں دلچسپیاں ہوا کرتی تھیں۔ وہ کون سا کام تھا جو میں نے نہیں کیا تھا۔ میری فطرت میں تھرل تھا۔ ہر وہ کام جو ناممکن دکھائی دیتا تھا، میں اسے ہی ہمیشہ کرنے

کی کوشش کیا کرتا تھا۔ چونکہ اس بزنس کو میں نے ایک چیلنج سمجھ کر قبول کیا تھا، اس لیے ہفتوں کے معاملات دنوں میں طے کرنے لگا تھا۔ پاپا مجھ سے بہت خوش تھے اور میں بھی اطمینان محسوس کر رہا تھا کہ ایک دن زریاب انکل کا فون آگیا۔ تھوڑی دیر اِدھر اُدھر کی باتوں کی بعد وہ بولے۔

"تم دو تین ہفتوں میں پاکستان آنے کے لیے تیار ہو جاؤ، کم از کم چھ مہینے سے پہلے واپس رچڈل نہیں جاپاؤ گے۔ ذہن یہی بنا کر آنا کہ تمہیں تقریباً دو سال یہاں رہنا ہے"۔

"ایسی کیا بات ہو گئی انکل، خیریت تو ہے۔ آپ نے یوں ایک دم "....میں نے حیرت سے پوچھتے ہوئے فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"تم یہاں آجاؤ گے نا تو پوری تفصیل بتادوں گا۔ ویسے تمہارا حیران ہونا بنتا ہے کہ کہاں تمہیں وہاں پر ایڈجسٹ کیا جارہا تھا اور کہاں تمہیں اچانک یہاں پاکستان بلوا رہا ہوں اور وہ بھی دو سال کے لیے "…. انہوں نے پُرسکون انداز میں کہا۔

"آپ نے پاپاسے بات کی"۔ میں نے تجسس سے پوچھا۔

"ہاں، کرلی، جو کچھ میرے ذہن میں ہے، وہ بھی میں نے ان سے شیئر کر لیا ہے۔ تم بس فوراً تیاری کرو اور آجاؤ۔ زیادہ سامان اٹھانے کی ضرورت نہیں، ہر چیز تمھیں یہاں مل جائے گی"۔

وہ اسی پُرسکون لہجے میں بات کر رہے تھے۔ اب سوائے ان کی بات ماننے کے میرے پاس کوئی چارہ نہیں تھا۔ میں نے ان سے طے کر لیا کہ دو ہفتوں کے اندر اندر پہلی ملنے والی فلائٹ سے ان کے پاس آجاؤں گا۔

تقریباً تیسرے ہفتے کے درمیان ایک رات مجھے پاپا، ماما اور الماس ائیرپورٹ پر سی آف کرنے کے لیے موجود تھے۔ ماما خاصی پُرسکون تھی مگر پاپا کا چہرہ خاصا دھواں دھواں ہو رہا تھا۔ اس سے میں نے اندازہ تو لگا لیا تھا کہ کچھ ایسا ہے جو انہیں پریشان کر رہا ہے۔ ظاہر ہے وہ میرے پاکستان جانے کی وجہ ہی سے تھا۔ کیا تھا، زریاب انکل ہی نے مجھے بتانا تھا۔ کچھ بھی معلوم نہ ہونے کے باوجود میں پاپا کو بہت تسلیاں دیتا رہا۔ ان کا حوصلہ بڑھاتا رہا۔ کیونکہ یہ طے تھا کہ میرا وہاں جانا اسلم ہی سے متعلق ہو سکتا تھا اور میں ذہنی طور پر بھی اور جسمانی طور پر ہر طرح کے حالات کے لیے تیار تھا۔ دراصل میرے اندر کچھ عجیب سے جذبات پرورش پا گئے تھے۔ پاپا کی ہزیمت ان کا اندر ہی اندر پلنے والا دکھ، اور بے بسی کی حالت

مجھ سے نہیں دیکھی گئی تھی۔ مجھے یوں لگا تھا کہ جیسے میری اپنی زندگی ایک جگہ آکر رک گئی ہے اور اب مجھے اپنے پاپا کی زندگی گزارنی ہے جو ساری زندگی ایک انجانے دکھ اور بوجھ تلے گزر گئی تھی۔ اب جبکہ وہ آخری عمر میں ہیں اور میں ان کا بیٹا انہیں اس بوجھ سے نجات نہ دلاسکوں تو میرا ہونا کیا ہوا۔ میرا وہ پاپا، جس نے ساری زندگی مجھے پھولوں کی سیج دی اور خود کانٹوں پر لوٹتا رہا، یہ میرا اپنا فرض تھا کہ میں انہیں ایک پُرسکون زندگی دینے کے لیے اپنا آپ داؤ پر بھی لگا دیتا تو یہ میرا فرض منصبی ہے۔ کبھی کبھی تو اسلم کی گردن ناپنے کے لیے مجھے صرف فاصلہ اور وقت ہی حائل دکھائی دیتا تھا۔ دل چاہتا تھا کہ اٹھوں اور اسے جا کے ادھیڑ کررکھ دوں۔ فلائٹ کا وقت قریب آ گیا تو پاپا نے اس انداز سے مجھے رخصت کیا، جیسے کوئی دل پر بھاری پتھر رکھ کر مجھے وداع کررہا ہو۔ میں ماما اور الماس سے ملنے کے بعد پاپا سے گلے ملتے ہوئے ہولے سے بولا۔

”پاپا!....آپ بھی دعا کرنا اور ماما سے ساری بات کہہ کر انہیں بھی دعا کے لیے کہیے گا۔ آپ یقین جانیں آپ کی دعاؤں کے صدقے آپ کا بیٹا کامیاب لوٹے گا“۔

”آمین !....ثم آمین “!یہ کہتے ہوئے پاپا نے مجھے خود سے جدا کیا تو میں تیزی سے اندر کی جانب بڑھ گیا۔

مجھے معلوم تھا کہ ائیر پورٹ سے باہر زریاب انکل اور آپی فرح میرے انتظار میں ہوں گے۔ میرے پاس ایک چھوٹا سا بیگ تھا۔ اس لیے ائیر پورٹ کے مراحل سے جلد ی گزر گیا۔ میں ان دونوں کی تصویریں بہت دفعہ دیکھ چکا تھا۔ اس لیے پہلی نگاہ ہی میں انہیں پہچان گیا۔میں ان کے گلے لگ گیا۔ تو میری پیٹھ تھپکتے ہوئے بولے۔

”دیکھو ! ....ہم پہلی بار مل رہے ہیں۔ مگر ذہنی طور پر ہم ایک دوسرے کے کتنے قریب ہیں“۔

”یہ تو ہے انکل “!....میں نے کہا تو ایک جوان سی لڑکی نے مجھے گلے لگا لیا اور پیار سے بولی۔

”پتہ ہے میں کون ہوں؟“

”فرح آپی “!....میں نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بہت پیار سے بولیں

”نہیں، بلکہ میرا بھائی، ابان تو فروا کا بھائی ہے۔ اب میرا بھائی آ گیا ہے تو ہم دونون مل کر خوب ان کی دھنائی کریں گے“۔

اس پر زریاب انکل نے زور دار قہقہہ لگایا اور پھر بہت زیادہ خوش ہوتے ہوئے بولے۔

”دیکھنا بیٹے !....اس کی باتوں میں نہیں آجانا۔ وہ جیسا کہتے ہیں نا، ہاتھی کے دانت دکھانے کے اور کھانے کے اور یہاں معاملہ ایسا ہے“۔

”نہیں پاپا !....میں کم از کم اس کے ساتھ ایسا نہیں کروں گی۔ یہ میرا بھائی ہے کوئی اس کی کیئر کرے نہ کرے، میں ضرور کروں گی“۔ فرح آپی نے بہت پیار اور سنجیدگی سے کہا۔

”میں خوش قسمت ہوں آپی، میری کوئی بڑی بہن نہیں ہے اور ایسے ہی کسی رشتے کے لیے میرے دل میں ہمیشہ شدید خواہش تھی، جواب پوری ہو گئی ہے“۔

”اچھا چلو، جلدی سے گھر چلیں، وہ ناشتے پر ہمارا انتظار کررہے ہوں گے“۔ زریاب انکل نے کہا تو ہم تینوں پارکنگ کی جانب چلے گئے۔

آنٹی فرحانہ، ابان اور فروا ہمارے منتظر تھے۔ وہ سب بہت پیار سے ملے۔ اک ذراسی بھی اجنبیت کا احساس نہیں تھا۔ مجھے لگتا تھا جیسے میں اپنے ہی گھر میں آگیا ہوں۔

”چلو ، سیدھے ناشتے کی میز پر، پھر بعد میں ہوتا رہے گا آرام“۔ آنٹی نے کہا تو ہم سب ناشتے کی میز پر جا پہنچے، جہاں ناشتے کے نام پر ساگ سے لے کر ٹوسٹ تک پڑے ہوئے تھے۔ اس قدر اہتمام دیکھ کر میں نے فرح آپی سے کہا۔

”لگتا ہے میں کسی اجنبی کے گھر آگیا ہوں“۔

”کیا مطلب ہے تمہارا، ہم اپنے ہی گھر میں آئے ہیں“۔

”تو یہ اہتمام !....کیا روزانہ ایسا ہی ناشتہ کرنا پڑے گا“۔ میں نے مصنوعی حیرت سے کہا تو سب ہنس دیئے۔

”آج عیاشی کرلو ،کل سے تو فقط پراٹھا اچار ہی ملے گا“۔ فروا نے تیزی سے کہا۔

”کیوں جی، اسے وہی ناشتہ ملے گا، جو یہ چاہے گا؟ “فرح نے باقاعدہ میز پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا تو زریاب انکل نے ہنستے ہوئے فرحانہ آنٹی سے کہا۔

”تمہیں پتہ ہونا چاہیئے کہ یہ اب فرح کا بھائی ہے۔ اس کی دیکھ بھال میں ذرا سی بھی کمی آئی تو احتجاج فرح نے ہی کرنا ہے“۔

”بس تو پھر، یہ گیا اپنے کام سے....بس چند دن لگیں گے انہیں پاگل ہوتے ہوئے“۔ فروا نے ہنستے ہوئے کہا۔

"ہاں !....جیسے آپی خود ہیں"۔ ابان نے لقمہ دیا تو ان دونوں کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے فرخ آپی نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"اس وقت ہم اللہ کے دیئے ہوئے رزق کے سامنے بیٹھے ہیں۔ اس لیے میں کسی قسم کی کوئی بحث نہیں کروں گی۔ لہٰذا ناشتہ شروع کیا جائے"۔

پھر ایسی ہی نوک جھونک، رچڈل والوں کے بارے میں حال احوال، پاکستان کے موسم اور مقامی حالات پر باتیں کرتے ہوئے ناشتہ ختم کیا۔

"لو بھئی تم کرو آرام اور میں چلتا ہوں آفس، بعد میں آکر سکون سے باتیں کریں گے"۔ زریاب انکل نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک انکل، جیسا آپ چاہیں"۔ میں نے مؤدب انداز کہا تو فرح آپی بولیں۔

"آؤ، میں تمھیں تمہارا کمرہ دکھاؤں۔ وہاں آرام کرو"۔ یہ کہتے ہوئے وہ چل دیں اور میں ان کے پیچھے چل پڑا۔ دوسری منزل پر ایک کشادہ بیڈ روم میں جاتے ہی سکون کا احساس ہوا۔ وہ چند منٹ ٹھہر کر چلی گئیں اور پھر میں جو سویا تو شام کی خبر لایا۔

میں فریش ہو کر نیچے گیا تو انکل لان میں تھے۔ انہوں نے مجھے وہیں بلوالیا۔ میں ان کے پاس جا بیٹھا۔ اِدھر اُدھر کی گپ شپ کے بعد انہوں نے وہ ذکر چھیڑ دیا، جس کے لیے انہوں نے مجھے یہاں بلوایا تھا۔ انہوں بڑے سکون سے کہا۔

"دیکھو بیٹا !....دل تو یہی چاہتا ہے کہ اسلم کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے جو اس نے ہمارے ساتھ کیا، لیکن ہم بھی بیٹیوں والے ہیں، احترام بہر حال ہمیں کرنا ہے۔ اسلم کا نہیں ، اس کی بیٹی کا۔ اسے وہی عزت اور مان دینا ہے، جو اپنے گھر کی خواتین کو دیا جاتا ہے"۔

"میں آپ کی بات نہیں سمجھ سکا"۔ میں آہستگی سے کہا۔

"میں تمہیں پوری بات بتاؤں گا تو ہی سمجھ آئے گی"۔ انہوں نے انتہائی سنجیدگی سے کہا، پھر چند لمحے توقف کے بعد کہتے چلے گئے۔ "اسلم کی بیٹی یونیورسٹی میں داخلہ لے چکی ہے۔ جن دنوں میں نے تمہیں یہاں آنے کو کہا تھا، ان دنوں میں نے پوری طرح تصدیق کرلی تھی کہ اس کی بیٹی ماہم نے یونیورسٹی میں داخلہ لینے کے لیے کاغذات جمع کروائے ہیں۔ ایک میں نہیں، دو تین ڈیپارٹمنٹ میں۔ میں نے ابان کے نام سے تمہاری تصویریں لگا کر کاغذات جمع کروا دیئے۔ابان کا داخلہ بھی سب میں ہو گیا۔ ماہم نے ایک ڈیپارٹمنٹ چنا اور اس میں باقاعدہ کلاس لینے

لگی ہے۔ تمہارا داخلہ بھی ابان کے نام سے وہیں ہو گیا ہے۔ اب تم نے اس وقت تک وہاں پڑھنا ہے، پڑھنا کیا ، کلاسز لینی ہیں، جب تک تم ماہم کو اپنے اس حد تک کلوز کر لو کہ وہ تم سے شادی کے لیے راضی ہو جائے"۔ یہ کہہ کر انہوں طویل نے سانس لیا۔

"اوہ ! ....تو یہ ہے بات"۔ میں نے سمجھتے ہوئے کہا پھراچانک خیال آیا۔" اس طرح ابان کی تعلیم کا کیا ہو گا؟وہ"....

"یہ میرا مسئلہ ہے۔ داخلہ یقیناً غیر قانونی ہے۔ اس کا تمہیں دھیان رکھنا ہو گا۔ ماہم کی عزت، احترام اور حرمت ہر وقت ملحوظ خاطر رہے۔ کسی کو بھی ذرا سا شک نہیں ہوناچاہیئے کہ تم یہاں کے نہیں ہو، برطانیہ سے ہو۔ اس دوران چھٹیوں میں تم واپس جاکر آجانا، اب یہ تم پر ہے کہ تم اس سارے معاملے کو نبھا پاتے ہویا نہیں"۔ انہوں نے کسی حد تک بے یقینی کے سے انداز میں کہا۔

"آپ نے یہ سب کر لیا تو میں کیوں نہیں کر پاؤں گا ۔ مگر آپ نے شاید ایک بات کا خیال نہیں رکھا۔ ایک ہی شہر میں رہتے ہوئے، ایک ہی گھر میں یہاں ہونے کی وجہ سے اسلم کو یا دوسروں کو معلوم نہیں ہو گا کہ میں کون ہوں؟ "میں نے ان کی توجہ ایک اہم نکتہ کی طرف دلائی۔

”میں نے اس کا بندوبست کر لیا ہوا ہے۔ اس شہر میں میرے دوست کی ایک بڑی ساری کوٹھی ہے۔ سب کچھ ہے اس میں ہر طرح کی سہولت جو تمہارے شایانِ شان ہو گی۔ یہ سب تمہارے لیے ہے میری طرف سے۔ تم نے ظاہر یہی کرنا ہے کہ اس کوٹھی کے مکین یورپ گئے ہوئے ہیں۔ تم یہاں کے مضافات سے تعلق رکھتے ہو۔ انہوں نے تمہیں یہاں نگرانی کے لیے رکھا ہوا ہے۔ تمہارے ساتھ دو ملازمین بھی ہیں۔ تم نے چونکہ پڑھنا تھا، اس لیے یہ آفر تم نے قبول کرلی۔ یہ تمہاری حد تک ہے،اس سے آگے کسی کو اپنا بھید مت دینا۔ تم ہم سے کٹ کررہو گے۔ یہاں تک کہ تم اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو جاتے“۔ انکل زریاب نے پوری بات سمجھا دی۔

”تو انکل!....اب مجھے اپنے پاپا کا بدلہ لینے کے لیے میدانِ عشق میں اترنا پڑے گا۔ خیر دیکھ لوں گا۔کب جانا ہو گا مجھے کیمپس ؟ “میں نے مسکراتے ہوئے خوشگوار انداز میں پوچھا۔

”صبح ،اور تم ابھی اس کوٹھی میں جارہے جس کا نام سبزہ زار ہے۔ وہاں سے آیا ہوا ملازم سلیم باہر تمہارا انتظار کر رہا ہے،وہ میرا بہت خاص بندہ ہے۔ کوئی مشکل

معاملہ ہو یا کسی مشورے کی ضرورت پڑے تو بلاجھجک اس سے کر کیا کرنا"۔ انکل نے کہا تو میں چونک گیا۔

"صبح؟ "میں نے پوچھا۔

"ہاں .... تم پہلے ہی دو ہفتے لیٹ ہو ۔ کل تم نے کلاس جوائن کرنی ہے۔ باقی سب باتیں فون پر ہوتی رہیں گی۔ یہ لو، یہ سیل فون تم استعمال کرنا"۔ یہ کہتے ہوئے انہوں نے جیب سے ایک عام سا فون نکالا اور مجھے دے دیا۔ میں نے وہ فون پکڑا اور اٹھ گیا۔

"ٹھیک ہے انکل !....میں چلتا ہوں"۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ابھی ٹھہرو، اپنا بیگ لیتے جا"ؤ۔ یہ کہہ کر انہوں نے اپنے ملازم کو آواز دے دی۔ تب ان لمحات میں مجھے یوں لگا کہ میں میدان جنگ میں اتر گیا ہوں۔

گزشتہ شام جب میں یہاں سبزہ زار میں آیا تو مجھے خاصا خوشگوار احساس ہوا تھا۔ سلیم مجھے موٹر بائیک پر لے آیا تھا۔ آتے ہی اس نے مجھے سارے گھر سے آگہی دے دی تھی۔ گیراج میں کھڑی کار سے لے کر سٹور روم تک اس نے مجھے دکھا دیا۔ میرا بیڈ روم اس نے سیٹ کیا ہوا تھا۔ وہیں جندوڈانام کا ایک دوسرا ملازم تھا۔

وہ کچھ ادھیڑ عمر تھا۔ اس کے ذمے کھانا بنانا اور گھر کی صفائی ستھرائی تھی جبکہ جوان عمر سلیم، چوکیدار سے لے کر میرے معاملات کی دیکھ بھال بھی کرنے والا تھا۔ اس نے مجھے شہر کے بارے میں خوب معلومات دیں۔ میں ان دونوں سے کچھ دیر باتیں کرتا رہا اور پھر بیڈ روم میں چلا گیا۔ ایسے میں انکل زریاب کا فون آگیا تھا۔

"بیٹے !....یہیں سامنے الماری میں لیپ ٹاپ پڑا ہے۔ چاہو تو اسے استعمال کرلو"۔

"ٹھیک ہے انکل میں دیکھ لیتا ہوں"۔

"نہ پتہ چلے تو سلیم سے پوچھ لینا، ویسے ماحول کیسا لگا تمہیں"۔

"بہت اچھا، بہت سکون ہے یہاں پر"۔ میں نے واقعتا اپنی رائے دی۔

"چلو ٹھیک ہے اور ہاں، ایک بات یاد رکھنا، ماہم سے متعلق ہر معاملہ بلکہ ماہم بذات خود صرف تمہارے اور میرے درمیان راز ہے۔ یا پھر تیسرا بندہ تمہارا پاپا ہے۔ اور چوتھا سلیم،باقی تم خود سمجھدار ہو"۔

"میں سمجھ گیا ہوں"۔ میں نے اعتماد سے کہا۔

"وش لوگڈ لک بیٹا "!....انہوں نے جوش سے کہا اور فون بند کر دیا۔

کیمپس میں پہلا دن گزارنے کے بعد جب میں واپس سبزہ زار آیا تو ہارن کی آواز سنتے ہی سلیم نے گیٹ کھول دیا۔ میں گاڑی پورچ میں کھڑی کر کے ڈرائنگ روم میں چلا گیا۔

"سر !....کیسا رہا کیمپس کا پہلا دن....؟ "سلیم نے مجھ سے تھوڑا فاصلے پر کھڑے ہو کر پوچھا۔

"بہت اچھا، ماحول بھی ٹھیک ہے"۔ میں نے یونہی جواب دے دیا۔

"آپ کھانا کھاکر آرام کریں۔ شام کے وقت آکر آپ چاہیں تو میں آپ کو شہر گھما لاؤں گا"۔سلیم نے صلاح دی۔

"ہاں یار، شہر سے واقف ہونا بہت ضروری ہے۔ مجھے نیند آگئی تو ٹھیک ورنہ پھر نکل چلیں گے"۔ میں نے اسے کہا۔

"ٹھیک ہے سر !....میں کھانا لگوا دیتا ہوں، آپ فریش ہو کر میز پر آجائیں"۔اس نے جواب میں کہا اور وہاں سے ہٹ گیا۔

اس شام جب میں اور سلیم یونہی شہر دیکھنے نکلے تو موسم خاصا خوشگوار ہو رہا تھا۔ عارف ڈرائیونگ کررہا تھا اور میں ساتھ والی سیٹ پر تھا۔ مال پر گھومتے رہنے کے بعد کچھ دوسری سڑکیں دیکھیں اور پھر واپسی پر ہم ایک مارکیٹ میں جا پہنچے۔ مجھے

کچھ چیزیں خریدنا تھیں۔ ایک جانب گاڑی روک کر ہم دونوں ایک دکان کی جانب بڑھے۔ تبھی سامنے سے مجھے اسد آتا ہوا دکھائی دیا۔ وہ مجھے دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ پھر گرم جوشی سے ملتے ہوئے بولا۔

”یار !....آج تو تم نے بڑا حوصلہ دکھایا ہے، ورنہ ان سینئرز نے ہمیں بہت ذلیل کیا تھا“۔

”اپنا آپ خود بچانا پڑتا ہے۔ ورنہ دنیا تو انسان کو ذلیل کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ خیر !....تم یہاں کیسے؟“میں نے پوچھا۔

”ہاسٹل میں ذرا بھی دل نہیں لگ رہا تھا۔ سوچا۔ تھوڑا گھوم پھر آؤں۔ وقت اچھا گزر جائے گا“۔ اس نے اُکتاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”آؤ، پھر چلتے ہیں، کہیں بیٹھ کر گپ شپ کرتے ہیں“۔ میں نے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”وہ تو ٹھیک ہے، لیکن آخری بس نکل جائے گی کیمپس کی، پھر ہاسٹل تک جانا مسئلہ بن جائے گا“۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں چھوڑ آؤں گا تمہیں۔ فکر نہیں کرو“۔ میں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا تو وہ ایک دم سے کھل گیا۔

”پھر ٹھیک ہے“۔ وہ خوش ہوتے ہوئے تیزی سے بولا۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

”آؤ، تھوڑی سی شاپنگ کرلیں“۔

وہ میرے ساتھ پلٹ آیا اور ہم کچھ دیر تک شاپنگ کرتے رہے۔ پھر میں نے سلیم سے کسی اچھے ریستوران کی طرف جانے کے لیے کہہ دیا۔

ریستوران کی چھت پر دھیمی روشنی میں، اسد اور میں دونوں بیٹھے ہوئے باتیں کررہے تھے۔ سلیم میرے ساتھ نہیں آیا تھا۔ ویٹر کو آرڈر دے دیا تھا اور اسد مجھے اپنے بارے میں بتا رہا تھا۔ پھر یہاں آنے اور پچھلے دو ہفتوں میں ہونے والے اہم واقعات اور اپنا تاثر بتانے لگا۔ میں دلچسپی سے سنتارہا۔ میں کلاس کا ماحول کسی حد تک سمجھ گیا تھا اور ڈیپارٹمنٹ کی جو فضا تھی اس سے بھی کسی حد تک واقف ہو گیا تھا۔ دراصل سینئر کلاس کو تگڑی کلاس اس لیے کہا جارہا تھا کہ اس میں چند لڑکوں کا ایک ایسا گروپ تھا جو ایک سیاسی ومذہبی طلبہ تنظیم سے تعلق رکھتے تھے۔ اگرچہ پورے کیمپس میں ان کا اتنا زور نہیں تھا لیکن ایک طاقتور عنصر کے طور پر ان کا دباؤ بہر حال طلبہ و طالبات کے ذہنوں پر موجود تھا۔ یہی وجہ تھی کہ سینئر کا گروپ نئی آنے والی کلاس کو اپنے دباؤ میں کرلینا چاہتا تھا۔ ان کا طریقہ کار

بہت عجیب سا تھا۔ وہ پہلے اپنا رویہ ہتک آمیز رکھتے۔ ان میں آگے سے کوئی بول پڑا تو نرم پڑ جاتے ورنہ دبا کر رکھتے۔ فسٹ ائیر فول میں سوائے ایک لڑکی کے سامنے سبھی خاموش رہے تھے۔ یا دوسرا میں تھا جو ان کے دباؤ میں نہیں آیا تھا۔ باقی سب کے ساتھ ان کا برتاؤ اچھا نہیں تھا۔ اس کی کیا وجہ تھی؟ اس وقت نہ تو اسد کی سمجھ میں آئی تھی اور نہ میری۔ اتنے میں ویٹر نے کھانا لگا دیا تو میں نے کہا۔

"خیر !....ان کے رویے کی سمجھ تو آجائے گی۔ کل مجھے لگا کہ وہ تنویر گوپانگ بھی انہی کی طلبہ تنظیم سے تعلق رکھتا ہے"۔

"ہاں لگا تو مجھے بھی ہے؟ لیکن ابھی اس نے کھل کر اپنا اظہار نہیں کیا۔ ابھی تک تو سب کلاس فیلوز سہمے ہوئے ہیں، نیا ماحول، نئ جگہ، ابھی ایک دوسرے کے بارے میں معلوم بھی تو نہیں ہے نا"۔ اسد نے اپنا تاثر دیا۔

"سب دیکھ لیں گے۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ سب بھول جاؤ اور کھانے پر توجہ دو۔ وہ بھی یہیں اور ہم بھی یہیں"۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا اور لڑکیوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ یہی وہ موضوع ہوتا ہے جس پر بڑی خوشگواری اور دلچسپی سے باتیں چلتی چلی جاتی ہیں۔ اسد بھی ایک ایک لڑکی کے بارے میں باتیں

کرتا چلا گیا جس کا نام اسے معلوم نہیں تھا۔ وہ اسے بہت اچھی لگی تھی، جس سے سینئر نے کوئی بات نہیں سنی تھی۔ اگرچہ وہ زیادہ خوبصورت نہیں تھی لیکن حوصلے والی تھی۔یہی خوبی اسے پسند آگئی۔ میں جاننا چاہتا تھا کہ ماہم کیسی ہے؟ مگر میں نے اس کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ یوں رات دیر تک بیٹھے رہنے کے بعد میں اور سلیم اسے چھوڑنے کیمپس کی جانب چل دیئے۔ جہاں گرلز اور بوائز ہاسٹل کا ایک طویل سلسلہ تھا اور انہی میں سے ایک ہاسٹل میں اسد رہتا تھا۔ ہم اسے ہاسٹل سے باہر ہی چھوڑ کر آگئے ۔ واپسی پر میں عمارات کے اس سلسلے کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔ کہیں روشنی ، کہیں اندھیرا دور اور نزدیک عمارتیں۔ ان میں نہ جانے کتنے لوگ ہوں گے۔ کون کون اپنی کس کس طرح کی خواہش لے کر یہاں آیا ہو گا۔ جن کے بارے میں یقین سے کہا ہی نہیں جاسکتا تھا کہ ان کی وہ خواہش پوری ہو گی یا نہیں۔ اتنے لڑکے اور لڑکیاں ان کے لیے انتظامات کرنے والے لوگ اور پھر ان سے متعلق لوگ۔

”سر !....کیا سوچنے لگ گئے ہیں آپ؟“سلیم نے پوچھا تو میں اپنے خیالات سے نکل آیا۔

”بس یونہی، اس منظر کو دیکھ کر کیمپس کے بارے میں سوچ رہا تھا“۔ میں نے عام سے انداز میں کہا تو وہ بڑے خلوص سے بولا۔

”سر جی، یہ جو دکھائی دینے والا منظر ہے نا، سب کو ایسے ہی نظر آتا ہے، لیکن بہت کم لوگ ہیں جو وہ منظر بھی دیکھ لیتے ہیں، جو یہاں دکھائی نہیں دیتے“۔

اس کی بات خاصی دلچسپ تھی، اس لیے میں چونکتے ہوئے کہا۔

”تم کہنا کیا چاہتے ہو“۔

”آپ اسے یوں سمجھ لیں کہ ایک وہ دنیا ہوتی ہے جو ہمارے سامنے ہے ، جو ہم دیکھ سکتے ہیں، لیکن یہاں دکھائی دینے والی دنیا کے علاوہ اور بہت ساری دنیائیں ہیں، جو فقط ان کو نظر آتی ہے جو اس سے متعلق ہوں“۔

”مان لیا کہ وہ کچھ ہے، جو تم کہہ رہے ہو، لیکن یہاں دو باتیں پیدا ہوتی ہیں؟ ایک یہ کہ تم کیسے جانتے ہو، کیا تم ان دنیاؤں سے متعلق رہے ہو اور دوسری بات کہ یہ کیسی دنیائیں ہیں جو دکھائی نہیں دیتی“۔ میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

”آپ کی پہلی بات کا جواب تو یہ ہے سر جی کہ میں یہاں کچھ عرصہ رہا ہوں۔ میری ملازمت تھی یہاں پر، پھر میں نے چھوڑ دی اور جہاں تک آپ کے دوسرے

سوال کا تعلق ہے وہ میں اس وقت آپ کو سمجھانا بھی چاہوں تو نہیں سمجھا پاؤں گا، وہ جب کبھی ضرورت پڑی تو آپ پوری تفصیل سے بتا دوں گا"۔

"ٹھیک ہے، تب سہی، مگر مجھے اس بارے میں تجسس ضرور رہے گا"۔ میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"وہ آپ فکر نہ کریں۔ میں سب بتادوں گا"۔ اس نے کہا اور گاڑی کیمپس کے مین گیٹ سے مین روڈ پر ڈال دی۔ تب سبزہ زار پہنچنے تک ہم میں کوئی بات نہیں ہوئی۔

اگلی صبح جب میں کیمپس کی سڑک پر تھا اور کار بڑی آہستگی سے ڈرائیو کرتا ہوا جارہا تھا، تب میرے بدن میں کل جیسی سنسنی خیزی نہیں تھی۔ میں پُرسکون تھا اور صرف یہ ذہن میں تھا کہ اگر کل کی طرح آج بھی سینئرز کے ساتھ آمنا سامنا ہو گیا تو پھر میرا رویہ کیا ہونا چاہیئے۔ انہوں نے بہت سوچ سمجھ کر لڑکیوں کو آگے کیا ہوا تھا تاکہ کوئی اپنا ردِ عمل ظاہر بھی کرنا چاہے تو مخالف جنس کو دیکھ کر خاموش رہے، کہہ نہ پائے۔ ممکن ہے یہاں کے لڑکوں میں ابھی جھجک ، شرم اور حیا ہو جو میرے جیسے برطانیہ کے پروردہ میں نہیں ہوتی۔ اس لیے میں نے بہت بولڈ انداز میں ان کا سامنا کر لیا تھا۔ خیر، جو کچھ بھی تھا، آج اگر انہوں نے کوئی ایسی

بات کی تو رویہ یکسر مختلف ہو گا۔ وہ خود سوچتے رہ جائیں گے کہ آخر یہ ہوا کیا ہے۔ اک ذرا سا ماحول میری سمجھ میں آیا تھا۔ اگر وہ واقعتاً ہی ایسا تھا تو میرے لیے کوئی بندہ بھی مشکل پیدا نہیں کر سکتا تھا۔ میں انہیں بڑی آسانی سے اپنی راہ پر لے آتا۔ یہی سوچتے ہوئے میں ڈیپارٹمنٹ پہنچ گیا۔ آج بھی میں شلوار سوٹ میں تھااور خود کو پُرسکون محسوس کر رہا تھا۔ سیڑھیاں چڑھ کر جب میں راہداری میں آیا تو کلاس روم کے سامنے لڑکیوں کا جمگھٹا سا لگا ہوا تھا جو میری کلاس فیلوز تھیں۔ ان میں سینئر لڑکیاں نہیں تھیں۔ میں جیسے ہی ان کے قریب سے گزرنا چاہا تو ایک لڑکی نے تیز انداز میں کہا۔

”ابان ....ذرا بات سننا“۔

میں رک گیا۔ مجھے اندازہ نہیں تھاکہ کس نے مجھے پکارا ہے۔ میںنے خاموشی سے سب کی طرف دیکھا تاکہ وہ دوبارہ مخاطب ہو تو مجھے پتہ چلے، چند لمحے کوئی نہیں بولا تو میں نے پوچھا۔

”آپ میں سے کسی نے مجھے آواز دی ہے؟“

”جی ....میں نے “....ان میں سے ایک پتلی سی اور لمبی سی لڑکی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"جی فرمایئے؟ "میں نے کہا۔

"کیا آپ ہمارے ساتھ کینٹین تک چلیں گے"۔ اس نے پوچھا

"خیریت، میں اکیلا ہی کیوں؟ "میں نے کسی قدر حیرت سے پوچھا۔

"وہیں چل کر بتاتے ہیں۔ آج سر نہیں آئے، میڈم ہی پیریڈ لیں گی۔ کلاس کا کوئی مسئلہ نہیں ہے"۔ اس نے جلدی سے مجھے مطلع کیا۔

"آپ چلیں، میں وہیں آجاتا ہوں"۔ میں ے کہا اور آگے بڑھ گیا ۔ میں حیران تھا کہ انہوں نے مجھے ہی دعوت کیوں دی ہے۔ مجھے راہداری میں کوئی لڑکا دکھائی نہیں دیا تو وہی لڑکی بولی۔

"سب باہر ہیں اور یہاں سینئرز کی کلاس ہو رہی ہے"۔

"چلیں"۔ میں نے کہا اور واپسی کے لیے قدم بڑھا دیئے۔ میں آگے آگے تھا اور وہ لڑکیاں میرے پیچھے تھیں۔ میں اسد کو تلاش کررہا تھا کہ وہ بھی میرے ساتھ ان کے درمیان موجود ہو۔ مگر وہ کہیں بھی دکھائی نہیں دیا۔ میں کینٹین کے اندر چلا گیا تو ہمارے کلاس فیلوز ایک کونے میں بیٹھے ہوئے خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ وہیں تنویر گوپانگ اور اسد دونوں تھے۔ میں ان کے قریب چلا گیا۔

”اُویار ابان !....کل تم نے تو کمال کر دیا، ان سینئرز نے تو ہماری بڑی بے عزتی کی تھی “۔ تنویر گوپانگ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

”کمال تو کر دیا، لیکن اگر اب عتاب آیا تو ان کی طرف سے اس پر“۔ ایک لڑکا بولا۔

” دیکھ لیں گے یار ، تم کیوں گھبراتے ہو“۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا، پھر تنویر اور اسد سے کہا۔” تم دونوں آؤ ذرا مجھے ایک کام ہے“۔

وہ دونوں اٹھ کر کینٹین سے باہر آگئے۔ تو میں نے انہیں لڑکیوں کی دعوت کے بارے میں بتایا۔

”ہاں یار وہ سامنے لان میں سب بیٹھ گئی ہیں، لگتا ہے تمہاراہی انتظار کررہی ہیں۔ مگر کیوں؟ “تنویر نے آہستگی سے یوں کہا جیسے وہ ہماری بات سن نہ لیں۔

”اس لیے تم ....میرے ساتھ چلو“۔ میں نے ان سے کہا۔

”چلو، چلتے ہیں“۔ اسد نے کہا اور ہم تینوں ان کے پاس جا کر خالی نشستوں پر بیٹھ گئے۔

”جی.... فرمایئے “۔ میں نے اس لڑکی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا، جس نے دعوت دی تھی۔

"دراصل ہم سب کی طرف سے ایک چھوٹی سی پارٹی کا اہتمام ہے، جس میں آپ کو ویلکم کہنا ہے۔ کیونکہ، کل آپ نے وہی کیا جو ہمارے دل میں تھا"۔

"اوہ !....میں نے کوئی بہت بڑا تیر تو نہیں مار لیا، انہیں ان کی باتوں کا صرف جواب دیا تھا۔ میری کون سی ان کے ساتھ دشمنی تھی"۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ابان، آپ کو پتہ نہیں، پہلا پورا ہفتہ انہوں نے ہمیں بہت تنگ کیا تھا۔ ایک دفعہ مذاق کر لیا،ہو گیا، یہ تو نہیں دوسرے کو تنگ ہی کرتے رہیں"۔ ایک دوسری لڑکی نے کہا۔

"میں پھر کہوں گا کہ یہ کوئی اتنا بڑا کام نہیں تھا۔ ذرا سا حوصلہ کر لیا جائے تو کچھ نہیں ہوتا"۔ میں نے عام سے لہجے میں کہا۔

"دوسری بات تو سنی نہیں آپ نے۔ ہم سب جو یہاں موجود ہیں آپ کا ہر طرح سے ساتھ دیں گی۔ کیونکہ ہاسٹل میں سینئر لڑکیوں نے باقاعدہ آپ کو ذلیل کرنے کا پروگرام بنالیا ہوا ہے ۔وہ اپنی بہت زیادہ بے عزتی محسوس کر رہی ہیں؟"ایک لڑکی نے کہا۔

"آپ سب کا بہت شکریہ، لیکن یہ بات اگر ہم سب کلاس فیلوز مل کر کر لیتے تو زیادہ بہتر نہیں تھا، میرا مطلب ہے بوائز اور گرلز "…. میں نے ایک خیال کے تحت یونہی صلاح دی۔

"ہاں جی، ایک گیٹ ٹو گیدر تو ہونی چاہیئے۔ تاکہ دوسروں کو معلوم ہو کر ہم سب ایک ہیں"۔ تنویر گوپانگ سے رہانہ گیا اس نے فوراً ایک تجویز دے دی۔

"یہ ہم طے کر کے آج ہی رکھ لیتے ہیں"۔ اسد نے کہا۔

"چلیں؟ ہم سب آپ کو بتا دیتی ہیں، فی الحال جو ہم نے سوچا، وہ ہو جائے"۔ اسی لمبی سی لڑکی نے کہا۔

"جیسے آپ کی مرضی"۔ یہ کہتے ہوئے اچانک میرے ذہن میں ایک خیال آیا۔ وہ بات مجھے اسد نے رات ہی بتائی تھی۔ تب میں نے بوجھ لیا۔"مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ گرلز میں سے ایک نے سینئرز کو دبا دیا تھا اور وہ اس سے مذاق نہیں کر پائے تھے، وہ کون ہیں؟"۔ میں نے پوچھا۔

"وہ !….وہ ماہم چوہدری ہے….وہ کل بھی نہیں آئی تھی اور آج کا پتہ نہیں آئے گی بھی یا نہیں۔ دراصل وہ یہاں کے ایک سیاستدان اسلم چوہدری کی بیٹی ہے کسی کو خاطر ہی میں نہیں لاتی اپنی مرضی کرتی ہے"۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

”لو !....وہ آگئی، پتہ نہیں اس کی لمبی عمر ہے یا وہ شیطان “....ایک لڑکی نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو میں نے دھڑکتے ہوئے دل سے اس کی جانب دیکھا۔ کار پارکنگ میں ایک جدید ماڈل کی کار رک گئی تھی۔ بلاشبہ وہ اس میں ہی تھی۔ میں اس کی جانب غور سے دیکھنے لگا۔ چند لمحوں بعد کار میں سے جو لڑکی نکلی، اس نے میرون کلر کی قمیص اور سفید شلوار پہنی ہوئی تھی، قمیص پر سنہرے رنگ کا ہلکا کام تھا۔ جو اس کی شخصیت میں عجیب ساتاثر دے رہا تھا۔ سلکی شولڈر کٹ بال، پتلی سی ، دراز قد، سیاہ گیسوؤں میں اس کا گورا رنگ یوں لگ رہا تھا جیسے ہمک رہا ہو۔ لمبی لمبی انگلیوں والے نازک ہاتھوں میں بیگ تھامے، اس نے کار کو لاک کیا اور چاروں جانب دیکھا۔ تبھی اس کی نگاہ لان میں بیٹھی لڑکیوں پر پڑی۔ وہ سمجھ گئی کہ کلاس نہیں ہو رہی ہے۔ اس لیے وہ چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی ہماری جانب آنے لگی۔ میں اس کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا، یہی وہ ماہم چوہدری تھی، جس کے لیے میں اتنا سفر کر کے یہاں تک آچکا تھا۔ اسے خبر ہی نہیں تھی کہ کوئی اس کے لیے اپنے دل میں کیا کچھ لیے بیٹھا ہے۔ وہ قریب آچکی تھی، اس کے نقش بتا رہے تھے کہ وہ خوبصورت چہرے کی مالک ہے، چند لمحوں بعد وہ میرے سامنے آجانے والی تھی، اس لیے میں رخ پھیر کر اس کی وہاں آمد کا انتظار کرنے لگا۔

وہ دشمن جاں میرے سامنے تھی۔ میں نے اسے بہت غور سے دیکھا تھا۔ اس نے بڑی بے نیازی سے اپنے شولڈر کٹ زُلفوں پہ ہاتھ پھیرا تو سفید مخروطی انگلیوں میں نیلے رنگ کا بڑا سا نگینہ گولڈ کی انگوٹھی میں جڑا ہوا دکھائی دیا۔ وہ اک ادا سے ہم سب کے قریب آئی اور لاپرواہانہ انداز میں سب کی جانب دیکھتے ہوئے ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔وہ میرے دائیں جانب ذرا سے فاصلے پر براجمان تھی۔ میں اسے بڑے غور سے دیکھ سکتا تھا۔ بلا شبہ وہ حسین تھی۔ حسن بھی ہو اور امارت بھی، ان دونوں کا تال میل ہو جائے تب ناز و نزاکت کا آجانا اک فطری سا امر لگتا ہے۔ اس کے چہرے پر سب سے زیادہ پُرکشش اور فوراً توجہ حاصل کرنے والی اس کی آنکھیں تھیں۔ بھنور اسی موٹی موٹی آنکھیں، گھنیری پلکوں اور کمان ابرو کے ساتھ میں چمکتی ہوئی زندگی سے بھر پور آنکھیں۔ ستواں ناک اور پتلے پتلے اس لیے ہونٹ، گول چہرے پر گال ابھرے ہوئے اور سرخ سے تھے۔ ہلکے میک اپ میں چہرے کے نقوش کو ابھارا ہوا تھا لیکن اوپری لب کے دائیں جانب ہلکا سا تل چھپ نہیں سکا تھا۔ اس کی لابنی گردن میں سونے کی ہلکی سی چین تھی جس میں چھوٹا سا موتی چمک رہا تھا ۔ سفید آنچل میں کہیں کہیں سیاہ ستارہ نما نگینے تھے۔ گورے پاؤں میں سفید سلیپر، یہ سب کچھ میں نے چند لمحوں میں دیکھا اور اس سے

نگاہیں پھر لیں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ وہ میری نگاہوں میں اپنے کے لیے پسندیگی کی ذراسی بھی رمق دیکھ لے۔ یہ قدرت کا عورت کو عطیہ ہے کہ اسے ایسی حس سے نواز ہوا ہے۔ وہ مرد کی آنکھوں میں موجود اپنے لیے کسی بھی جذبے کو فوراً سمجھ لیتی ہے۔ جیسے زلزلہ آنے سے کہیں پہلے پرندوں کو معلوم ہو جاتا ہے۔ میں نے لمحوں میں خود پر قابو پایا اور یوں بن گیا جیسے وہ میرے لیے اجنبی ہے۔

"آج یہاں کیسے بیٹھے ہو آپ لوگ، کلاس نہیں ہوئی کیا؟ "اس نے پتلی سی آواز میں بڑے صاف لہجے میں پوچھاتو رابعہ نے کافی حد تک شوخ اور پُر تجسس لہجے میں کہا۔

"ارے کلاس کو چھوڑو رانی، اِن سے ملو، یہ ہیں ابان علی، ہمارے نئے کلاس فیلو"....

مجھے دعوت دینے والی رابعہ نے اس قدر پرشوق لہجے میں کہا تو ماہم نے شانِ بے نیازی سے پلکیں اٹھا کر میری جانب دیکھا۔ پھر چند لمحے مجھ پر نگاہیں ٹکائے مجھے دیکھتی رہی اور بولی۔

"ان سے ملنے کی کوئی خاص وجہ ہے رابعہ؟ "اس بار ماہم کے لہجے میں کافی حد تک غرور کا خمار بول اٹھا تھا۔ اس نے یہی پوز کیا تھا کہ جیسے میں اس کے لیے کوئی

خاص اہمیت نہیں رکھتا۔ رابعہ کسی عام سی چیز کو خاص بنا کر پیش کر رہی ہے ۔

تب رابعہ نے تیزی سے پرجوش لہجے میں کہا۔

”خاص وجہ ....ارے بہت ہی خاص وجہ کہو “....اتنا کہہ کر اس نے کل کلاس میں ہونے والا واقعہ اختصار سے دہرا دیا۔وہ خاموشی سے سنتی رہی۔” ابان نے بھی ان سینئرز کے ساتھ وہی کیا ہے، جو چند دن پہلے تم نے کیا تھا، ہمیں تو بہت خوشی ہوئی ہے کہ کم از کم بوائز میں سے کوئی ایسا ہمارے ساتھ شامل تو ہوا“۔

”اور ہم اس خوشی کو سیلی بریٹ کرنے کے لیے یہاں جمع ہیں .... سمجھی کچھ “.... فضہ نے دبنگ لہجے میں کہا تو اس نے حیرت سے پہلے اُسے اور پھر میری طرف دیکھ کر کہا۔

”اور !....یہ پارٹی یہاں ....اس خوشی میں ہو رہی ہے“۔ اس کا انداز ایسا تھا جیسے کوئی بچوں جیسی حرکتیں دیکھ کر خوش ہو رہا ہو۔ میں نے اتنی میں دیر میں اندازہ لگالیا تھا کہ ماہم کس طرح کی نفسیات رکھتی ہے۔ اس کے دماغ میں امارت اور اپنے ہونے کا غرور سمایا ہوا تھا۔ وہ ان لوگوں میں سے تھی جو نہ توخود سے زیادہ کسی دوسرے کو اہمیت دیتے ہیں اور نہ ہی دیکھ سکتے ہیں۔ میرا یہ خیال اس وقت

سچ ثابت ہو گیا جب اس نے اگلی بات میری توقع کے مطابق کہی۔" چلو، ٹھیک ہے .... مینو کیا ہے؟"

اس کے پوچھنے پر رابعہ نے اسے بتایا تو وہ سنتی رہی۔

"بس یہ سمجھ کہ ہم گرلز نے ہی "....فضہ نے کہنا چاہا تو وہ فوراً بولی۔

"مینو بڑھا لو اور جو بوائز ہیں، انہیں بھی یہیں بلوالو، یہ ٹریٹ میری طرف سے ہو گی "....اس نے امارت کے خمار آلود لہجے میں کہا تواپنے خیال کے درست ہونے پر مسکرا دیا۔

"وا !....ؤونڈر فل ....وہ جو کل گیٹ تو گیدر ہونی تھی، آج ہی ہو جائے"۔ رابعہ نے چہکتے ہوتے کہا۔

"ٹیچرز کو بھی بلالیں "....ایک لڑکی نے صلاح دی تو ماہم نخوت سے بولی۔

"اُو نہیں !....یہ ہم سٹوڈنٹس کی پارٹی ہے ....ٹیچرز کو پھر کبھی بلالیں گے"....

"اسد ....پلیز آپ بوائز کو یہاں لے آئیں، اتنے میں‌ما ہم آرڈر دے آئی"۔ رابعہ نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"جی، بالکل "!....اسد نے سعادت مندی سے کہا اور اٹھ گیا۔ تب میں سوچنے لگا کہ زندگی میں بہت سارے لوگ ملتے ہیں۔ ہر کوئی خامیوں اور خوبیوں کا مجموعہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ہوتا ہے۔ اس سے قطع نظر کہ وہ خود کو کیا بنا کر پیش کررہا ہے اور حقیقت میں وہ کیا ہوتا ہے۔ چند انسانی خواہشیں ایسی ہیں۔ جن کے اظہار کا لاشعوری احساس چھپائے نہیں چھپتا اور وہ ظاہر ہو ہی جاتا ہے۔ جیسے کہ خود نمائی کی خواہش۔ ماہم خود نمائی کی خواہش کو ذرا سا بھی چھپا نہیں سکی تھی۔ جس پر میں دل ہی دل میں ہنس کررہ گیا۔ کیونکہ بہت سارے انسانی جذبات ایسے ہیں، جنہیں انسان اپنی خوبی گردانتا ہے۔ مگر وہی ان کی کمزوری بھی ہوتے ہیں۔ ماہم میرے لیے اتنی مشکل ثابت نہیں ہو سکتی تھی، لیکن میں کسی بھی خوش فہمی میں مبتلا نہیں ہونا چاہتا تھا۔

"آپ کیا سوچ رہے ہیں کہیں آپ کل والے واقعے پرپچھتاتو نہیں رہے"۔ ماہم نے براہِ راست مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔ اس کے لہجے میں کافی حد تک طنز تھا۔جسے میں نظر انداز کرتے ہوئے آہستگی سے بولا۔

" نہیں، ایسا نہیں ہے، نہ تو میں پچھتا رہا ہوں اور نہ ہی کل کے واقعے بارے میں سوچ رہا ہوں"۔

"اُوہو !چلو اچھی بات ہے"۔ یہ کہہ کر مجھے یوں نظر انداز کر کے لڑکیوں سے باتیں کرنے لگی جیسے مجھ سے مخاطب ہو کر اس نے بہت بڑی غلطی کی ہے۔ میں اس کی اس ادا پر مسکرا ہی سکتا تھا۔ پھر ہمارے درمیان کوئی بات نہیں ہو سکی۔

کچھ ہی دیر بعد سب لوگ جمع ہو گے۔ باتوں کا موضوع سینئرز اور ان کا رویہ تھا۔ کھانے پینے کے دوران آئندہ آنے والے دنوں کے بارے میں تبصرہ اور عزم کیا گیا کہ ہمیں کیسے رہنا ہے۔ ماحول میں جو ایک اجنبیت تھی، وہ تحلیل ہو گئی تھی اور اس میں ایک خاص قسم کی خوشگواریت در آتی تھی۔ جس سے ذرا سی بے تکلفی کی فضا پیدا ہو گئی تھی۔ وہاں سب کا تعارف بھی ہوا، کسی کا نام ذہن میں رہ گیا، کسی کا نہیں۔ انہی لمحات میں جبکہ ہم کھاپی چکے تھے، تنویر گوپانگ نے کافی حد تک اونچی آواز میں تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

”یار ابان !.....یہ گیٹ تو گیدر تیرے آنے ہی سے ہوئی ہے ....ورنہ ہم سب تو بالکل اجنبیوں کی مانند کلاس لے رہے تھے“۔

”خیر، یہ بے تکلفی تو ہونا ہی تھی، آج نہ ہوتی تو کسی اور وقت ہو جانا تھی“۔ فریحہ نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔ تب مجھے وہ کہنے کا موقعہ مل گیا جو میرے ذہن میں کچھ دیر پہلے آیا تھا۔ میں نے سب کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ ” سنیں پلیز “!.... میرے یوں کہنے پر سبھی میری جانب دیکھنے لگے۔ تب میں نے کہا۔” مجھے بہت خوشی ہوئی اور میں نے ایک طرح سے یہ اپنا مان محسوس کیا ہے کہ گرلز نے مجھے

اس انداز سے خوش آمدید کہا۔ میں آپ سب کا شکریہ ادا کرناچاہتا ہوں۔ اگر آپ قبول کرلیں تو"....

میرے یوں کہنے پر چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر ماہم نے ہی حیرت زدہ لہجے میں کہا۔

"اس میں اجازت لینے کی کیا ضرورت ہے"۔ آپ کہہ دیں"۔

"میں محض لفظوں سے نہیں بلکہ آپ سب کے شانِ شایان شکریہ کہنا چاہتا ہوں۔ " میں نے اس کی طرف گہری نگاہوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ واقعتا حیران ہوتے ہوئے بولی۔

"وا !....ؤ واہ کیا کہنے ابان"!....

"آپ سب کو میری طر سے لنچ کی آفر ہے۔ وہ بھی آپ کے پسندیدہ ریستوران میں۔ وہ طے کرلیں پھر ہم سب وہیں اکٹھے ہو جاتے ہیں۔"میں نے پُرسکون انداز میں کہا تو ماہم ایک لمحے کے لیے ساکت رہ گئی لیکن رابعہ نے انتہائی خوش میں کہا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ آپ ماہم کو تھینکس کہنے کے لیے اتنا اہتمام کریں گے؟ "اس کے لہجے میں خوشگوار حیرت چھلک رہی تھی۔ باقی سب کا بھی یہی حال تھا، ان میں اچانک بھنبھناہٹ شروع ہو گئی تھی۔

"کیوں نہیں، انہوں نے یہاں مجھے ٹریٹ دی تو میرا بھی حق بنتا ہے کہ انہیں شکریہ کہوں"۔ میں نے آہستگی سے کہا تو رابعہ بولی۔

"اوکے، ہم ابھی طے کرتے ہیں اور"....

"لیکن پہلے ماہم سے پوچھ لیں کہ وہ ".... فریحہ نے تیزی سے کہا تو سب نے ماہم کی جانب دیکھا۔ وہ خوشگوار حیرت میں ڈوب گئی تھی۔ جس کا اظہار اس کے چہرے کی سرخی سے ہو رہا تھا جو ایک دم سے اس کی آنکھوں سمیت چہرے پر درآئی تھی۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی، پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

"ٹھیک ہے، جیسا آپ سب چاہیں"۔

"میرا مشورہ ہے۔ اگر ماہم اپنی پسند کا ریستوران بتادے تو زیادہ اچھا ہو گا"۔ میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"اوکے"!.... فریحہ نے تیزی سے کہا اور اس سے پوچھنے لگی۔ کچھ دیر بعد طے ہو گیا کہ کس ریستوران میں کب پہنچ جانا ہو گا۔ درمیان میں فقط میڈم کا پیریڈ لینا تھا۔ پھر اس کے بعد فری ہوں گے۔ سواس وقت ہم وہاں سے اٹھ کر کلاس روم کی جانب چل پڑے۔

ہم سب ڈیپارٹمنٹ کے کاریڈور میں آگے پیچھے جارہے تھے۔ میرے ساتھ اسد تھا اور ہم لنچ کے بارے میں بات کرتے ہوئے چلتے چلے جارہے تھے۔ تبھی راہداری میں سینئرز کا ایک گروپ کھڑا ہوا دکھائی دیا۔ ان میں وہی لڑکے اور لڑکیاں تھیں، جنہوں نے کل میرے ساتھ مذاق کرنے کی کوشش کی تھی۔ میں ان سے بچ کر ہی نکلنا چاہتا تھا۔ جیسے ہی میں ان کے قریب پہنچا ،ایک لمبے سے قد والے غنڈہ ٹائپ لڑکے نے میرے سامنے اپنا بازو کر دیا۔ جس سے مجھے رکناپڑا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ میرے ہی انتظار میں تھے۔

”راستہ روکنے کا مطلب سمجھتے ہو کیا ہے؟ “میں سکون سے کہا۔

”جانتا ہوا، اسی لیے تمہیں روکا ہے۔ تمہیں اپنے سینئرز سے معافی مانگنا ہوگی اور جو وہ کہتے ہیں، وہ تمہیں کرنا ہو گا“۔ اس غنڈہ ٹائپ سینئر نے میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”اور اگر میں انکار کردوں تو....؟ “میں نے سرد لہجے میں جواب دیا۔

”تو پھر ....ہمارے پاس کئی طریقے ہیں ....ایک تو یہ ہے کہ ہم ابھی تمہیں اٹھائیں گے اور باہر لے جائیں گے .... تمہاری یہ شرٹ اتار کر اسے آگ لگا دیں گے ....

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

تب تمہیں اپنے گھر بغیر شرٹ کے جانا پڑے گا .... کہو کیسے لگو گے .... گھر جاتے ہوئے "....اس نے طنزیہ انداز میں ہنستے ہوئے کہا۔

"اور اگر میں نے یہیں اس راہداری میں تمہاری پتلون اتار دی .... تو بتاؤ، تم کیسے لگو گے "....میں نے بھی اسی طرح کے طنزیہ لہجے میں کہا۔ تب اس نے چونک کر میری جانب دیکھااور غصے میں بولا۔

"ٹیڑھی شے لگتا ہے بھئی ....ہاسٹل ہی لے جانا پڑے گا"....

"تو چلو چلتے ہیں"۔ میں نے اس کا کالر پکڑتے ہوئے کہا۔" لیکن پہلے یہ طے کر لو ....ڈیپارٹمنٹ سے ہاسٹل تک کا سفر کر لو گے....؟ "میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں۔ تو اس نے اپنا کالر چھڑاتے ہوتے کہا۔

"مزہ آئے گا تیرے ساتھ .... چل دیکھتا ہوں تو کیا شے ہے"۔ یہ کہتے ہوئے اس نے میری طرف ہاتھ بڑھانا چاہا تو انہی کی کلاس فیلو بولی۔

"رک جاؤ عاطف!....اگر یہ شخص تمہارا مذاق برداشت نہیں کر سکتا تو پھر زبردستی کیوں ....ایسی بات کیوں بڑھا رہے ہو؟"

"اسے بتانا پڑے گا کہ اس ڈیپارٹمنٹ میں کیسے رہنا ہے "....اسی غنڈے عاطف نے کہا ہی تھا رابعہ تیز اور اونچی آواز میں بولی۔

"سینئرز اگر اپنی عزت کروانا نہیں جانتے ہو تو جاؤ، جاکر سیکھو، عزت کیسے کروائی جاتی ہے۔ تم لوگوں نے ایک سال رہنا ہے اور ہم نے دو سال ....اب جس کی ہمت ہے ....وہ ابان کی طرف ہاتھ بڑھائے ....پہلے میں دیکھتی ہوں اسے"۔ اس نے باقاعدہ آستینیں چڑھاتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی وہاں شور مچ گیا۔ وہ چند لوگ ہی تھے اور ہم سارے تھے۔ ان سب نے سینئرز کو گھیرے میں لے لیا۔ تبھی انہی میں سے ایک لڑکی نے گھبراتے ہوئے کہا۔

"چھوڑیں دفعہ کریں ....ان جونیئرز کے منہ نہیں لگنا چاہئے"....

"اے !....زبان سنبھال کربات کر .... کہیں ابتداءتم ہی سے نہ ہو جائے ....مجھے تو تم پر پہلے ہی بڑا غصہ ہے....؟" فریحہ نے اس لڑکی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"لے چلو، ان سینئرز کو ....اپنی کلاس میں۔ وہیں پوچھتے ہیں چل کر "....رابعہ نے غصہ میں لرزتے ہوئے کہا۔ میں ان کے تیور دیکھ رہا تھا۔ سبھی کے چہرے رابعہ کی تائید کرتے دکھائی دے رہے تھے۔ ماہم خاموشی سے دیکھ رہی تھی۔

"چلو "!....اسد نے عاطف کا کالر پکڑا اور کلاس روم کی طرف دھکیلا۔ عاطف کے چہرے پر اچانک گھبراہٹ آگئی۔ کلاس روم میں سوائے انہیں ذلیل کرنے کے اور کیا ہو سکتا تھا۔ اسی لمحے مجھے احساس ہوا کہ وہ مذاق کے نام پر جونیئرز کے ساتھ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

زیادتیاں کرتے رہے ہیں۔ تبھی انہیں اس قدر غصہ آیا تھا۔" چلتے ہویا پھر لے جانا پڑے گا؟ "فریحہ نے اس کے کاندھے ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔ اس پر عاطف نے میری جانب دیکھا۔ اس کی نگاہوں میں غصے کی جگہ گھبراہٹ دکھائی دے رہی تھی۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا، ماہم بول اٹھی۔

"میرے خیال میں اس بار انہیں معاف کردیں۔ اگر پھر انہوں نے کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو انہیں دیکھ لیں گے ....کیا خیال ہے ابان" ....اس نے براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ سب کی نگاہیں مجھ پر ٹک گئیں۔

"ٹھیک ہے ماہم .... جیسا تم چاہو"....میں نے فوراً ہی اس کی بات مانتے ہوئے اپنا ردعمل دے دیا۔ مجھے یقین تھا کہ سبھی نے میری طرف حیرت سے دیکھا ہو گا۔ مگر میں ماہم کے چہرے پر دیکھ رہا تھا جہاں خوشگوارت اتر آئی تھی۔ وہی خوشگواریت جوانا کی تسکین ہو جانے پر ہوتی ہے۔ اس نے رُخ پھرا اور شاہانہ ادا کے ساتھ کلاس روم کی جانب بڑھ گئی۔ تب آہستہ آہستہ مجمع چھٹنے لگا۔ سینئرز فوراً ہی وہاں سے چلے گئے اور ہم بھی کلاس کی طرف چل پڑے۔ اس وقت میں سوچ رہا تھا کہ مذاق اور ذلیل کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ یقیناً ہمارے سینئرز کے دماغ میں وہاں پراپنی حاکمیت منوانے کا خناس رہا تھا۔ اس لیے شروع دن ہی سے

اپنے جونیئرز کو دبا کر رکھنے کی خواہش نے انہیں ذلیل کرنے پر مجبور کیا۔ شاید مزاحمت نہ ہونے کی وجہ سے ان کا حوصلہ بڑھ گیا تھا۔ مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی تھی کہ مزاحمت کرنے والوں میں ماہم بھی تھی۔ ظاہر ہے کوئی بھی کس کی عزت نفس کو مجروح کرے گا تو اس کا ردعمل سوائے نفرت کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ میں کلاس روم میں داخل ہوا تو سامنے ہی روسٹروم کے پاس تنویر گوپانگ کو کھڑے ہوئے پایا۔ وہ میری جانب دیکھ کر بولا۔

"یار اگر تم کہو تو جو چند ٹیچر آج یہاں ہیں، انہیں بھی لنچ میں شامل کر لیا جائے"۔

جب میں اس کی بات سن رہا تھا، اس وقت میری نگاہ ماہم پر پڑی جو پہلی قطار میں قریب ہی بیٹھی ہوئی تھی۔ اس نے بھی تنویر کا مشورہ سن لیا تھا۔ تب میں نے ماہم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ پارٹی ماہم کے اعزاز میں ہے، اُسے تھنیکس کہنے کے لیے ....اب وہ جسے چاہے بلالے۔ اس سے پوچھ لو"۔

میرے یوں کہنے پر ماہم نے چونک کر میری جانب دیکھا۔ اس سے پہلے تنویر اس سے پوچھتا، وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں بولی۔

" تنویر !.... یہ فقط ہماری پارٹی ہے۔ اگر ٹیچرز ہوئے تو ہم میں ذراسی بھی بے تکلفی نہیں ہو گی۔ ان کے اعزاز میں پھر کس وقت پارٹی کر لیں گے۔ یہ لنچ اپنے لیئے رہنے دو پلیز"....

"او کے !....جیسا تم چاہو "....تنویر نے یوں سر ہلاتے ہوئے کہا، جیسے وہ اس کی بات سمجھ گیا ہو۔ انہی لمحات میں میڈم آگئی۔ وہ کافی غصے میں دکھائی دے رہی تھی۔ جس کا اظہار لیکچر کے دوران بھی کرتی رہی۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آرہی تھی کہ وہ ایسا رویہ کیوں رکھے ہوئے ہے۔ پھر یہی سوچ کر نظر انداز کر دیا کہ ممکن ہے، ان کا اپنا کوئی مسئلہ ہو۔ ان کے بے جا غصے کو پوری کلاس نے محسوس کیا تھا۔ یہاں تک کہ ان کا لیکچر ختم ہو گیا۔

دیئے گئے وقت پر سبھی کلاس فیلو،ریستوران پہنچ گئے۔ چھوٹا سا ہال بھر گیا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ لڑکیاں نہ صرف لباس بدل کر آئی ہیں، بلکہ وہ زیادہ تازگی کا احساس دے رہی تھیں۔ ہلکا ہلکا میک اپ تو سبھی لڑکیوں کے چہرے پر تھا۔ مجموعی طور پر وہاں پہ ہر بندہ خوش دکھائی دے رہا تھا۔ گپ شپ ہونے لگی تھی۔ اتنے میں ماہم بھی آن پہنچی۔ وہی سب میں منفرد دکھائی دی تھی۔ یہ انفرادیتِ اس نے جان بوجھ کر پیدا کرنے کی کوشش کی تھی۔ ظاہر ہے اس کی وجہ اپنی انا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کو تسکین دینا تھا۔ وہ سیاہ پتلون اور سفید کرتا پہن کر آئی تھی جس پر سیاہ کام ہوا تھا۔ گلے میں بڑا سارا موتیوں کا ہار اور بالوں میں ہیئر کیچ لگا ہوا تھا۔ وہ بالکل میرے سامنے آ کر بیٹھ گئی۔ ہم دونوں میں سوائے علیک سلیک کے کوئی بات نہیں ہو ئی۔ یوں ڈیپارٹمنٹ ، سینئرز اور ٹیچرز کے بارے میں گپ شپ چلتی رہی۔ یہاں تک کہ کھانا لگ گیا اور سب اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اگر چہ یہ ایسا وقت تھا جب آپ اپنی باتوں سے دوسرے کو متاثر کر کرنے یا قریب کرنے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن ایسا بھی ہے کہ ایسے معاملے کے لیے لفظوں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ بنا کوئی لفظ کہے بہت کچھ سمجھا دیا جاتا ہے۔ اسے قریب کرنے کی مجھے اتنی جلدی نہیں تھی۔ مجھے اپنا آپ چھپا کر اُسے یوں قریب کرنا تھا کہ وہ بس میری ہو جائے اور میرے سوا، اُسے کچھ بھی دکھائی نہ دے۔ اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت تھی۔ ایسا بھی ہوتا ہے نا کہ جو زیادہ تیز چلتا ہے، وہ جلدی ہانپ جاتا ہے۔ماہم کے بارے میں میرا اب تک یہی اندازہ تھا کہ وہ بہت موڈی اور انا پرست لڑکی تھی اور یہ بھی تھا کہ ایک ہی دن میں تھوڑا وقت ایک ساتھ گزارنے سے کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکتی تھی۔ وہ کب کیا کر دے، اس بارے بھی کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔ ایسے کسی بندے کو اس طرح اپنا بنانا ہو، یہاں تک

کہ وہ آپ کی کہی ہوئی ہر بات مانتا چلا جائے، تو بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ بڑے ہی خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا گیا، گپ شپ بھی ہو گئی تھی۔ پھر آہستہ آہستہ سب ہی چلے گئے۔ میں تنویر اور اسد ریستوران میں رہ گئے۔ تبھی نہ جانے رابعہ بھی کسی کونے سے آنکلی ۔ میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"تم گئی نہیں ہو ابھی تک، ہاسٹل ہی جانا تھا نا تمہیں؟"

"ہاسٹل بھی چلی جاتی ہوں۔ کون سا بسیں بند ہو گئیں ہیں یا پھر رکشوں کی ہڑتال ہے"۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یہاں ٹھہرنے کا مطلب....؟ "اسد نے تیزی سے پوچھا تو اس نے اپنے پرس میں سے چند بڑے ٹوٹ نکالتے ہوئے کہا۔

"یہ میری طرف سے شیئر ہے ....کیونکہ اب ہم دوست بن گئے ہیں"۔

میں اس کے خلوص سے بہت زیادہ متاثر ہوا۔ میرے اندر اس کے لیے بے حد پیار امنڈ آیا تھا، اس لیے جذباتی سے لہجے میں بولا۔

"رابعہ !.... تمہارے خلوص کا بہت شکریہ، جب بھی کبھی کسی بھی طرح کے شیئر کی ضرورت ہوئی، میں تمہیں بلا جھجک کہوں گا۔ فی الحال اسے اپنے پرس میں رکھو"۔

''میں مانتی ہوں تمہارے پاس بہت سارے پیسے ہیں، لیکن ''....اس نے کہنا چاہا مگر میں نے اس کی بات قطع کرتے ہوئے کہا۔

''لیکن ویکن چھوڑو، میرے پاس نہیں ہوں گے نا تو میں تمہی سے کہوں گا۔ انہیں اس وقت تک کے لیے سنبھال رکھو۔'' میں نے وہ نوٹ پکڑ کر اس کے کھلے ہوئے پرس میں واپس ڈال دیئے اور پرس اسے تھما دیا۔ اس نے کاندھے اُچکاتے ہوئے میری جانب دیکھا اور باہر کی جانب بڑھنے لگی، تو میں نے کہا۔'' رُکو !....میں یہ بل دے دوں تو میں تمہیں ہاسٹل چھوڑ آتا ہوں''۔

''نہیں، میں چلی جاؤں گی''۔ اس نے تیزی سے کہا اور باہر کی جانب بڑھ گئی۔ میں چند لمحے اسے سوچتا رہا پھر بل دینے کے لیے کاؤنٹر کی کاجانب بڑھ گیا۔ اسد اسے سٹاپ تک چھوڑنے کے لیے باہر کی طرف نکل گیا۔

وہ ایک اُلجھی ہوئی صبح تھی۔ میں کیمپس جانے کے لیے تیار ہو چکا تھا، لیکن نیند کا خمار ابھی تک میری آنکھوں میں تھا۔ میں رات گئے تک مسلسل سوچتا رہا تھا۔ میرے ذہن میں جہاں ماہم تھی، وہاں سینئرز کے ساتھ ہونے والی وہ چخ چخ بھی تھی جس نے میرا دماغ خراب کر کے رکھ دیا تھا۔ اگر چہ ایسا ہوتا ہی رہتا ہے،

لیکن اس حد تک نہیں کہ اسے انا کا مسئلہ بنا لیا جائے۔ میں بہت خاموشی سے اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس طرح ان کے ساتھ اَن بَن مزید پڑھتی تو میں بہت ساری نگاہوں کا مرکز بن سکتا تھا۔ سب سے پہلے میرے جعلی ابان © ہونے کا پول کھل سکتا تھا۔ خاموشی سے اور کس کی نگاہوں میں آئے بغیر میں وہاں رہنا چاہتا تھا، دو سال کا عرصہ گزارنے کے لیے میں نے توحق حاصل کر لیا تھا لیکن اگر کہیں بھی میرے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ میں ابان علی نہیں ہوں تو بے چارے اصل ابان کی ڈگری بھی منسوخ ہو سکتی تھی،جو اس نے اسی یونیورسٹی سے لی ہوئی تھی ۔ممکن ہے مجھے جیل کی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا جاتا۔ سینئرز کے ساتھ دشمنی مول لینے کا مطلب یہی تھا کہ میں رسک لے رہا ہوں۔ نگاہوں میں آنے کا دوسرا بڑا نقصان یہ ہو سکتا تھا کہ اسلم چوہدری میرے بارے میں سب کچھ جان سکتا تھا اور پھر کڑی سے کڑی ملانا اس کے لیے کوئی اتنا مشکل کام نہیں تھا۔ میرے لیے خاموشی سے کسی کی نگاہوں میں آئے بغیر، کسی جاسوس کی زمین دوز کارروائی کی طرح اپنا مقصد حاصل کرنا تھا۔ نہ کہ وہاں کسی جنگ وجدل میں حصہ لینا میرا کام تھا۔ میرے لیے بہتر یہی تھا کہ میں ڈیپارٹمنٹ کے ماحول کو ٹھیک کر لوں۔ مگر میرے آڑے دو باتیں آرہی تھیں۔ ایک تو میری اپنی انا تھی۔ میں کہیں بھی گر

کر ان سے کوئی سمجھوتہ نہیں کر سکتا تھا۔ یہ میری سرشت ہی میں نہیں تھا۔ اسی وجہ سے میں نے اب تک کی زندگی میں بہت سے نقصان اٹھائے تھے، لیکن ان کے عوض تجربہ بھی بہت حاصل کیا تھا۔ دوسرا ماہم کی ذات تھی۔ اس نے بالکل میری طرح ہی مزاحمت کی تھی۔ میں اگر کوئی سمجھوتہ کرتا ہوں، یا سینئرز کے معاملے میں کنی کترا کر خاموش ہو جاتا ہوں یا ان کا سامنا نہیں کرتا ہوں تو ماہم کی نگاہوں میں میری کیا حیثیت رہ جاتی ہے، یہی سوچ کر مجھے شدید قسم کی الجھن ہو رہی تھی۔ میں کسی تھرڈ ریٹ غنڈے کی طرح بڑک مار کر بزدلی نہیں دکھانا چاہتا تھا۔ میں یہ بات اچھی طرح جانتا تھا کہ عورت مرد میں وجاہت ، اس کی مضبوطی میں لپٹا ہوا دیکھنا چاہتی ہے۔ مضبوط مرد ہی عورت کی کمزوری بن جایا کرتا ہے۔ میں نے اگر کمزوری دکھائی تو مجھے پورا یقین تھا کہ ماہم مجھے نظر انداز کر دے گی۔ ایک بار میرا تاثر کھو گیا، دوبارہ اپنا تاثر بنانے میں کامیاب ہو بھی پاتا ہوں یا نہیں یہ میں یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا۔ رات بھی میں کوئی فیصلہ نہیں کر پایا تھا، اس لیے کسی نتیجے پر پہنچے، بغیر میں سو گیا۔ اس وقت میں کیمپس جانے کے لیے تیار بیٹھا تھا لیکن مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے، جند وڈا مجھے چائے کا کپ تھما کر چلا گیا تھا۔ جو میں سوچتے رہنے کے دوران ختم کر چکا تھا۔ میں نے

خالی کپ میز پر کھا اور اچانک ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ جس طرح کسی گھونسلے سے کسی پرندے کا پر ہوا کے دوش پر آہستہ آہستہ زمین پر آکر ٹک جاتا ہے، اسی طرح ہوا میں سے ہی ایک خیال دھیرے دھیرے میرے ذہن میں واضح ہو گیا۔ آج سے کچھ عرصہ پہلے تک میں نے سوچا بھی نہیں تھا کہ میں یوں پاکستان آکر ابان علی بن کے کیمپس جوائن کروں گا۔ وقت نے مجھے لا پھینکا اور حالات میرے ارد گرد تن گئے ہیں۔ اب جو ہونا ہے، ہوتا رہے،مجھے فقط اپنامقصد حاصل کرنا ہے۔ اس میں بے شمار رکاوٹیں بھی ممکن ہو سکتی ہیں۔ میں ان حالات کو اپنے سامنے پاتا ہوں جو میرے موافق بھی ہو سکتے ہیں اور مخالفت میں بھی ممکن ہو سکتے ہیں۔ مجھے خود کو حالات پر ڈال دینا ہو گا۔ پھر جو ہوتا ہے ہونے دیا جائے مجھے بس حالات سے نبرد کرنا ہے۔ باقی جو میری قسمت میں ہے ہے، وہی ہو گا۔ اس سوچ نے مجھے بے حد حوصلہ دیا اور میں نے چابی اٹھا کر باہر کی راہ لی مجھے کیمپس تو ہر حال میں جانا ہی تھا۔

میں ڈیپارٹمنٹ کی پارکنگ میں گاڑی کھڑی کر کے پُرسکون انداز میں بڑھتا چلا گیا۔ سیڑھیوں کے پاس ہی مجھے اسد دکھائی دیا۔ پہلی ہی نگاہ میں وہ مجھے کافی حد تک پریشان دکھائی دیا۔ اس کا چہرہ اُڑا اُڑا ہوا تھا مگر وہ پوری کوشش کر رہا تھا کہ

اپنی پریشانی کو چہرے پر سے ظاہر نہ ہونے دے۔وہ بظاہر گرم جوشی سے مگر بڑی پھیکی مسکراہٹ کے ساتھ مجھے ملا تو میں ٹھٹک گیا۔ سیڑھیاں چڑھتے ہوئے میں نے اُس سے پوچھا۔

"اسد !....اگر تم مجھے ایک اچھا دوست خیال کرتے ہو تو پلیز اپنی پریشانی مجھ سے شیئر کر لو، میں پوری" ....

"نہیں !....مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے"۔ اس نے فوراً ہی میری بات قطع کرتے ہوئے کہا۔

"تو پھر کیا بات ہے۔ اتنے پریشان کیوں دکھائی دے رہے ہو؟ "میں نے آخری زینہ پار کرتے ہوئے پوچھا۔

" اللہ کرے یہ افواہ ہی ہویا پھر کوئی جھوٹی بات ....تمہارا معاملہ اس کیمپس کی تنظیم میں زیر بحث آ گیا ہے اور انہوں نے تمہارے بارے میں کوئی فیصلہ بھی دے دیا ہے، وہ فیصلہ کیا ہے، میں نہیں جانتا"۔ اس نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا تو میں نے بڑے سکون سے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"اسد !....میرے دوست جو رات قبر میں آنی ہے، وہ باہر نہیں آسکتی۔ یہ تو طے ہے نا ....اس کیمپس پر جس بھی سیاسی جماعت کی طلبہ تنظیم نے قبضہ کر رکھا ہے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بظاہر وہ مذہبی طلبہ تنظیم ہے، لیکن تم نہیں جانتے ہو کہ ان کے اصل مفادات کیا ہیں۔ مجھے ان کے فیصلے کی کوئی پروا نہیں۔ جب کوئی فیصلہ سامنے آئے گا۔ تب سوچیں گے، آ"ؤ۔ یہ کہہ کر میں کلاس روم کی جانب قدم بڑھا دینے چاہے تو وہ کھڑا رہا۔ میری جانب حیرت اور افسوس سے دیکھتے ہوئے بولا۔

" دو دن نہیں ہوئے تمہیں کیمپس میں آئے ہوئے اور تم ان کے اصل مفادات کے بارے میں بھی جانتے ہو۔ تمہارا رویہ تو ایسے ہے جیسے کہ ہم کسی کرکٹ میچ کے بارے میں بات کررہے ہو۔ تم نہیں جانتے ہو۔ یہ تنظیم والے کس قدر ظالم ہیں۔ تمہاری بات سے تو مجھے یوں لگتا ہے جیسے تم ان کے بارے میں الف بے بھی نہیں جانتے ہو"۔

"کتنے ظالم ہوسکتے ہیں اور کیا ان کی الف بے جاننا بہت ضروری ہے"۔ میں نے ایک خیال کے تحت اس سے پوچھا۔

"میں ہاسٹل میں رہتا ہوں اور روزانہ کوئی نہ کوئی نیا قصہ سننے کو مل رہا ہے۔ کل ایک لڑکے کو اتنا مارا ہے انہوں نے کہ بے چارہ کا بازو لگتا تھا ٹوٹ گیا ہے اس کا قصور صرف اتنا تھا کہ ناظم کے آنے سے پہلے کھانا کیوں شروع کر دیا تھا"۔ اسد نے وحشت زدہ لہجے میں کہا۔

"میں یہ کہتا ہوں .... کسی قصور کے بغیر بھی وہ مارپیٹ کر سکتے ہیں۔ ایسا وہ ایک حق سمجھ کر بھی کر سکتے ہیں، لیکن میرا تم سے یہ سوال ہے، کیا ان کی ایسی پر تشدد کارروائیوں سے ہم ڈر کر، دُبک کر بیٹھ جائیں۔ نہیں، میرے یار جہاں تک ممکن ہو سکا سامنا کریں گے۔ بے بس ہو گے تو چھوڑ کر چلے جائیں گے"۔ میں نے حتمی انداز میں کہا تو وہ چند لمحے میری جانب دیکھتا رہا اور پھر کاندھے اچکا کر بولا۔

"ٹھیک ہے جیسا تم چاہو"۔

"مسکراؤ، اس وقت تک پریشانی کو نزدیک نہ آنے دو، جب تک وہ تمہارے گلے نہ پڑ جائے اور اگر وہ تمہارے گلے پڑ ہی گئی ہے تو پھر مردانگی سے مقابلہ کرو، ہار جیت کا فیصلہ وقت خود کر دیتا ہے"۔ میں نے یونہی بے خیالی میں کہا تو اسی لمحے مجھے خود اپنے لفظوں پر غور کرنا پڑا۔ اسے حوصلہ دیتے ہوئے میں وہ بات کہہ گیا تھا، جس بات کو میں خود سمجھنا چاہ رہا تھا۔ شاید رات سے دماغ میں پڑی ہوئی الجھن کو میرے دماغ نے خود سلجھا کر رکھ دیا تھا۔ میں پورے دل سے مسکرا دیا تو میری جانب دیکھ کر اسد بھی ہنس دیا۔ پھر ہم کوئی لفظ کہے بنا اپنی کلاس کی جانب چل دیئے۔

کچھ لوگ کلاس روم کے باہر کھڑے تھے اور کچھ اندر تھے۔ فطری طور پر میں ماہم کو دیکھتا چلا رہا تھا مگر وہ مجھے دکھائی نہیں دی۔ شاید وہ آج نہ آئے، یہی سوچ کر میں کلاس روم میں چلا گیا، میں اور اسد ساتھ ساتھ ہی آخری رُومیں بیٹھ گئے۔ چند لمحوں بعد تنویر گوپانگ بھی آگیا۔ اس نے میری جانب دیکھا اور تیزی سے آ کر میرے ساتھ والی کرسی پر بیٹھ گیا، حال احوال کے بعد اس نے کہا۔

"کلاس ختم ہو جائے تو میری بات سننا"۔

"اتنا سسپنس پھیلانے کی ضرورت نہیں، جو بات ہے ابھی بتا دو"۔ اسد نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"نہیں، وہ سکون سے بیٹھ کر تنہائی میں بات کرنے والی ہے"۔ وہ انتہا ئی سنجیدگی سے بولا۔

"چلیں، کرلیں گے اس بے چینی کا ہے کوئی حل"۔ اسدنے سکون سے دیکھا تو میں ہنس دیا۔ ممکن ہے وہ اس لیے بھی تنویر کی بات سے اکتا گیا ہو کہ ابھی کچھ دیر پہلے ہم ایک پریشانی سے اپنے طور پرچھٹکاراپا کر یہاں بیٹھے ہیں اور یہ نئ افتاد سنانے آگیا۔ انہی لمحات میں سر ریحان آگئے تو سب اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ گئے۔ ایسے میں کلاس روم کے دروازے سے ماہم اندر آتی ہوئی دکھائی دی۔ ہلکے کا سنی

رنگ کے شلوار سوٹ میں سفید آنچل گلے میں ڈالے، سیاہ پرس اور سفید سلیپر پاؤں میں پہنے وہ دھیرے دھیرے شاہانہ انداز میں آئی ، کس کی طرف بھی توجہ کیے بغیر سکون سے اپنی مخصوص نشست پر آن بیٹھی، جہاں وہ کل بیٹھی تھی، ممکن ہے وہ شروع دن سے وہیں بیٹھ رہی ہو۔ وہ بیٹھ چکی تھی اور کلاس بھی شروع ہو چکی تھی۔ میرا ذرا سا دھیان بھی کلاس کی طرف نہیں تھا۔ مجھے بس یونہی کچھ کمی سی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ کیا تھی، اس کی مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی۔ اس لیے بے نام سی بے چینی میرے من میں در آئی تھی۔ تب اچانک مجھے خیال آیا کہ رابعہ کہیں دکھائی نہیں دے رہی ہے۔ جسے کل دیکھ کر میں خود حیران رہ گیا تھا۔ ظاہر ہے اب اس کے بارے میں ہاسٹل کی لڑکیاں ہی بتا سکتی تھیں ۔ میں کلاس میں بیٹھا، ماہم کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ پوری توجہ سے لیکچر سننے میں مصروف تھی۔ تب میں نے اسد کی کہی ہوئی بات پر سوچنا شروع کر دیا۔ آخر وہ ایسی کون سی بات ہے جس کا فیصلہ تنظیم نے کر لیا تھا؟ بہر حال جو تھا، اس کا سامنا تو کرنا ہی تھا۔بات سینئرز سے نکل کر تنظیم کے لوگوں تک جا پہنچی تھی۔ یہ تو ایسے ہی تھا کہ جیسے ہمارے ہی سینئرز ہمارے مقابلے پر آن کھڑے ہوئے ہوں۔ یونہی اوٹ پٹانگ خیالوں میں لیکچر ختم ہو گیا۔ سر ریحان کلاس روم سے نکلے تو ہم سب باہر

جانے لگے۔ ماہم دروازے سے باہر نکل کر کھڑی تھی، میں اس کے قریب گیا تو اس نے میری جانب دیکھا اور ذرا سی مسکرا دی۔ میں نے بھی مسکراتے ہوئے اسے سلام کہا اور مزید کوئی بات کئے بغیر آگے بڑھ گیا۔ میں، اسد اور تنویر آگے پیچھے کینٹین کے لان میں بچھی کرسیوں پر جا بیٹھے۔ تبھی میرے کہے بناء تنویر نے وہی بات کہہ دی جو اسد کہہ چکا تھا۔

”جو ہو گا، دیکھا جائے گا۔ تو غم نہ کر، کوئی ٹھنڈا منگوا“۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا اور ادھر اُدھر دیکھنے لگا۔

”یار، تم اس معاملے کو سنجیدگی سے نہیں لے رہے ہو، تمہیں نہیں معلوم کر تنظیم کی غنڈہ گردی کس حد تک ہے“۔

تنویر نے پریشانی کے عالم میں کہا تو اسد نے اکتاتے ہوئے انداز میں کہا۔

”تو پھر کیا کریں، بتا پاؤں پکڑ لیں ان کے جا کر، اب ایسی بھی بات نہیں ہے، جو ہونا ہے وہ ہو جائے یار“۔

”چلیں، پھر، میں تو تم لوگوں کے ساتھ ہی ہوں۔ اچھا برا جو ہو گا، بھگتیں گے“.... وہ آہستگی سے بولا۔ اتنے میں ویٹر آ گیا تو تنویر نے اسے جوس لانے کو کہہ دیا۔ انھی لمحات میں، میری نگاہ ڈیپارٹمنٹ کے داخلی دروازے پر پڑی، وہاں ماہم چند

لڑکیوں کے جلو میں آرہی تھی۔ اس کا انداز ایسے ہی تھا، جیسے مہارانی کا ہو۔ میں ان کی طرف دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ ہم سے کافی فاصلے پر پڑی کرسیوں پر جا بیٹھیں۔ میری توجہ انہی کی طرف تھی۔ اتنے میں ہمارا ایک کلاس فیلو ابرار آگیا۔ وہ بھی ہمارے پاس آن بیٹھا۔ اس نے آتے ہی کہا۔

”یار !.... آج تم لوگوں نے ایک بات نوٹ کی؟“

”کون سی بات؟ “میں نے پوچھا۔

”آج سینئرز کی کلاس نہیں ہے، کوئی بھی بندہ دکھائی نہیں دے رہا ہے“۔ اس نے کہا تو مجھے احساس ہوا۔ یقینا میں نے بھی ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا تھا۔

”ہاں، یار واقعی ، یہ تو ہم نے دھیان ہی دیا“۔ تنویر نے حیرت سے کہا۔ تو پھر ہم یونہی گپیں مارتے رہے۔ یہاں تک کہ میڈم کا پیریڈ ہونے والا ہو گیا۔ اسد کے احساس دلانے پر ہم اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس بار ڈیپارٹمنٹ کی ویرانی کا کچھ زیادہ ہی احساس ہوا۔ میڈم کا لیکچر شروع ہوا اور پھر ختم ہو گیا۔ وہ چلی گئیں تو ہم کلاس روم سے باہر نکلے۔ راہداری میں ماہم کھڑی تھی۔ میں جیسے ہی اس کے پاس پہنچا تو اس نے بھی قدم بڑھا دیئے۔ پھر مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولی۔

"ابھی پتہ چلا ہے کہ ہمارے سینئرز نہیں آئے، کیا ان کے بارے میں معلوم ہے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا"۔

"ہو سکتا ہے انہوں نے کل طے کر لیا ہو، تا کہ چھٹی کر لیں"۔ میں نے اختصار سے جواباً کہا اور آگے بڑھتا گیا۔ وہ میرے ساتھ تھی۔

"نہیں ! ڈیپارٹمنٹ کے چیئرمین نے کسی متوقع ہو جانے والے خراب حالات کی صورت میں سینئرز سے بات کی تھی۔ وہ نہیں مان رہے تھے۔ ان کی ضد تھی کہ وہ اپنی بات منوا کر ہی چھوڑیں گے۔ چیئرمین نے انہیں ڈانٹا تو وہ آج احتجاجاً نہیں آئے"۔ ماہم نے بڑے سکون سے مجھے اطلاعاً بتایا۔

"احتجاجاً؟ کس کے خلاف احتجاج اور پھر تمہیں یہ اطلاع کہاں سے ملی....؟"میں نے ایک دم سے چوکتے ہوئے کہا۔

"اطلاع دینے کے ذرائع تو بہت سے ہیں ....اِسے چھوڑیں، باقی رہا ان کا احتجاج .... ان کا خیال ہے کہ صرف دو لوگوں کی وجہ سے پوری کلاس ہاتھ سے نکل گئی ہے، مستقبل میں تو وہ ذرا سی بات بھی نہیں مانیں گے۔ لہٰذا ان دولوگوں کو وہ اچھی طرح سبق سکھاناچاہتے ہیں، تاکہ آئندہ کلاس پر پوری طرح گرفت رہے"۔ ماہم نے تفصیل سے بتایا۔ اس وقت تک ہم ڈیپارٹمنٹ کے باہر آگئے تھے۔

"وہ دو لوگ تو ہم دونوں ہی ہیں، اس کا مطلب ہے اب ہمارے لیے خطرہ ہے، کسی بھی وقت ہمارے ساتھ کچھ بھی ہو سکتا ہے"۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا، اسی لمحے میں سمجھ گیا کہ حالات مجھے اپنے راستے پر ڈال چکے ہیں۔

"ہمارے لیے نہیں، صرف آپ کے لیے"۔ اس نے رکتے ہوئے کہا تو میں بھی رک گیا۔ وہ میری طرف دیکھ کر بولی۔ "وہ چاہیں بھی تو میرے خلاف کچھ نہیں کر سکتے؟ کیونکہ انہیں معلوم ہے میرے خلاف جائیں گے تو پھر ان کا کچھ نہیں بچے گا اور سوری ابان !....میں آپ کے بارے میں نہیں جانتی، آپ کیا پس منظر رکھتے ہیں، ان کا مقابلہ کر بھی پائیں گے یا نہیں"۔

"کوئی بھی آفت پس منظر دیکھ کر نہیں آتی، وہ سامنے سے آتی ہے اور اس کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے، اگر انہوں نے ایسے حالات مجھ پر مسلط کر دیئے تو بلاشبہ ان کا مقابلہ کروں گا "....میں نے آہستگی سے کہا۔

"اتنا حوصلہ ہے آپ میں "....اس نے مسکراتے ہوئے عجیب سے لہجے میں کہا تو مجھے یوں لگا جیسے وہ مجھے تول رہی ہے یا پھر کسی بھی طرح کے غیر متوقع حالات کے لیے تیار کر رہی ہے۔ میں اس لمحے میں کوئی فیصلہ نہیں کر پایا۔

”ماہم !....میں فیصلہ ہار یا جیت پر نہیں کرتا بلکہ میں تو ہتھیار ڈالنے پر یقین رکھتا ہوں کہ کب دشمن ہتھیار ڈال کر تابع ہو جاتا ہے، اس دوران مسلسل ہارتے رہنا، جیتتے ہی رہنا....میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا“۔ میں نے اسے اپنا نکتہ نظر سمجھانا چاہا۔

”عجیب فلسفہ ہے آپ کا “....وہ کافی حد تک حیرت بھرے لہجے میں بولی۔

”اب یہ عجیب ہے، غلط، یا صحیح، میں نہیں جانتا، میں تو دشمن کی بے بسی تک لڑتے رہنے کو ترجیح دیتا ہوں“۔

میں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا جہاں ایک دم سے طنز اُبھر آیا تھا۔

”اور اگر سامنے والا آپ جیسے ہی خیالات رکھتا ہو تو پھر....؟ “اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”تو میں بے بسی نہیں،موت کو گلے لگانا پسند کروں گا “....میں نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تو وہ چونک کر میری طرف دیکھنے لگی۔پھر جو بولی تو اس کے لہجے میں خوشی بھری حیرت تھی۔

”خیر !....آپ اتنی شدت سے مت سوچیں، اور مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ آپ میں حوصلہ ہے ۔ایک کلاس فیلو ہونے کے ناطے میں تو ہر حال میں آپ ہی کا ساتھ دوں گی ۔ اب چلیں“۔

”چلیں“!....میں نے کہا اور ہم پارکنگ کی جانب بڑھ گئے۔ ماہم کی سیاہ ہنڈا میری گاڑی سے پہلے ہی کھڑی تھی۔ جیسے ہی ہم پارکنگ ایریا میں پہنچے تو میں چونک گیا۔ میری گاڑی کے شیشے ٹوٹے ہوئے تھے اور ان کی کرچیاں اردگرد پھیلی ہوئی تھیں۔ کوئی ایک شیشہ بھی نہیں بچا تھا۔

”ماہم ! ....وہ دیکھو، انہوں نے ابتداء کر دی ہے“۔ میں نے اس طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ حیرت سے بولی۔

”یہ آپ کی گاڑی ....اُوہ ....یہاں پر ڈیوٹی دینے والا گارڈ....وہ کدھر ہے“۔

”وہ تو کہیں دور دور تک نظر نہیں آرہا ہے“۔ میں نے اردگرد دیکھا۔

”اب کیا ہو گا؟ “وہ پریشان لہجے میں بولی، اس وقت تک میں اسد کو کال ملا چکا تھا۔ چند لمحوں بعد رابطہ ہو گیا۔ میں نے اسے صورت حال سے آگاہ کیا اور فون بند کر دیا۔ وہ ابھی ڈیپارٹمنٹ ہی میں تھا۔کچھ ہی دیر میں اسد، تنویر اور چند کلاس فیلو وہاں جمع ہو گئے۔ ہر کوئی اپنے طور پر تبصرہ کررہا تھا۔

”میرے خیال میں چیئرمین صاحب کے نوٹس میں یہ واقعہ لاتے ہیں“۔ تنویر نے صلاح دی۔

”ہم سب ایسے ہی چلتے ہیں“۔ کسی نے کہا تو سب چیئرمین کے آفس کی جانب چل دیئے۔ ماہم بھی ہمارے ساتھ تھی۔ چیئرمین کے پاس ہمارے دونوں ٹیچر بھی ہوئے تھے۔ اتنے سارے لوگوں کو دیکھ کر اس نے حیرت سے پوچھا تو میں نے انہیں ساری بات بتا دی۔ تب وہ چند لمحے سوچتے رہے، پھر بولے ۔

”مجھے ایسے ہی کسی ناخوشگوار واقعے کی توقع تھی، میں اس کے خلاف ایکشن لیتا ہوں، فوری طور پر تو کچھ نہیں ہوپائے گا، پہلے یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہ حرکت“....

”سوری سر !....میں نے آپ سے کسی ایکشن کے لیے نہیں کہا .... آپ انہیں سمجھا دیں اور آپ ہی سے سوری کر لیں .... میرے خیال میں یہ بہتر ہو گا“.... میں اپنے لہجے کو انتہائی موزِ دب بناتے ہوئے کہا۔

”ورنہ !....ورنہ پھر کیا کر لو گے تم “.... میڈم نے تیزی سے کہا۔

"میں سمجھا نہیں میڈم، آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں ....میں تو بات یہیں ختم کر دینا چاہ رہا ہوں"۔ میں نے حیرت سے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ تو انتہائی طنزیہ لہجے میں بولیں۔

"نہیں، تمہارے بات کرنے کا انداز کیا ہے۔ جب سر کہہ رہے ہیں کہ وہ ایکشن لیں گے تو پھر اپنا بہتر خیال کیوں پیش کرنے پر تلے ہوئے ہو"۔

"سوری میڈم ....میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کی، میں نے تو اُن کی یہ غلطی درگزر کرنے کی بات کی ہے"۔ میں نے ادب سے کہا تو وہ فوراً ہی پینترا بدلتے ہوئے بولیں۔

"آج انہیں معاف کر دیا جائے تو ان کا حوصلہ مزید بڑھ جائے گا۔ سر اگر کوئی ایکشن لینا چاہتے ہیں تو انہیں لینے دیں"۔

"میں نہیں چاہتا میڈم ....میں بات کو یہیں ختم کرنا چاہتا ہوں"۔ میں پھر ادب ہی سے کہا۔

"ڈر گئے ہو؟ "انہوں نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"کیا خیال ہے میڈم، میرے اس طرز عمل کو ڈر جانا کہتے ہیں یا تحمل اور برداشت؟ "میں نے اس بار کافی حد تک سخت لہجے میں کہا۔ میرے لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ میڈم گڑبڑا گئی اور متذبذب لہجے میں بولی۔

"میں نے یونہی بات کہی ہے باقی جو سر چاہیں"۔

"ابان !....تمہارا مشورہ ٹھیک ہے، میں دیکھتا ہوں"۔ انہوں نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا تو ماہم نے میڈم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میڈم !....ضروری نہیں کہ سینئرز ہی اچھے طالب علم ہوتے ہیں یا وہ زیادہ سمجھ دار ہوتے ہیں۔ جونیئرز بھی سمجھتے ہیں کہ انہیں کہاں پر کیا کرنا چاہیئے۔ اس بات پر غور کیجئے گا"۔ یہ کہتے ہوئے اس نے سب کی جانب دیکھا اور بولی۔" آؤ چلیں"....

میں میڈم کی طرف ہی دیکھ رہا تھا ۔ اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ بلاشبہ ماہم نے کہیں ان کی دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ ورنہ میڈم کا رد عمل یوں نہ ہوتا۔انہوں نے بے تابی سے پہلو بدلا مگر خاموش رہیں ۔ ہم سب چیئرمین کے کمرے سے نکل کر ڈیپارٹمنٹ سے بھی باہر آگئے۔ اس دوران میں نے سلیم کو

فون کر دیا اور اسے صورتِ حال بتا دی اس نے فوراً ہی پہنچ جانے کا کہا تو میں مطمئن ہو گیا۔

"اب یہ گاڑی کو کیسے ورکشاپ تک لے جائیں؟ "تنویر نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ سب کا بہت شکریہ کہ آپ "....میں نے رسمی طور پر کہنا چاہا تو اس وقت تنویر ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"کیا بکواس کرتا ہے تو ....اس میں شکریے والی کیا بات ہو گئی بھلا، آئندہ ایسی کوئی فارمیلٹی نہیں چلے گی ....میں نے تو صرف یہ پوچھا تھا کہ اب گاڑی کیسے جائے گی اور تم "....وہ کہہ رہا تھا کہ ماہم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ابان کو میں ڈراپ کر دوں گی۔ گاڑی بھی ورکشاپ پہنچ جائے گی۔ مسئلہ حل ہو گیا نا "....یہ کہہ کر اُس نے سیل فون نکالا ۔

"کسے فون کرنے لگی ہو؟ "میں نے پوچھا۔

"گیراج والے کو....، آکے لے جائیں گے"۔ اس نے میری طرف دیکھے بغیر کہا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

”اس کی فکر نہ کرو، گاڑی چلی جائے گی، میں نے فون کر دیا ہے“۔ میں نے کہاتو اس کے ہاتھ وہیں رک گئے۔ اس نے سیل فون واپس پرس میں ڈالتے ہوئے میری جانب دیکھا۔ تبھی تنویر نے کہا۔

”تو پھر آئیں چلیں، وہاں لان میں بیٹھتے ہیں، جب تک کوئی آ نہیں جاتا“۔

”ان سینئرز کا کوئی علاج بھی تو سوچنا ہو گا“۔ اسد نے دبے دبے غصے میں کہا۔

”میرے خیال میں اس وقت ہمیں یہاں سے چلے جانا چاہئے۔ یہاں ہم تماشہ بن رہے ہیں۔ ان کے ساتھ کیا کرنا ہے۔ یہ کل آکر ہی فیصلہ کریں گے“۔ ماہم نے سوچتے ہوئے لہجے میں کہا اور ایک دم سے گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ جب تک اس نے گاڑی پارکنگ سے نکال کر میرے پاس لاکے کھڑی کی، سیلم بھی ایک دوسری گاڑی میں وہیں آن پہنچا۔ اس کے ساتھ دو آدمی بھی تھے۔ وہ سیدھا میرے پاس آیا اور گاڑی کی چابی میری طرف بڑھا کر کہا۔

”سر جی، لائیں، چابی دیں اور یہ لیں، آپ سبزہ زاد چلیں، میں دیکھ لیتا ہوں سب۔“ میں نے اس سے چابی لی اور ماہم کی طرف دیکھا۔ تب اس نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ گاڑی بڑھا دی، میں‌نے سب کے ساتھ ہاتھ ملایا اور سلیم کی لائی ہوئی گاڑی میں بیٹھ کر چل دیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

میں کیمپس کے مین داخلی دروازے تک پہنچا۔ وہاں ماہم گاڑی روکے کھڑی تھی۔ مجھے قدرے حیرت ہوئی کہ یہ یہاں پر کیوں؟ میں نے گاڑی روکی اور باہر نکلنا چاہتا تھا کہ وہ میرے قریب آ کر اتنا بولی۔" ابان !....ٹھیک دو گھنٹے بعد اس ریستوران میں ملو، میں بھی وہیں آتی ہوں"۔

"خیریت.... ؟ "میں نے پوچھنا چاہا۔

"وہیں باتیں ہوں گی"۔ یہ کہہ کر وہ مڑ گئی۔ گاڑی میں بیٹھی اور چل دی۔ میں سوچتاہی رہ گیا کہ اس نے مجھے وہاں کیوں بلایا ہے۔ ظاہر ہے اب یہ بات وہی بتا سکتی تھی۔ میں نے سب کچھ ذہن سے نکالا اور سبزہ زار کی جانب بڑھ گیا۔

ماہم میری طرف دیکھ رہی تھی اور میں اس کی نگاہوں کو پڑھنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ ہمارے درمیان میں میز تھا ۔ جس کی دوسری طرف وہ اپنی پوری جو لانیوں سمیت بیٹھی ہوئی تھی۔ میں چاہ رہا تھا کہ وہ خود ہی کوئی بات چھیڑے۔ اس لیے منتظر تھا۔ تب وہ چند لمحوں کے بعد بولی۔

"آپ کے خیال میں یہ سب کچھ کیوں ہو رہا ہے، کچھ سمجھ آئی آپ کو؟"

"میرے خیال میں صرف اتنی سی بات ہے کہ انہوں انا کا مسئلہ بنا لیا ہوا ہے"۔
میں نے وہ ہی کہہ دیا جو میں سمجھتا تھا۔
"نہیں !....اصل میں بات کچھ اور ہے"۔ اس نے سکون سے کہا اور پھر میری خاموشی پا کر کہتی حل گئی۔" اصل میں یہ اس ڈیپارٹمنٹ کے ٹیچرز کی سیاست ہے۔ وہ چیئرمین کو ہٹانا چاہتے ہیں۔ اس لیے ڈیپارٹمنٹ میں سکون نہیں دیکھنا چاہتے۔ میڈم اس کی جگہ لینا چاہتی ہے۔ اس نے سینئرز کو اپنے ہاتھوں میں کیا ہوا ہے۔ جو اس کے اشارے پر سب کچھ کر رہے ہیں"۔
"مطلب !....ڈیپارٹمنٹ میں گڑبڑ پر چیئرمین کو ہٹا کر میڈم کو لائے جانے کی سیاست ہو رہی ہے۔ مان لیتے ہیں،اگر یہی بات ہے تو سوال یہ ہے کہ تمہیں یہ اطلاع کس نے دی کہ "…. میں نے کہنا چاہا تو وہ جلدی سے بولی ۔
"اس بات کو چھوڑیں آپ ....ہماری کم از کم پانچ کلاسیں لگناچاہیئے تھیں، مگر اب تک فقط دو لگتی ہیں، دوسرے ٹیچرز صرف اس لیے نہیں آرہے ہیں کہ وہ چیئرمین کو ناکام کریں۔ وہ لوگ سٹوڈنٹس کو استعمال کر کے اپنی بات منوانا چاہا رہے ہیں"۔
"تمہارا کیا خیال ہے، ہمیں چیئرمین کا ساتھ دینا چاہیئے"۔ میں نے پوچھا۔

”ظاہر ہے۔ اب یہ رسک تو ہمیں لینا ہی ہو گا، اگر ان کے مقابلے پر آنا ہے تو.... ورنہ چپ چاپ وہی مان لیں جو سینئرز کہتے ہیں۔ پھر جو ہوتا ہے، ہوتا رہے“۔ ماہم نے باقاعدہ میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ تم ایک دم سے مایوس کیوں ہو جاتی ہو“۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”نہیں، میں مایوس نہیں ہو رہی ہوں۔ مجھے کوئی دکھائی نہیں دے رہا ہے جو میرا ساتھ دے۔ یہ جو میڈم گندی سیاست کر رہی ہے ....مجھے بہت بری لگی ہے۔ سٹوڈنٹس کو استعمال کر کے انہیں بے خوف کررہی ہے۔ اب اسے ہی ڈیپارٹمنٹ سے نکلنا ہو گا“۔ اس نے ایک عزم سے کہا تو میں نے ایک لمحے میں سوچ لیا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔

”ماہم !....مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا کرناچاہتی ہو، وہ غلط ہے یا درست، مجھے اس سے بھی غرض نہیں، میں تمہارا ساتھ دوں گا، جو بھی تم کرنا چاہو“۔ میرے یوں کہنے پر وہ خوشگوار حیرت سے میری طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک در آئی تھی۔ اس لیے جب وہ بولی تو اس کی آواز میں بھی کھنکھناہٹ تھی۔

”ابان !....اب دیکھنا میں کیا کرتی ہوں“۔ یہ کہتے ہوئے اس نے میری جانب مسکراتے ہوئے دیکھا تھا۔ میں نے بھی مسکراہٹ سے اس کا جواب دیا تو وہ کہنے لگی۔” ویسے یہ بڑی بات ہے، یہ جانے بغیر کہہ میں کیا کرنا چاہتی ہوں“۔

”جب کس پر بھروسہ کیا جاتا ہے نا تو پھر کیا اور کیوں کے چکر میں نہیں پڑتے، بولو، کیا کھانا پسند کروگی“۔ میں نے ہولے سے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”جو آپ چاہو“۔ اس نے ایک ادا سے کہا اور پھر اپنا سیل فون نکال کر نمبر ملانے لگی۔ میں اس وقت ویٹر کو اشارہ کر چکا تھا، جب اس کی فون پر بات ہو گئی۔

”جی، سر، میں ماہم بات کر رہی ہوں ....جی سر بات ہو گئی ....ابان سمجھ گیا ہے، میں نے اسے صورتِ حال بتا دی ہے۔ جی بالکل وہ میرا ساتھ دے گا ....جی باقی کو وہ خود سمجھالے گا .... آپ فکر نہ کریں سر ....جی کل وہ خود آپ کو درخواست دے گا ....جی سر، میں سمجھ گئی ....اوکے .... اللہ حافظ“ ....

یہ کہتے ہوئے اس نے فون بند کرے میری طرف دیکھا۔ ویٹر میرے قریب کھڑا تھا، میں نے اسے بڑے سکون سے آرڈر دیا اور ماہم کی طرف دیکھا۔ تب وہ بولی۔

”میں چیئرمین سے بات کر رہی تھی ....باقی بات آپ سمجھ ہی گئے ہو“۔

”ہاں، میں سمجھ گیا۔ مجھے تم جیسی لیڈر پا کر بہت خوشی ہوئی۔ میرے اس طرح کہنے پر وہ ایک دم سے خوش ہو گئی۔ پھر اگلے ہی لمحے خود پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

”اب سنیں، مجھے یہ کہانی کہاں سے معلوم ہوئی، سینئرز میں ایک لڑکی ہمارے حلقہ احباب میں شامل ہے، سمجھ لیں فیملی تعلقات ہیں۔ یہ ساری باتیں اس نے مجھے بتائیں ہیں“۔

”اور کار توڑنے میں کون ملوث ہے؟“میں نے آہستگی سے پوچھا۔

”وہ میں کل بتاؤں گی، ابھی مجھے خود نہیں معلوم“۔اس نے الجھتے ہوئے کہا تو میں نے اس موضوع کو یوں ختم کر دیا جیسے کچھ لمحے پہلے اس پر بات ہی نہ ہو رہی ہو۔ میں نے موضوع بدلا اور پھر ماہم ہی کو سنتا رہا۔ وہ اپنے بارے میں بتاتی رہی۔ میں نے کوئی سوال نہیں کیا۔ بس اس کی طرف دیکھتے ہوئے، اسے سنتا رہا۔ میں نے ایک چیز محسوس کی، وہ جب خاصی شدت میں بات کررہی ہو تو دائیں جانب کے نچلے ہونٹ کو دانت سے کچلتی تھی۔ اس کی یہ معصومانہ لاشعوری ادا مجھے بہت اچھی لگی۔ ویٹر ہمارا مطلوبہ کھانا رکھ گیا تھا۔ ہم کھاتے رہے اور باتیں کرتے رہے۔ ہم میں ڈیپارٹمنٹ، کلاس فیلو اور ٹیچر ہی زیر بحث رہے۔ کافی حد تک اس نے

اپنے بارے میں بھی بتایا۔ پھر ہم اٹھ گئے ۔ اس وقت مجھے خاصی حیرت ہوئی، جب میں نے یہ محسوس کیا کہ سارے وقت میں اس نے میرے بارے میں ایک بھی ذاتی نوعیت کا سوال نہیں۔ میں نے بل دیا اور ریستوران سے باہر آگیا۔ اس وقت تک ماہم گاڑی میں بیٹھ کر جا چکی تھی۔

111

میں سبزہ زاد کے لان میں بیٹھا ہوا تھا۔ رات خاصی ہو گئی تھی۔ جندوڈا مجھے وہیں کافی دے گیا تھا۔ میں ذرا ذرا سپ لیتے ہوئے، آج دن میں ہونے والے واقعات اور ماہم کے رویے کے بارے میں سوچتا چلا جارہا تھا۔ میں دراصل کے انتظار میں تھا۔ وہ دوپہر کے بعد مجھے نہیں ملا تھا، لیکن فون پر اس سے رابطہ تھا۔ وہ تھوڑی دیر میں آنے والا تھا۔ بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ غیر متوقع واقعہ یا حالات نہ صرف پریشان کر دیتے ہیں، بلکہ الجھا بھی دیتے ہیں۔ ماہم کا ایک دم سے اتنا قریب آجانا میرے لیے غیر متوقع ہی تھا۔ میں تو اس کے بارے میں یہ سوچ رہا تھا کہ اس سے تعارف اور ایک کپ چائے پینے تک میں کئی دن لگ جائیں گے، لیکن یہاں معاملہ ہی الٹا ہوا تھا، حالات یوں بن گئے تھے کہ ملاقات کے پہلے ہی دن ہم آنے سامنے بیٹھ کر کھانا کھا چکے تھے۔ یہ بھی کوئی اتنی بڑی بات نہیں تھی۔

اصل میں مجھے الجھا دینے والا اس کا رویہ تھا، اس میں میرے لیے اتنا بھی تجسس نہیں تھا کہ میں کون ہوں؟ اور اس کا بھروسہ اتنا کہ اچانک ہی مجھے وہ بات کہہ دی جو کم از کم کسی اجنبی سے نہیں کہی جا سکتی اور نہ ہی یوں تنہائی میں اس کے ساتھ کھانا کھایا جا سکتا ہے۔ کیا وہ میرے بارے میں پہلے ہی سے جانتی ہے؟ یہ سوچتے ہی مجھے بے چینی ہونا شروع ہو گئی تھی۔ ظاہر ہے میں بھی تو اس کے بارے میں جانتا تھا، لیکن وہ میرے بارے میں کیسے جانتی ہے؟ یہی بات میرے لیے تجسس کا باعث تھی۔ میں بہر حال ماہم کے بارے میں کافی حد تک الجھ گیا تھا۔ اگر اسے میرے بارے میں یہ معلوم ہوا کہ میں کون ہوں تو پھر میرے لیے بہت مشکلات ہی نہیں، ناممکن ہو جانا تھا کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں۔ تب پھر اس راہ پر چلنا خود کشی کے مترادف تھا۔ میں انہی خیالوں میں کھویا ہوا تھا کہ آ گیا۔ اس نے گاڑی پورچ میں کھڑی کی اور سیدھا میرے پاس آ کر بیٹھ گیا۔ میں گاڑی کی طرف دیکھا رہا تھا، جو بالکل نئ تھی۔

”یہ....؟ “میں نے گاڑی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کے لیے ہے۔ اسے ٹھیک ہونے میں چند دن لگ جائیں گے۔ ویسے اب آپ ہی گاڑی استعمال کریں، اس پرانی گاڑی کو بھول جائیں"۔ نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"کتنا نقصان ہو گیا ہو گا "....میں نے یونہی سرسری سے انداز میں پوچھا۔

"جتنا بھی ہو گیا، اسے چھوڑیں، اب آپ کو کرنا یہ ہے کہ اس بندے کو تلاش کریں۔ جس کے دماغ میں یہ بات آئی تھی کہ یوں گاڑی کا نقصان کرنا ہے۔ باقی پھر دیکھ لیں گے"۔ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

"یار، وہ تو تلاش ہو جائے گا، مگر میرے لیے فکر مندی کی بات کچھ اور ہے"۔ میں نے اسے اپنی پریشانی بتانے کے لیے تمہید باندھی ۔

" وہ سر بتائیں"۔ وہ سیدھا ہوتے ہوئے بولا۔

"مجھے یوں احساس ہوا ہے کہ جیسے ماہم میرے متعلق جانتی ہے"۔ میں نے فکر مندی سے کہا۔

"یہ احساس آپ کو کیسے ہوا؟ "اس نے چونکتے ہوئے پوچھا تو میں نے انتہائی سنجیدگی سے اسے بتا دیا تو وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"آپ کو وہم ہو گیا ہے، ایساکچھ نہیں ہے"۔

”یہ تم کیسے کہہ سکتے ہو؟ “میں نے پوچھا۔

”میں پیچھے دو سال سے اس کی نگرانی رہا ہوں“۔ اس نے پُرسکون لہجے میں انکشاف کیا میں حیران رہ گیا“۔ وہ ایک ایسی لڑکی ہے جس کے کردار پر شک نہیں کیا جا سکتا۔ اکلوتی ہونے کی وجہ سے بہت لاڈلی ہے لیکن اس نے اپنے والدین کا بہت اعتماد جیتا ہے۔ کار چلانے سے لے کر ریوالور چلانے تک اس نے سیکھا ہے۔ بہت اعتماد ہے اس میں، نرم و نازک دکھائی دینے والی لڑکی یں بڑا جگرا ہے“۔

”یہ تم اس کی تعریف کر رہے ہو یا اس کی صلاحیتوں کے بارے میں آگاہ کررہے ہو، مگر یہ میرے سوال کا جواب نہیں ہے“۔ میں نے اکتاتے ہوئے انداز میں کہا۔

”وہی کہہ رہا ہوں نا، اس کے دوستوں میں کوئی لڑکا نہیں ہے، میں نے کبھی تنہا اسے کسی لڑکے ساتھ نہیں دیکھا اور“....

”پھر وہی بات کررہے ہو“۔ میں نے تیزی سے اسے ٹوکا تو اس نے ایک دم میری جانب دیکھا اور بولا۔

”میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اسے آپ کے بارے میں کس طرح کا بھی علم نہیں ہے، ورنہ وہ یوں آپ کا ساتھ تنہانہ بیٹھتی۔ معاملہ کچھ اور ہے، آپ اسے سمجھنے کی کوشش کریں، ممکن ہے وہی آپ کے لیے آسانی کا باعث بن

جائے"۔اس بار اس نے مسکراتے ہوئے کہا تھا۔ میں خاموش ہو گیا۔ مجھے لگا کہ وہ یونہی ٹامک ٹوئیاں مار رہا ہے اور وہ بھی فقط مجھے حوصلہ دینے کی غرض سے، ورنہ اس کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی اپنی بات ثابت کرنے کے لیے۔ تب میں اٹھ گیا۔ اب میں سب کچھ بھول کر سو جانا چاہتا تھا۔

111

میں ڈیپارٹمنٹ دیر سے پہنچا تھا۔ میں نے گاڑی پارکنگ میں لگائی اور وہاں سے پیدل ڈیپارٹمنٹ کی عمارت کی جانب بڑھا۔ تب نہ جانے کس طرف سے نیلی وردی میں ملبوس گارڈ تیزی سے میرے سامنے آ گیا۔ اس کے چہرے پر حد درجہ بے چارگی اور خوف پھیلا ہوا تھا۔ وہ بڑی لجالت سے میری طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"سر جی، آپ کا جو کل نقصان ہوا، میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے، میں تو .... میں تو"....یہ کہتے ہوئے وہ ایک دم سے خاموش ہو گیا۔ میں اس کی طرف دیکھ کر مسکرا دیا اور دھیرے سے بولا۔

"تو پھر یہ کیسے ہو گیا؟"

"سر،میں کل یہاں ڈیوٹی پر تھا۔ کینٹین کا ویٹر یہاں میرے پاس آیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ کچھ لوگ مجھے وہاں بلا رہے ہیں، میں فوراً وہاں پہنچوں۔ میری غلطی یہ

ہے کہ میں ادھر چلا گیا۔ واپس آیا تو یہ معاملہ ہو چکا تھا۔ میں نے فوراً ہی اپنے آفس میں رپورٹ کر دی۔ میری جتنی غلطی ہے، وہ میں مانتا ہوں"۔ اس نے التجائیہ انداز میں کہا۔

"لیکن تم نے یہ نہیں بتایا کہ کینٹین میں تمہیں کس نے بلایا تھا؟"میں نے تجسس سے پوچھا۔

"سر !وہ ویٹر خود حیران تھا۔ جب وہ واپس گیا تو وہاں پر کوئی نہیں تھا۔ وہ چلے گئے تھے۔ میں نے وہاں جا کر اس سے پوچھا تو اس نے مجھے یہی بتایا ....اب وہ ویٹر بھی کل کا دکھائی نہیں دے رہا ہے"۔ گارڈ نے کہا تو میں نے اس سے مزید بات کرنا مناسب خیال نہیں کیا۔ اس کا یوں مجھے راستے میں روک کر اپنی صفائی بیان کرنا، شک پیدا کر رہا تھا۔

"چلوٹھیک ہے، دیکھتے ہیں اصل معاملہ کیا ہے"۔ میں نے کہا اور آگے کی طرف بڑھ گیا۔ میں ڈیپارٹمنٹ پہنچا تو کلاس ہو رہی تھی۔ میں کمرے میں داخل ہوا تو لاشعوری طور پر میں نے ماہم کو دیکھا۔ وہ نہیں تھی۔ اس کی نشست خالی پڑی ہوئی تھی۔ اس کے اردگرد لڑکیاں تھیں۔ سر ریحان لیکچر دے رہے تھے۔ میں خاموشی سے پچھلی قطار میں جا کر بیٹھ گیا۔ لیکچر ختم ہوا تو میں بھی دوسروں کے

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ساتھ باہر جانے لگا۔ مجھے حیرت اس بات پر ہو رہی تھی کہ نہ تو تنویر ہے اور نہ اسد، اس کے ساتھ رابعہ بھی غائب تھی۔ میری نگاہ فریحہ پر پڑی۔ وہ میری طرف دیکھ رہی تھی۔ میں اس کے قریب گیا۔ اس سے پہلے کہ میں اس سے سب لوگوں کے بارے میں پوچھتا، کلاس روم کے دروازے پر مجھے اسد دکھائی دیا۔ جیسے ہی نگاہیں ملیں، اس نے باہر آنے کا اشارہ کیا۔ میں فوراً ہی اس کے پاس جا پہنچا،

”جلدی آ ؤ....!“اس نے تیزی سے کہا اور آگے بڑھ گیا۔ راہداری کے سرے پر ماہم سمیت سبھی کھڑے تھے اس نے میری طرف دیکھا اور ایک کاغذ میری جانب بڑھاتے ہوئے بولی۔

”یہ لو، اس پر دستخط کر دو“۔

میں نے وہ کاغذ پکڑا، بنا دیکھے اس تحریر کے آخر میں دستخط کر دیئے۔ ایک نگاہ میں مجھے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ ایک درخواست تھی جو کل والے واقعہ سے متعلق تھی۔ اس دوران رابعہ آگے بڑھ کر سارے کلاس فیلوز کو مخاطب کر کے کہہ رہی تھی۔

”آپ سب یہاں رکیں ہم نے کل والے واقعے بارے میں چیئر مین صاحب سے بات کرنی ہے“۔

"لیکن جسے جانا ہے،ہمارا ساتھ نہیں دینا، وہ جا سکتا ہے"۔ ماہم نے اونچی آواز میں کہا۔ وہاں چند لمحے خاموشی رہی کوئی بھی نہیں گیا تو سب چیئرمین کے کمرے کی طرف چل دیئے۔ میں، ماہم اور اسد اندر گئے، میڈم اور سر ریحان وہیں تھے۔ میں نے خاموشی سے درخواست چیئرمین کے سامنے رکھ دی۔ انہوں نے پہلے درخواست کو اور پھر میری جانب دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتے میڈم بولیں۔

"ابان، یہ معاملہ تو تمہارا ہے، لیکن یہ لوگ تمہارے ساتھ کیوں ہیں۔ ایک درخواست دینے کے لیے اتنے لوگ؟"

"میڈم ابھی پوری کلاس باہر کھڑی ہے، وہ اس کمرے میں نہیں آسکتے، ورنہ انہیں بھی ساتھ لے لیتے، ویسے ہم" لوگ "نہیں ابان کے کلاس فیلو ہیں"۔ ماہم نے دھیمے لہجے میں کہا تو بھڑک گئیں۔ تیز لہجے میں بولیں۔

"تمہارا کیا خیال ہے، اب چیئرمین صاحب تمہاری ذاتی لڑائیاں بھی نمٹاتے رہیں گے۔ یہاں آپ لوگ پڑھنے آتے ہیں یا لڑنے....؟"

"میڈم !....جس نے بھی ابان کی گاڑی کو نقصان پہنچایا ہے، آج وہ آپ کے لیکچر سے پہلے تک سامنے نہیں آیا تو ممکن ہے ہم یہ معاملہ خود اپنے ہاتھوں میں لے لیں گے"۔ ماہم نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"یہ تم نے ابان کی وکالت کب سے شرع کر دی ہے، وہ ایک لفظ نہیں بولا اور تم "....وہ شدت میں کچھ نہ کہہ سکیں۔ اس پر ماہم نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"آپ اسے بھی سوچیں اور یہ بھی کہ اب ایک گھنٹے کے اندر اندر اس کو ہمارے سامنے لے آئیں، تب میں نہ صرف وکالت والے سوال کا جواب دوں گی، بلکہ یہ بھی کہ آپ نے یہ بات کیوں کی ہے "....یہ کہہ کر اس نے چیئرمین کی طرف دیکھا اور بولی۔" سر !....کیا کہتے ہیں آپ"۔

"میں دیکھتا ہوں۔ ویسے میرے ذرائع نے مجھے بتا دیا کہ وہ کون تھے۔ آپ لوگ نے جائیں ، میں دیکھتا ہوں"۔ چیئرمین صاحب نے بھی کھل کر ہماری طرف داری کا اشارہ دے دیا تو ہم لوگ واپس پلٹ آئے۔ پھر کینٹین تک جاتے ہوئے اندر والی بات سے سبھی آگاہ ہو گئے۔

کینٹین پر بیٹھے ہوئے ایک گھنٹہ گزر گیا۔ اس دوران ماہم غصے میں بھری رہی۔ میں اس سے تنہائی میں بات کرنا چاہ رہا تھا۔ کئی سارے سوال تھے۔ پہلی بات تو یہ تھی کہ آخر وہ میڈم کے ساتھ کیا مخالفت رکھتی ہے کہ اسی کی مخالفت کیے جارہی ہے۔ دوسری بات یہ تھی کہ کیا اسے معلوم ہو گیا ہے کہ وہ کون تھے جنھیں ایک

گھنٹے کے اندر اندر وہ سامنے لانا چاہتی تھی۔ چونکہ چیئرمین صاحب نے بھی ان کے بارے میں معلوم ہونے کا عندیہ دے دیا تھا۔ اس لیے ماہم میں شدت کچھ زیادہ ہی آگئی تھی۔ دراصل وہ میڈم کے" وکالت "کہنے پر چڑ گئی تھی۔ وہیں کینٹین پر باتیں کرتے ، کھاتے پیتے ایک گھنٹہ گزر گیا۔ میڈم کے پیریڈ شروع ہونے میں بھی تھوڑا سا وقت تھا، ہم سب اٹھ کر ڈیپارٹمنٹ کی طرف بڑھ گئے۔ انہی لمحات میں سر ریحان سینئرز کی کلاس لے کر واپس آرہے تھے اور سینئرز اپنے کلاس روم میں سے نکل رہے تھے۔ صورتِ حال کچھ اس طرح کی ہو گئی کہ ہم آمنے سامنے آ گئے۔ سر ریحان نے دونوں کلاسز کی طرف دیکھا، پھر فوراً ہی مجھ سے مخاطب ہوتے ہوئے بولے۔

"ابان !....تم میرے ساتھ آؤ، میں نے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے"۔

"چلیں سر"!....میں نے فوراً ہی کہہ دیا۔

"لگتا ہے گاڑی تڑوا کر تھوڑا سیدھا ہو گیا ہے"۔ سینئرز ہی میں سے کسی نے کہا تو سر ریحان ایک دم سے بھڑک اٹھے۔

”یہ کون ہے....؟ کیا چاہتے ہو تم لوگ ....اپنے ڈیپارٹمنٹ کی بدنامی چاہتے ہو۔ سارے کیمپس کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ یہاں وحشی لوگ موجود ہیں۔ میں گڑبڑ کرنے والوں کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ ان کی یہاں ایک نہیں چلے گی“۔

”سر!....ان میں ہمت ہی نہیں ہے کہ سامنے آسکیں ....ان میں اتنی جراٰت ہی نہیں ہے۔ یہ صرف باتیں کرنا جانتے ہیں، مگر میں بتا دوں ....اب اس ڈیپارٹمنٹ میں وہی ہو گا، جو ہم چاہیں گے “....ماہم نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”کیا کرلو گی تم “....ایک سینئرز لڑکی نے آگے بڑھ کر غصے میں کہا۔

”چیئرمین صاحب کا فیصلہ ....اس کی منتظر ہوں میں ....میں کیا کر سکتی ہوں .... ابھی پتہ چل جاتا ہے کہ میں کیا کرسکتی ہوں، ہمت ہے ناتو یہیں اس ڈیپارٹمنٹ میں رہنا، ابھی دکھاتی ہوں .... آؤابان “....ماہم نے تیزی سے کہا اور میرا بازو پکڑ کر چیئرمین کے کمرے کی جانب پلٹ گئی۔ وہ اپنے کمرے میں اکیلے ہی بیٹھتے ہوئے تھے۔ ہمیں دیکھتے ہی بولے....

”جنھوں نے آپ کی گاڑی کو نقصان پہنچایا ہے۔ وہ سینئرز کی کلاس سے تعلق نہیں رکھتے، باہر کے لوگ تھے وہ .... لیکن جس نے انہیں یہاں بلوایا تھا وہ صفدر ملک ہے، اس سے میری بات ہو گئی ہے، وہ معذرت کرنا چاہتا ہے اور جو نقصان ہوا

ہے وہ بھی دے گا اور آئندہ کچھ بھی نہ کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ اب آپ کہو کیا کہنا چاہتے ہو"۔

"آپ کیا کہتے ہیں؟ "ماہم نے گیند ان کے کورٹ میں پھینک دیا۔

"میرے خیال میں ان کا منصوبہ فلاپ ہو گیا ہے۔ جو وہ کرنا چاہ رہے تھے۔ میڈم یہ ڈیپارٹمنٹ چھوڑ کر لمبے عرصے کے لیے چھٹیوں پر جا چکی ہے،کیونکہ اس کے سامنے صفدر ملک نے سازش کو بے نقاب کر دیا ہے۔ اب ڈیپارٹمنٹ میں سکون ہو جائے گا۔ باقی آپ لوگوں کا فیصلہ ہے ، جو کرنا چاہیں۔ صفدر اپنی اس حرکت پر یونیورسٹی سے نکالا بھی جا سکتا ہے"۔ چیئرمین صاحب نے کہا تو ماہم چند لمحے سوچتی رہی پھر میری جانب دیکھ کر بولی۔

"ابان .... کیا کرنا چاہیے....؟"

"میرے خیال میں امن زیادہ بہتر ہے، اگر وہ ہم سے معذرت کر لیتے ہیں اور آئندہ یہاں کوئی گڑبڑ نہیں ہوتی ۔ تو ٹھیک ہے "....میں نے پُر سکون انداز میں کہا تو چیئرمین نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"مجھے تمہاری بات بہت اچھی لگی ابان ....امن ہو جانے سے دوسرے شعبہ جات سے اساتذہ یہاں پڑھانے آئیں گے۔ نئے اساتذہ کا تقرر ہو گا اور سب سے بڑی

بات کہ تنظیم کا وہ زور جو یہاں تھا، وہ ٹوٹ جائے گا۔ کم از کم یہاں ہمارے اس ڈیپارٹمنٹ تک آپ لوگ ان پر حاوی ہو جائیں گے ....ورنہ لڑائی تو بڑھتی چلی جائے گی"۔

"اوکے !....صفدر سے کہیں وہ دونوں کلاسز کے سامنے اپنی غلطی کا اعتراف کر کے معذرت کر لے ....ہم اس سے نقصان بھی نہیں لیں گے"۔ ماہم نے ایک دم سے کہہ دیا اور باہر جانے کے لیے پلٹنے لگی۔

"ٹھہرو، ہم اکٹھے ہی جاتے ہیں"۔ چیئرمین صاحب نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ہم تینوں وہاں سے نکل کر راہداری میں آئے تو سر ریحان کی موجودگی میں وہاں پر اچھی خاص تکرار شروع تھی۔ وہ لوگ زور زور سے باتیں کر رہے تھے۔ چیئرمین صاحب کو دیکھتے ہی وہ خاموش ہو گئے۔ انہوں نے سب کی طرف دیکھ کر کہا۔" یہا موجود سب لوگ فسٹ ائیر کلاس روم میں چلیں"۔

سارے لوگ وہیں جمع ہو گئے تو چیئرمین نے روسٹروم پر کھڑے ہو کر لیکچر دینا شروع کر دیا۔ اس میں یونہی اخلاقی تقاضے نبھانے کی بات تھی۔ پھر حالیہ واقعات کے بارے میں بات کر کے کہا۔" جس نے بھی ابان کا نقصان کیا ہے، وہ یہاں آ کر اعتراف کرے اور معذرت کرے۔ ساری بات ختم ہو جائے گی"۔ اتنا کہہ کر

وہ قریب پڑی کرسی پر بیٹھ گئے۔ جہاں ایک کرسی پر سر ریحان تھے۔ کلاسز پر سناٹا چھا گیا۔ کچھ لمحوں تک کوئی بھی سامنے نہیں آیا۔ پھر صفدر ملک اٹھا اور روسٹرم تک آگیا۔ وہی ان سب کا لیڈر تھا۔ وہ بڑی شرمندگی سے کہہ رہا تھا۔

"ابان کا نقصان میں نے کیا ہے۔ میں اس سے معذرت چاہتا ہوں۔ وہ جو بھی مجھے سزا دینا چاہئے، میں اس کے لیے تیار تھا"۔ یہ کہہ کر وہ روسٹرم سے اتر کر نیچے ایک کرسی پر جا بیٹھا۔ تب میں آگے بڑھا اور روسٹرم تک گیا اور وہاں جا کر کہا۔

"میں صفدر ملک کو معاف کرتا ہوں اور اس کے لیے کسی قسم کی کوئی سزا نہیں ہے۔ میں امید کرتا ہوں کہ اب وہ بڑے بھائیوں جیسا رویہ رکھے گا"۔ یہ کہہ کر میں نیچے آیا اور آتے ہی صفدر کو گلے لگا لیا۔ اس پر پورا کلاس روم تالیوں سے گونج اٹھا۔ تب میں نے ماہم کی جانب دیکھا، وہ تالیاں بجاتے ہوئے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں جو چمک تھی اور اس کا جو تاثر تھا، وہ میں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر کے چہرے کے تاثر کے ساتھ میرے اس عمل کو سراہا تو مجھے بے حد خوشی ہوئی۔ ماحول ایک دم سے خوشگوار ہو گیا تھا۔ اسد ، تنویر اور رابعہ بھی مجھے بے حد خوش دکھائی دیئے۔ صفدر مجھ سے الگ ہو کر انتہائی شرمندگی سے میری جانب دیکھ رہا تھا۔ چیئرمین صاحب خوش خوش وہاں

سے چلے گئے تو ہم سب بھی وہاں سے نکل کر کینٹین پر آ گئے۔ میڈم تو تھیں ہی نہیں۔ اس لیے اب کوئی کلاس نہیں ہونے والی تھی۔ وہاں کچھ دیر تبصرہ آرائی ہوتی رہی اور پھر ہم سب وہاں سے چل دیئے۔

اس شام میں ٹی وی لاؤنج میں تنہا بیٹھا ہوا تھا۔ سلیم کسی کام سے باہر تھا ا ور جند وڈا کچن میں مصروف تھا کہ زریاب انکل کا فون آ گیا۔ چند تمہیدی جملوں کے تبادلے کے بعد انہوں نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"بہت اچھے جارہے ہو جوان .... تمہارا آج کا جو عمل تھا، بہت اچھا ہے۔ میرے خیال میں تم نے بہت سارے لوگوں کے دل جیت لیے ہوں گے"۔

"انکل آپ کو کیسے پتہ چلا"۔ میں نے خوشگوار حیرت سے پوچھا۔

"تم کیا سمجھتے ہو بیٹا، میں تم سے غافل ہوں، ایسا نہیں ہے میرے بیٹے، میں اگر تمہارے ساتھ نہیں تو میری آنکھیں اور کان تمہارے ساتھ ہیں۔ مجھے تمہارے بارے میں پتہ چلتا رہتا ہے۔ انہیں نے انتہائی جذباتی لہجے میں کہا۔

"انکل گاڑی کا تو اچھا خاصا نقصان ہو گیا ہے۔ اس کا " .... میں نے کہنا چاہا تو وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولے۔

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ ایسے سینکڑوں نقصان میں برداشت کر سکتا ہوں۔ تمہارا جو مقصد ہے، تم صرف اسی پر نگاہ رکھو"۔

"ٹھیک ہے انکل ....باقی سب کیسے ہیں؟ "میں نے پوچھا۔

"سب ٹھیک ہیں۔ میں بس تم سے یہی کہوں گا کہ اپنا بہت سا خیال رکھنا۔ کیونکہ بیٹا تم نے یورپ دیکھا، اس کی بہترین یونیورسٹی میں پڑھا ہے۔ ویسا ماحول تو یہاں نہیں ہے۔ یہاں بہت عجیب اور بہت گھٹیا قسم کی باتیں بھی تمہیں سننا پڑیں، بس ان پر صبر کرتے ہوئے وقت گزارنا ہے تمہیں؟ "انہوں نے کچھ اس انداز سے کہا تو مجھے واقعی عجیب سا لگا۔

"مطلب آپ کہنا کیاچاہ رہے ہیں؟ "میں نے سمجھنے کے لیے پوچھا۔

"یہی کہ تم پاکستان میں آئے ہو اور پہلی باریہاں کی کسی درسگاہ میں پڑھ رہے ہو۔ مطلب وقت گزار رہے ہو، وہ ماحول یا وہ سطح تو نہیں ملے گی، جو وہاں کے کلچرڈ لوگوں میں ہے۔ یہاں تو "....انہوں ے کہنا چاہا لیکن میں ان کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

"نہیں انکل !....دنیا میں جگہ کوئی بھی ہو،جتنے بھی کلچرڈ لوگ ہو۔ انسان میں جذبے تو وہی ہیں نا، تعصب، بلکہ نسلی تعصب اُن یورپ والوں میں بھی بہت ہے،

سازشی لوگ، لالچی ، مفاد پرست ایسے سب ....وہاں بھی موجود ہیں، میرے خیال میں وہ زیادہ شدت کے ساتھ دنیا میں گند پھیلاتے ہیں۔ کیونکہ آپ اسے انسانی سرشت سے نہیں نکال سکتے۔ یہ جذبات واحساسات موجود ہیں انسان میں۔ اس طرح جو اچھے ہیں، جن کا وجود اچھی اور صالح کیمسٹری پر بنا ہے، وہ دنیا میں جہاں بھی ہوں، وہ اچھے ہی ہوتے ہیں، میرے لیے یہاں کے لوگوں میں جو تعصب ہے، سازش، لالچ یامفاد پرستی کچھ اتنی تکلیف دہ نہیں ہے، کیونکہ مجھے ان سے کوئی سروکار نہیں ہے"۔میں اپنی رومیں کہنا چلا گیا تھا اور زریاب انکل خاموشی سے میری بات سنتے رہے تھے۔

"مجھے خوشی ہوئی بیٹا تمہارے خیالات جان کر ....اب مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تم یہاں پر بہت اچھا وقت گزار لوگے۔ وش یو گڈلک "....ان کے لہجے میں خوشی چھلک رہی تھی۔

"بہت شکریہ انکل"۔ میں نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا اور پھر کال ختم ہو گئی۔ انکل سے بات کرنے کے بعد میں خود کو خاصا ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ کیمپس میں آنے کے بعد، میں نے یہاں کے لوگوں کے بارے میں بہت سوچا تھا۔ ایک ایک کردار پر سوچا تھا۔ میرے نزدیک ایک دم سے تنویر گو پانگ ، اسد، رابعہ اور

فریحہ کے علاوہ ماہم بھی آگئی تھی۔ کلاس میں بہت سارے لوگ تھے۔ ان کے ساتھ تعلق فقط چہرہ شناسائی تک محدود تھا۔ ممکن ہے آئندہ دنوں میں کسی دوسرے سے بھی دوستی ہو جائے۔ فی الحال تو ان چند دنوں میں واقعات پر میں نے جتنا غور کیا، اس سے میں نے یہی پایا تھا کہ اگر بندہ حق پر ہو تو کامیابی بہر حال اس کی ہوتی ہے۔ منفی جذبات رکھنے والے جتنا بھی شور مچا لیں، ان کی بنیاد جھوٹ پر ہی ہوتی ہے اور جھوٹ جتنا بھی مضبوط دکھائی دے وہ اندر سے کھوکھلا ہوتا ہے۔ وہ کسی بھی اہم معاملے کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ تیسری بات جو میری سمجھ میں آرہی تھی، وہ یہی تھی کہ حالات پر قابو پانے کے لیے محض عقل، ہمت اور حوصلہ ہی درکار نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے قسمت کا ساتھ بھی بہت ضروری ہوتا ہے۔ یہ جو میرے ارد گرد حالات بن گئے تھے۔میں ان کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا تھا کہ آیا قسمت میرا ساتھ دے رہی ہے یا نہیں۔ میں ے جو سوچا تھا اور جس طرح پلان کیا تھا ایسا کچھ نہیں ہوا تھا۔ بلکہ حالات میرے قابو میں ہوتے ہوئے بھی میرے ہاتھ میں نہیں تھے۔ ایک بات تھی جس نے مجھے پُرسکون رکھا ہوا تھا۔ وہ تھا میرے دل کا اطمینان، میں پریشان نہیں تھا، بلکہ اب مجھے خود ان حالات

کا مزہ آنے لگا تھا۔ میری سوچ ایک حد پر جا کر ختم ہوئی تو مجھے احساس ہوا، میرا سیل فون پھر سے بج رہا تھا۔ اسد کی کال تھی۔

"ہاں اسد بولو کیا بات ہے"۔ میں نے کال ریسو کرتے ہوئے کہا۔

"یار دل بہت گھبرا رہا ہے، تنہائی میں یوں لگ رہا ہے جیسے مرا دم گھٹ جائے گا، سوچا تم سے بات کرلوں، شاید دل بہل جائے"۔ اس کے لہجے میں یاسیت تھی۔

تب میں نے ایک دم سے کہا۔

"تُو ایسا کر نکل ہاسٹل سے، میں تمہیں لینے آجاتا ہوں۔گپ شپ کرتے ہیں۔ تمہارا دل ہی کیا دماغ بھی فریش ہو جائے گا"۔

"یہ تو بہت اچھا ہے یار، میں بس پانچ منٹ میں نکلتا ہوں۔ تم آجا"ؤ۔ اس نے کہا اور فون کر دیا۔ میں نے ٹی وی آف کیا اور باہر کی جانب چل دیا۔ میں اسد کو لے کر یہاں آجانے والا تھا۔ گاڑی پورچ ہی میں تھی۔ میں نے جندوڈے کو تھوڑی دیر بعد آنے کا کہا اور سبزہ زار سے کیمپس کی جانب چل دیا۔

میں جب اسد والے ہاسٹل کے سامنے پہنچا تو اندھیرا اچھا خاصا پھیل چکا تھا۔ پہلی نگاہ میں وہ مجھے کہیں دکھائی نہیں دیا۔ حالانکہ اگر وہ فون کال کے پانچ منٹ بعد ہاسٹل سے نکلتا تو اسے وہاں آئے آدھا گھنٹے ہو جانا چاہئے تھا۔ میں نے اسے کال

کرنے کے لیے اپنا سیل فون نکالا ہی تھا کہ وہ ہاسٹل گیٹ سے باہر آتا ہوا دکھائی دیا۔ اس کے چہرے پر شدید غصہ تھا، آنکھیں چڑھی ہوئیں اور بے چینی میں اپنے ہونٹ کو دانتوں تلے دبائے ہوئے تھا۔ اس کی نگاہ کار پر پڑی تو وہ سیدھا میری جانب آگیا۔ دروازہ کھولا اور میرے ساتھ پسنجر سیٹ پر بیٹھ کر دھیمی آواز میں بولا۔

"چلو یار"!....اس کے لہجے میں کچھ ایسا تھا جس پر میں نے پہلے تو اس کا جائزہ لیا، پھر گاڑی بڑھاتے ہوئے پوچھا۔

"اسد ....یار اتنے پریشان کیوں ہو؟"

"یار، اچھا بھلا تیار ہو کر کمرے سے نکلا تھا، یہ جو ہاسٹل اور گیٹ کے درمیان میں لان ہے نا، اس میں ہاسٹل کا تنظیمی ناظم اپنے حواریوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے دیکھ کر بڑی بدتمیزی سے اپنی طرف بلایا۔ میں بادل نخواستہ اس کی طرف چلا گیا تو بس اول فول بکنے لگا"۔ اس نے روہانسا ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا کہا اس نے"۔ میں نے تحمل سے پوچھا۔

”وہی جو ایک دو دن سے ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں حالات چل رہے ہیں۔ اس باعث دھمکیاں، گالیاں اور بس ایسے ہی بکواس کرتے رہا تھا“۔ اس کا لہجہ یوں ہو گیا، جیسے وہ ابھی رو دینے والا ہے۔

”تم نے کچھ نہیں کہا“۔ میں نے یونہی سرسری سے انداز میں پوچھا تو اس نے شاکی نگاہوں سے میری جانب دیکھا اور رو دینے والے انداز میں کہا۔

”یار اگر میں اپنے ’گراں ‘میں ہوتا نا تو اُسے بتاتا کہ گالی کیسے دیتے ہیں۔ میں نے اس کی اتنی بات ہی نہیں سننی تھی۔ وہ تو چاہتا ہی یہی تھا کہ میں اُسے کوئی جواب دوں اور وہ مجھے مزید بے عزت کرے۔ کاش میں یہاں نہ ہوتا “....اس نے کچھ انداز سے کہا تو میں نے ایک دم سے فیصلہ کر لیا۔

”وہ کون ہے اور کس ڈیپارٹمنٹ کا ہے۔ تنظیمی ناظم“۔ میں نے پوچھا اور ساتھ ہی دو رویہ سڑک سے آنے والے کٹ سے گاڑی موڑتے ہوئے کہا۔ یہ دیکھ کر اسد تیزی سے بولا۔

”یہ کہاں جا رہے ہو تم....؟“

”جو میں نے پوچھا ہے، وہ بتاؤ“۔ میں نے اپنے غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

”اپنے ہی ڈیپارٹمنٹ کا سینئر ہے۔ وہ کلاس میں کم ہی جاتا ہے“۔ اسد نے کہا اور پھر پریشان لہجے میں بولا“۔

مگر یوں ہم دونوں ....ابان تو اس کے ساتھ کئی لوگ ہوں گے ....وہ خوامخواہ تمہارے ساتھ بھی بدتمیزی“....

”خاموش !....بس دیکھتے رہو ....وہ بھی حوصلے کے ساتھ“۔ میں نے اتنا ہی کہا اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ وہ میری طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔ میں نے اس رفتار سے گاڑی گیٹ میں داخل کی۔ میں نے لان میں بیٹھے ہوئے ایک لمبے اور مضبوط سے لڑکے کو دیکھا۔ اس نے سفید شلوار قمیص پہنی ہوئی تھی۔ کالی واسکٹ، سر پر سیاہ ٹوپی، چھوٹی چھوٹی گھنی داڑھی اور مونچھوں والا چند لڑکوں کے ساتھ کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے سامنے جو لڑکے تھے،ان کا حلیہ اور وضع قطع بھی ویس ہی تھی۔ ایک لڑکے نے پتلون اور شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ میں نے گاڑی کے بریک لگائے اور روک دی، ڈیش بورڈ میں پڑا اپنا کولٹ ریوالور نکالتے ہوئے اسد سے پوچھا۔

”کون ہے اِن میں سے تنظیمی ناظم؟“

”وہ سامنے “....اس نے اُسی لڑکے کی جانب اشارہ کیا جو میری گاڑی کی طرف ہی دیکھ رہا تھا اور جسے میں پہلی نگاہ میں بھانپ گیا تھا۔ میں نے ریوالور کوٹ میں رکھا اور باہر نکل آیا۔ دوسری طرف سے اسد بھی باہر آگیا۔ میں تیز قدموں سے چلتا ہوا اس کی طرف بڑھنے لگا۔ وہ میری طرف دیکھ رہا تھا اور ابھی تک کرسی پر جما ہوا تھا۔ میں نے قریب پہنچ کر اسد سے پوچھا۔

”اس نے تمہیں گالیاں اور دھمکیاں دی ہیں“۔

”ہاں میں نے دی ہیں ....اور تم اس کے“....

”بکواس بند کرو اور اس سے معافی مانگ کر وعدہ کرو کر آئندہ “....میں نے اس کی بات کاٹ کر کہنا چاہا تو اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”اچھا تم سیوا کروانے کے لیے خود ہی یہاں آگئے ہو۔ ابان ہی ہے نا تمہارا نام .... چلو یہاں اسی لان میں کان پکڑ لو“۔ اس نے انتہائی طنزیہ اور گھٹیا انداز میں کہا تو اسد نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔ وہ شاید اس کی توقع نہیں کر رہا تھا، اس لیے غصے میں پاگل ہوتے ہوئے ایک لمحے ہی میں ٹی ٹی پسٹل نکال لیا۔ میں نے اسے سیدھا بھی نہیں کرنے دیا اور کک اس کے ہاتھ پر ماری، ٹی ٹی پسٹل

اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دو ر جا پڑا۔ میں نے سنبھلتے ہی ریوالور نکال لیا تھا، وہ ٹھٹک گیا۔ تب میں نے غصے میں کہا۔

”کیا اسلحہ تمہارے پاس ہی ہے، کسی دوسرے کے پاس نہیں ہو سکتا، اب یہیں کان پکڑنے ہیں یا میرے ساتھ جانا ہے....؟“

”دیکھو !.... غلطی اس کی تھی“۔

”بکواس بند کرو ....اسد مارو اسے“....۔ میں نے کہا اور ریوالور اس کی کنپٹی پر رکھ دیا۔ اسد کو کتنا غصہ تھا یہ اس وقت مجھے معلوم ہوا اس نے ایک ٹکراس کے ناک پر ماری ، اگلے ہی لمحے وہاں سے خون کا فوارہ چھوٹ گیا۔ دو تین تھپڑ مارنے کے بعد وہ پیچھے ہٹ گیا۔ اتنی دیر میں اس کے حواری لڑکے پیچھے ہٹ چکے تھے۔

”چلو کان پکڑو “!....میں نے کہا تو اس نے دھیرے دھیرے کان پکڑ لیے تب اسد نے زور سے اس کے لات ماری تووہ گر گیا۔ تب میں نے کہا۔”کوئی شک میں نہ رہے کہ اسد یہاں کمزور ہے۔ کسی نے بھی آئندہ اس کے ساتھ بدتمیزی کرنے کی کوشش کی یا کسی نے گھٹیا رویہ رکھا، تو ہم سے برا کوئی نہیں ہو گا۔ جس کس نے آزمانا ہے، وہ آزمالے “....یہ کہتے ہوئے میں نے حواریوں کی طرف دیکھا، وہ خاموش تھے۔میں نے اسد کو ساتھ آنے کا اشارہ کیا۔ وہ گاڑی کی طرف

چل پڑا۔ میں نے اس ناظم کو کالر سے پکڑ کر اٹھایا اور کہا۔" چلو ہمارے ساتھ .... تمہاری پٹی کروا دوں"....

"نہیں ....میں خود "....اس سے بولا نہیں جارہا تھا، میں نے اسے ایک طرف دھکا دیا اور گاڑی کی طرف چل پڑا۔ مجھے احساس تھا کہ کہ ٹی ٹی پسٹل اس کے کہیں نزدیک ہی گرا ہو گا۔ اسے تلاش کرنے اور فائر کرنے میں جتنا وقت لگ سکتا تھا، اتنی دیر تک میں گاڑی تک پہنچ گیا تھا، میں گاڑی میں بیٹھا اور ریسوریس ہی میں گیٹ تک گیا اور وہاں سے نکل آیا۔یہاں‌تک کہ کیمپس کا مین گیٹ عبور کر کے بڑی شاہراہ پر آگیا۔ تب میں نے اسد کی طرف دیکھا اس کا چہرہ ابھی تک سُتا ہوا تھا۔ جیسے اب تک اسے یقین ہی نہ آرہا ہو کہ وہ ان سے بدلہ لے چکا ہے۔ ممکن ہے اس کے دماغ میں کچھ اور بھی چل رہا ہو۔ تب میں نے دھیرے سے پوچھا۔

"اسد !....بہت خاموش ہو، کیا سوچ رہے ہو؟"

"کچھ نہیں"وہ آہستگی سے بولا۔

"پھر بھی....؟ "میں نے اس کے چہرے پر دیکھا۔

"یار یہ تنظیم والوں سے پھڈا اچھا نہیں، بہر حال ہم نے یہاں پڑھنا ہے تھوڑا وقت نہیں پورے دو سال گذارنے ہیں"....

"یہ میرا وعدہ ہے اسد !....میں جب تک ہوں یہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے"۔میں نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

"ان لوگوں کے بارے تمہارے ذہن میں پتہ نہیں کیا ہے، یہ کوئی چھوٹا موٹا گروپ نہیں ہے، جس سے مقابلہ ممکن ہو سکے گا، یہ ایک سیاسی جماعت کی بغل بچہ تنظیم ہے اور یہ پورے ملک میں پھیلی ہوئی ہے۔ تم اور میں بھلا ان کا مقابلہ کیا کر سکیں گے"۔ اس نے اپنا خوف مجھ پر ظاہر کر دیا تو میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"مانتا ہوں اور پوری طرح جانتا بھی ہوں ان کے بارے میں .... لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھو، کوئی بھی جماعت ہو یا کوئی بھی سیاسی پارٹی ہو ۔ وہ پورے ملک میں یکساں اثر ورسوخ نہیں رکھتی، کہیں اس کا اثر کم ہوتا ہے اور کہیں زیادہ تم سمجھتے ہو کہ ایسا کیوں ہوتا ہے"۔

"ظاہر ہے یہ ایک فطری سی بات ہے۔"اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

"وجہ ....وہ کون سی وجہ ہوتی ہے ....میں بتاتا ہوں، ہمیشہ مقامی حالات ہی ان کا اثر ورسوخ بناتے ہیں اور مقامی حالات کیا ہوتے ہیں؟ وہاں کے لوگ جو انہیں ہر طرح کی مدد کرتے ہیں۔ اس کیمپس میں ظاہر ہے انہیں تحفظ دینے والے لوگ اگر ہیں تو ان کے مخالف بھی ہوں گے۔ کل تم دیکھنا ....اول تو انہوں نے اس

واقعہ کو پھیلنے ہی نہیں دینا، اگر کیمپس میں یہ واقعہ مشہور ہو گیا تو اِن کے مخالفین ہمیں تلاش کرتے پھریں گے“۔ میں نے اسے سمجھایا تو وہ چونک کر میری جانب دیکھنے لگا اور پھر پُرجوش لہجے میں بولا۔

”یار، میرا تو اس طرف دھیان ہی نہیں گیا تھا“۔

”ڈرنے کی ضرورت نہیں ....ہاں مگر حوصلے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ اس کی جماعت کا کوئی بھی طالب علم لیڈر کبھی تشدد کی بات نہیں کرتا، اگر ان کا کوئی واقعی لیڈر ہو یا پھر وہ کوئی تنظیم ہو۔ یہاں سارا کھیل نظریات کا ہوتا ہے اور کوئی بھی اُس وقت نظریہ قبول کرتا ہے جس میں کوئی جبر نہیں ہوتا۔یہی وجہ تو ہے کہ بر صغیر میں سلاطین نے لوگوں پر حکومت تو کی مگر دل نہیں جیت سکے، یہ اولیائے اللہ تھے جنھوں نے دل جیتے، کیوں؟ انہوں نے جبر نہیں کیا، دھونس سے اپنی بات منوانے کی کوشش نہیں کی، اگروہ بھی اللہ کی مخلوق پر حکومت کرنے کا ہی سوچتے ....تب کیاصورت ِحال ایسے ہوتی “....میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ جبر سے آپ کسی کو مجبور تو کرسکتے ہو لیکن اس کا دل نہیں جیت سکتے“۔ لفظ اس نے منہ ہی میں‌تھے کہ ہم سبزہ زار پہنچ گئے۔ آچکا

تھا۔ اس نے گیٹ کھولا اور گاڑی پورچ میں جا روکی۔ ہم جب ڈرائنگ روم میں پہنچے تو جندرڈا فوراً ہی آگیا۔

"کھانا لگاؤں سائیں"۔

"ہاں لگاؤ، بہت بھوک لگی ہے"۔ میں نے کہا اور ہاتھ دھونے سنک کی طرف چلا گیا۔ واپس آیا تو میرے انتظار میں سلیم کھڑا تھا۔

"سر کوئی معاملہ بن گیا تھا؟ کیا ہوا؟"

"تمہیں کس نے بتایا"....اسد نے تیزی سے حیرت بھرے لہجے میں پوچھا تو میں نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"جی، وہ ریوالور ڈش بورڈ میں نہیں ہے۔ آپ کے پاس ہے"۔ اس نے اتنی سی بات سے اندازہ لگا لیا تھا۔

"ہاں، بن گیا تھا معاملہ، تم آؤ، ادھر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہیں، میں تمہیں ساری صورتِ حال بتا دیتا ہوں"۔ میں نے اسے کہا اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں بھی آگئے تو کھانے کے دوران میں نے اسے سب کچھ بتا دیا۔

"بہت اچھا کیا آپ نے ، فکر نہ کریں۔ میں ہوں نا یہاں پر "....اس نے عجیب سے لہجے میں کہا تو میں نے اسد کی وجہ سے مزید کچھ نہیں پوچھا۔ کھانے بعد ہم بہت دیر تک گپیں لگاتے رہے۔ وہ رات میرے پاس ہی رہا۔

111

میں اور اسد وقت پر ہی ڈیپارٹمنٹ پہنچ گئے۔ اس دن میں سوٹ پہن کر کیمپس گیا تھا اور میرے بغلی ہولسٹر میں میرا کولٹ ریوالور موجود تھا۔ میں کسی بھی غیر متوقع صورتِ حال کے لیے تیار ہو کر گیا تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ نے جو رات کہا تھا۔ اس نے کیا کرنا تھا۔ تنویر گوپانگ جیسے میرے ہی انتظار میں تھا، مجھے دیکھتے ہی تیر کی طرح میری جانب بڑھا۔

"یار ، کیا یہ بات سچ ہے جو رات تم نے "....اس نے کہنا چاہا تو میں نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"جو بھی سنا ہے وہ سچ ہے "....میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو سامنے سے آتی ہوئی رابعہ پر میری نگاہ پڑی۔ وہ مسکراتے ہوئے آرہی تھی۔ بالکل قریب آ کرہنستے ہوئے بولی۔

”یہ سیل فون بھی بڑی چیز ہے۔ رات ہی یہ خبر ہر طرف پھیل گئی تھی۔ ممکن ہیں پلان بن گئے ہوں، اس لیے محتاط رہنا“۔

”تم کچھ نہ کہنا باقی سب خیریت ہے“۔ اسد نے اس کی نگاہوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو سنجیدگی سے بولی۔

”وقت آنے پر بتاؤں گی ڈھال کیسے بنتے ہیں“۔اس کے یوں کہنے پر میں چونک گیا۔ وہ اس قدر خلوص رکھتی ہے۔ کیا یہ میری ذات کے لیے ہے یا کوئی اور وجہ ہے؟ میں اس وقت بالکل بھی نہیں سمجھ پایا۔ شاید میں اس پر غور کرتا، انہی لمحات میں ماہم آگئی، وہ بلیک گاگلز لگائے ہوئے تھی۔ وہ بالکل میرے قریب آگئی۔ گاگلز اتارے اور مسکراتی ہوئی آنکھوں سے بولی۔

”ابان !....مجھے تم سے یہی توقع تھی، اگر تم ایسا نہ کرتے تو میرا اندازہ غلط ہو جانا تھا۔ زندگی میں پہلی بار اگر ایسا ہو جاتا تو مجھے خود پر بہت افسوس ہوتا“۔

”میں سمجھا نہیں، تم نے یہ کیا کہا ہے؟“میں نے واقعتاً اس کی بات سن کر حیرت سے پوچھا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

"ابھی بتاتی ہوں"۔ یہ کہہ کر اس نے سب کی طرف دیکھا اور بولی۔" آپ سب کینٹین پر چلیں، وہاں میں ٹریٹ دے رہی ہوں۔ اگر سینئرز بھی آنا چاہئیں تو انہیں بھی لے آئیں۔ تنویر پلیز"۔

"میں دیکھتا ہوں"۔ تنویر نے تیزی سے کہا اور راہداری کی جانب بڑھ گیا۔

"آ ؤ چلیں، ماہم نے میرا ہاتھ پکڑ کر چلتے ہوئے کہا۔ میں نے دھیرے سے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑایا۔ میں اس کی ادا کو نہیں سمجھ پارہا تھا۔ وہ میرے لیے معمہ بن رہی تھی۔ ڈیپارٹمنٹ کی سیڑھیاں اترتے ہوئے میں نے اس سے پوچھا۔

"یہ تمہاری توقع، تمہارا اندازہ ....یہ کیا ہے؟"

"میرے سوال پر وہ سیڑھیاں اترتے ہوئے رک گئی۔ میری طرف گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے خمار آلود آواز میں بولی۔

"سچ پوچھنا چاہتے ہو؟"اس کے یوں پوچھنے پر میں ایک لمحے کو چکرا کر رہ گیااوروہ میری طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے میرے چہرے پر لکھی ہوئی تحریریں پڑھ رہی ہو۔ اس کے تازگی بھرے چہرے پر بھنورا آنکھوں میں شرارت چھلک رہی تھی اور لبوں پر مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ ہم دونوں سیڑھیوں میں کھڑے تھے۔ وہ بالکل میرے یوں قریب کھڑی تھی جیسے میرے ساتھ لگ گئی ہو۔ اس سے اٹھتی

بھینی بھینی سی مہک خوشگوار تاثر دے رہی تھی۔ وہ میری طرف یوں دیکھ رہی تھی جیسے میں نے کوئی انہونی بات کر دی ہو۔ وہ مجھے منتظر دیکھ کر خمار آلود لہجے میں بولی۔

"تو پھر سچ یہ ہے ابان ....کہ تمہارے کے بارے میں جو اندازہ میں نے لگایا تھا، وہ بالکل درست ثابت ہوا ہے، افسوس مجھے اس پر ہوتا اگر تم"....

"یہ بات تم ابھی کہہ چکی ہو، کیوں کہی، میں وہ پوچھنا چاہتا ہوں"۔ میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آؤ نا لان میں، وہیں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں"۔ اس نے اشارے سے چلنے کے لیے کہا تو میں نے بھی محسوس کیا، ہم دونوں راستہ روکے کھڑے تھے۔ کوئی اور لمحہ ہوتا تو شاید میں اس کے قرب سے کچھ اور معنی اخذ کرتا، لیکن اس وقت ماہم کی بات نے مجھے پوری طرح متوجہ کیا ہوا تھا۔ ہم چلتے ہوئے لان تک چلے گئے۔ اس دوران ہم دونوں میں خاموشی رہی۔ آہنی کرسیوں پر بیٹھتے ہوئے اس نے میری جانب دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولی۔

”ابان !....ہر بندے کا ایک آئیڈیل ہوتا ہے، میرا بھی ہے، وہ آئیڈیل کیسا ہے، یہ تو شاید میں تمہیں نہ بتا سکوں، لیکن تم میرے آئیڈیل کے بہت قریب تر ہو“۔اس نے کہا تو میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”کس حد تک....اور “....میں نے کہنا چاہا تو اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے روکتے ہوئے کہا۔

” یہ بھی شاید میں نہ بتا سکوں، کیونکہ یہ کوئی دو اور دو چار والی بات نہیں ہے، خیر، تمہاری بات کا جواب یہ ہے کہ قدرت نے مجھے ایک وصف سے نوازا ہے۔ میں کسی کو بھی دیکھتی ہوں تو اس کے بارے میں جو میری پہلی رائے ہوتی ہے، وہ ویسا ہی ہوتا ہے، جیسے تمہیں دیکھتے ہی میری یہ رائے تھی کہ تم اناوالے، حوصلہ مند اور جراٗت رکھنے والے شخص ہو اور بس“۔ یہ کہتے ہوئے وہ دھیرے سے مسکرا دی تھی۔

”میں نے کہا، پتا نہیں تم میرا کیا زائچہ بنانے چلی ہو“۔ میں نے اس کی بات کو نظر انداز کرنا چاہا۔

"پھر ایک بات اور بھی ہے ابان....؟ کہ اتنے لڑکوں میں صرف تم نے کیوں ان سینئرز کے ساتھ مقابلہ کرنے کی جرائ ت کی !ایسا ایک جرائ ت مند اور حوصلہ رکھنے والا ہی"....

"ماہم !....خدا کے لیے سیریس ہو جا ....ؤ یہ تم کیا باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو۔ میں نے جو ٹھیک سمجھا وہ کیا ، آؤ اب ساری کلاس آجانے والی ہے۔ ان کے پاس چلتے ہیں، یوں اکیلے میں اچھا نہیں لگتا"۔ میں نے کہا اور اٹھ گیا ناچار ماہم کو بھی اٹھنا پڑا۔ ہم چلتے ہوئے اپنی کلاس میں جا پہنچے، جہاں زور وشورسے کل رات والا موضوع ہی چل رہا تھا۔ ہر کوئی اپنا اپنا تبصرہ کر رہا تھا اور میں خاموشی سے سنتا رہا۔ جب سارے اپنی اپنی کہہ چکے تو میں بولا۔

"اب میری سنو !میں نے جو کچھ کیا ، اپنے دوست کے لیے ، اس کی بھی عزت ِنفس ہے، میں اسے یوں افسردہ نہیں دیکھ سکا۔ آپ لوگ کہہ رہے ہو کہ میرے اس عمل کا ردِ عمل ہو گا، تو ہوتا رہے، میں بھگت لوں گا"۔ میں نے صاف انداز میں کہا تاکہ میری یہ بات ان تنظیم والوں تک پہنچ جائے۔ مجھے پورا یقین تھا کہ ہماری کلاس میں ان کے لوگ ضرور ہوں گے۔ وہاں ہر کوئی مجھے یہ یقین دلانے لگا کہ وہ میرے ساتھ ہے۔ یوں باتیں کرتے، کھاتے پیتے رہے، پھر وہاں سے اٹھ گئے۔

اس دوران میں نے محسوس کیا کہ ماہم میری طرف نہ صرف مسلسل دیکھتی رہی ہے، بلکہ وہ میری ہر بات کو بہت زیادہ اہمیت دینے لگی تھی۔ ہم سب کلاس لینے کے لیے چلے گئے۔

کلاس ختم ہو جانے کے بعد میں سیڑھیاں اتر کر ڈیپارٹمنٹ کے مین گیٹ سے چند قدم کے فاصلے پر تھا کہ ماہم نے میرے عقب سے مجھے پکارا، میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہ خراماں آرہی تھی، اس کے انداز میں کوئی جلدی نہیں تھی جیسے اسے امید تھی کہ میں اس کا انتظار کروں گا۔ میں رک گیا، یہاں تک کہ وہ میرے پاس آگئی ۔ وہ میری طرف دیکھ کر بولی۔

”تم مصروف تو نہیں ہو؟“

”خیریت....؟ “میں نے براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”کیا خیال ہے، آج لنچ اکٹھے نہ لیں؟“

”مجھے کوئی اعتراض نہیں، اور کون کون ہو گا ہمارے ساتھ“۔ میں نے کندھے اچکاتے ہوئے جان بوجھ کر پوچھا۔

”کوئی بھی نہیں، ایک آپ اور دوسری میں“۔ اس نے خوشگوار انداز میں کہا۔

"اوکے !.... جیسے تمہاری مرضی"۔ میں نے کہا تو اس نے مجھے ایک نئے ریسٹوران کے بارے میں بتایا۔ جہاں میں پہلے نہیں گیا تھا۔ پھر بولی۔

"میں وہیں تمہارا انتظار کروں گی"۔

یہ کہہ کر وہ چل دی۔ اس کا رخ پارکنگ کی طرف تھا، میں بھی اس جانب بڑھ گیا۔

ماہم اپنی گاڑی میں بیٹھ کر جا چکی تھی اور میں گاڑی سٹارٹ کر چکا تھا۔ ایسے میں میری نگاہ دور سے آتے ہوئے اسد پر پڑی۔ وہ تیز تیز قدموں سے میری جانب آرہا تھا۔ مجھے اپنی طرف دیکھتے ہوئے پا کر ہاتھ کے اشارے سے رکنے کو کہا۔ وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا میرے پاس آگیا۔ تب میں نے پوچھا ۔

"خیریت تو ہے اسد"!

"سب ٹھیک ہے، لیکن میں ہاسٹل کیسے جاؤں .... وہاں تو "....وہ کہتے کہتے رک گیا۔ میں نے گیٹ کھولا تو وہ بیٹھ گیا۔

"ہاں، یہ مسئلہ تو ہو گا، آؤ چلیں، دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے"۔میں نے گاڑی کی جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

”نہیں، ایسے نہیں، وہ میرے منتظر ہیں، میں یوں گیا تو لازماً کوئی نہ کوئی بات ہو جائے گی۔ کیونکہ وہیں سے میرے روم میٹ نے مجھے بتایا ہے کہ میرا سامان انہوں نے توڑ پھوڑ دیا ہے اور دھمکیاں بھی دی ہیں“۔ اسد نے دھیمی آواز میں یوں کہا جیسے وہ مجھ سے شرمسار ہو رہا ہو۔

”کب بتایا تمہیں؟ “میں نے پوچھا۔

”یہی چند منٹ پہلے ....ورنہ میں تو ہاسٹل ہی جارہا تھا“۔ اس نے تیزی سے بتایا۔

”چلو، پھر سبزہ زار چلتے ہیں، اس کا بھی کوئی حل نکالتے ہیں“۔ میں نے کہا اور گاڑی پارکنگ سے نکالنے لگا۔ پھر اسی خاموشی سے کیمپس کے اس راہ پر آ گئے جو باہر کی جانب جاتا تھا۔ وہیں مجھے خیال آیا کہ ماہم تو ریسٹوران میں میرا انتظار کر رہی ہو گی۔ اگر میں اسد کو ساتھ میں لے گیا تو کہیں وہ ناراض ہی نہ ہو جائے اور میں اسد کو بھی تنہا نہیں چھوڑ سکتا تھا۔ میں نے چند لمحے سوچا اور پھر اسے فون کر کے منع کر دینا چاہا۔ میں نے فون نکال کر ماہم کے نمبر پش کیے اور رابطہ ہو جانے کا انتظار کرنے لگا۔ چند لمحوں بعد ہی فون ریسیو کر لیا گیا۔

”جی ابان ....بولو “....اس نے عام سے لہجے میں کہا۔

”کہاں ہو؟“ میں نے پوچھا۔

"میں ابھی ریسٹوران نہیں پہنچی، تم نے فون کیوں کیا، خیرت تو ہے نا"....اس نے یوں پوچھا جیسے وہ میری غیر متوقع کال پر گڑبڑا گئی ہو تب میں نے اسد کے بارے میں بتا کر کہا۔

"سو، میں سبزہ زار جارہا ہوں، لنچ، پھر کسی اور وقت سہی"۔

"نہیں !....تم سیدھے ریسٹوران آ ؤ گے ....اسد بھی ہے تو کوئی بات نہیں۔ بس تم آجا"ؤ۔ اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔

میں نے فون رکھا اور میں ریسٹوران کی تلاش میں گاڑی بھگانے لگا۔ ہم دونوں میں خاموشی تھی۔ اسد نے مجھ سے نہیں پوچھا کہ فون کس کا تھا۔ ماہم کی گاڑی باہر ہی کھڑی دکھائی دی تو میں نے اس سے کچھ فاصلے پر گاڑی پارک کر دی۔ ہم دونوں ریسٹوران کے اندر چلے گئے۔ چند لمحوں میں ہی میں نے ماہم کو دیکھ لیا۔ وہ ایک میز پر تھی اور اس کے پاس تین لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ جن میں ایک لڑکی تھی اور دوسرے دو مرد تھے جو کافی حد تک جوان تھے، انہیں بہر حال لڑکے نہیں کہا جا سکتا تھا، مجھے ذرا سا جھٹکا لگا کہ وہ تو مجھے تنہا بلا رہی تھی، لیکن وہ تو یہاں اکیلی نہیں تھی۔ یہ کون لوگ ہیں؟ ماہم میری طرف دیکھ رہی تھی اور ان لوگوں کی نگاہیں بھی مجھ پر ٹکی ہوئی تھیں۔ اس سے میرا یہ خیال پختہ ہو گیا کہ

وہ میرے ہی انتظار میں تھے۔ میں اور اسد ان کے پاس جا پہنچے۔ علیک سلیک کے بعد ماہم نے تعارف کرایا۔

"یہ رخشندہ ہے، فائنل میں ہے اور یہ کاشف اور یہ عدنان، یہ سمجھ لیں یہاں کے ایکس سٹوڈنٹ ہیں"۔

"بہت خوشی ہوئی آپ سب سے مل کر"۔ میں نے رسمی سا جملہ کہہ دیا۔ تب ان میں سے زیادہ عمر کے جوان کاشف نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں نے تو کل رات ہی سے آپ کی تلاش کرنا شروع کر دی تھی، لیکن آپ سے رابطہ نہیں ہو پارہا تھا، آج صبح ماہم سے رابطہ ہوا تو آپ کا نمبر ملا، خیر پھر انہوں نے ہی آپ سے ملانے کا وعدہ کر لیا، مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی ہے کہ آپ ایک جرائ ت مند نوجوان ہیں"۔

"اور کاشف ، یہ ان کے ساتھ میں اسد ہیں، جن کی وجہ سے یہ سارا معاملہ ہوا"۔

"اوہ !....یہ تو بہت اچھا ہوا، یہ بھی مل گئے"۔ کاشف نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔ پھر میری جانب دیکھ کر بولا۔" زیادہ تجسس نہیں پھیلاؤں گا اور نہ ہی تمہید میں وقت لوں گا۔ سیدھی سی بات ہے، ہم ان تنظیم والوں کے مخالفین ہیں اور آپ

کی ہر ممکن مدد کرنا چاہتے ہیں۔ آپ یہ مت سمجھئے گا کہ ہم کوئی آپ کی ہمدردی میں آپ تک پہنچے ہیں، ایسی کوئی بات نہیں، ہم اپنا مقصد بھی چاہتے ہیں"۔

"کیا مقصد ہے؟"میں نے آہستگی سے پوچھا تاکہ وضاحت ہو جائے۔ یہ کہتے ہوئے میں نے عدنان کی جانب دیکھا جو اب تک خاموش تھا۔ اس نے میری بات کا جواب نہیں دیا، بلکہ بناء کسی تاثر کے میری طرف دیکھتا رہا۔ تب کاشف نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"سیدھی سی بات ہے ابان، کیمپس پر ہمارا قبضہ تھا، چند برس پہلے انہوں نے ہم سے یہ چھین لیا۔ اب ہم نے دوبارہ قبضہ کرنا ہے ، ہمارا یہی مقصد ہے ۔ اس کے لیے ہم ہر اس بندے کی مدد کریں گے، جو انہیں کمزور کرے گا"۔

"تو یہ ساری گیم قبضے کی ہے؟ ' 'میں نے پوچھا۔

"ابا ن ، آپ نے ابھی تک وہ لطف نہیں چکھا جو قبضہ کر لینے کے بعد کیمپس پر حاکمیت کرنے کا ہے اور پھر انہوں نے ہمارے ساتھ زیادتی بھی بہت کی ہے۔ ہمارے دو دوست قتل کیے ہیں، ان کا بدلہ بھی ہم نے لینا ہے"۔ یہ کہتے ہوئے وہ بہت حد تک جذباتی ہو گیا۔ تب میں نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

”کاشف بھائی ! مجھے نہ قبضے کی ضرورت ہے اور نہ میں کوئی حاکمیت چاہتا ہوں۔ یہ تو انہوں نے خود ہی “....میں نے کہنا چاہا مگر اس نے میری بات قطع کرتے ہوئے کہا۔

”میں سب جانتا ہوں۔ انہوں نے دوسرے کئی لوگوں کے ساتھ بھی زیادتی کی ہے لیکن وہ خاموش رہے، مزاحمت اگر کی ہے تو آپ نے ، لیکن اب آپ یہ بھی توقع نہ کریں کہ وہ خاموش ہو جائیں گے یا کچھ بھی نہ کریں گے، وہ اس وقت تک چین سے نہیں بیٹھیں گے، جب تک آپ ان کی خواہش کے مطابق روبوٹ کی طرح نہ چلنے لگیں، یہ میں آپ کو ڈرا نہیں رہا اور نہ ہی کوئی حوصلہ شکنی کر رہا ہوں۔ بلکہ آئندہ آنے والے دنوں میں ان کا ردِعمل واضح کررہا ہوں۔ ہم اگر مل جائیں تو ہم بھرپور انداز میں مزاحمت کر سکتے ہیں“۔

”میں پھر آپ سے کہوں گا، مجھے صرف یہاں دو سال گزارنے ہیں۔ فائنل امتحان دینا ہے اور چلے جانا ہے۔ اس کے علاوہ مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ ہاں اگر مل بیٹھنے کی بات ہے، تو مجھے کوئی اعتراض نہیں“ ۔ یہ کہتے ہوئے میں نے ماہم کی جانب دیکھا اور مسکراتے ہوئے بولا۔” ماہم جو چاہے ، اس نے اگر آپ سے ملوا دیا ہے تو آپ مجھے اپنادوست سمجھیں“۔ میں نے کہا ہی تھا کہ عدنان نے اپنا ہاتھ میری

جانب بڑھا دیا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کا تاثر تھا۔ میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے مضبوطی سے میرا ہاتھ پکڑ کر ہلایا اور بولا ۔

"ہماری دوستی سے مایوسی نہیں ہو گی"۔

"میں یہی امید کرتا ہوں"۔ میں نے کہا تو اس نے میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ کاشف اپنا ہاتھ بڑھا چکا تھا۔ میں نے اس سے ہاتھ ملایا۔ ایسے ہی دونوں نے اسد کے ساتھ کیا۔ انہی لمحات میں میری نگاہ ماہم کے چہرے پر پڑی، جہاں بھرپور خوشی چھلک رہی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ ان لوگوں سے ہاتھ ملا کر میں نے اچھا کیا ہے یا غلط، لیکن اتنا ضرور جانتا تھا کہ ماہم سے تعلق چند قدم آگے بڑھ گیا ہے۔ ماہم سے یہ تعلق بھی بڑا عجیب سا تھا۔ معلوم نہیں میں جو کچھ بھی اس کی قربت کے لیے کرتا جارہا تھا، وہ میرے لیے ٹھیک تھا یا میری تباہی تھی۔ میں اسے بہت وقت دینا چاہتا تھا۔ ان لمحات میں وہ مجھے صحرا میں بھاگتی ہوئی ہرنی دکھائی دی۔ جسے میں قابو کرنا چاہ رہا تھا۔ چاہے تو وہ مجھے سراب دکھا کر ان ٹیلوں میں پیاسا مار دے یا پھر کسی نخلستان تک لے جائے۔ میں اب اس کی راہ پر تھا۔ جہاں تک وہ جاتی، میں نے اس کے پیچھے جانا تھا۔ ماہم نے میری جانب دیکھا اور چند لمحے دیکھتے رہنے

کے بعد اس نے اپنا نچلا ہونٹ دانتوں سے ذرا سا کچلا اور پھر کاشف کی طرف دیکھ کر بولی۔

”کاشف !....میرا خیال ہے ابان کو بتا دینا چاہئے، کیمپس میں ہمارا کتنا اثر ور سوخ ہے“۔

”وقت کے ساتھ ساتھ انہیں خود معلوم ہو جائے گا۔ اب ان کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھے گا۔ باقی رہی اس اسد کی بات ....تو لنچ کے بعد یہ سیدھا اپنے ہاسٹل جائے گا اور کس کی ہمت نہیں ہو گی کہ اسے ہاتھ بھی لگا سکے“۔ کاشف نے کہا تو اتنے میں ویٹر مینو کارڈ لیے ہماری طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ تب ماہم نے کہا۔

”اوکے !....اب باتیں ختم ، کھانے پر توجہ دی جائے۔ یہ باتیں تو چلتی رہیں گی“۔ مختلف باتوں کے دوران لنچ ختم ہو گیا۔ کاشف مجھے بتاتا رہا کہ وہ کیمپس میں اب بھی اپنا کتنا اثرورسوخ رکھے ہوئے ہیں۔ مخالفین کے ایسے کون لوگ ہیں جو خطرناک ہیں۔ آئندہ ہمیں کس طرح رہنا ہو گا۔ ان کی سیاسی جماعت کی طرف سے کس حد تک انہیں آشیر واد حاصل ہے۔ اٹھنے سے پہلے کاشف نے کہا۔

”اسد !....آپ جاؤ، عدنان خود آپ کو ہاسٹل تک چھوڑ کے آئے گا“۔

”ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے کاشف بھائی !....میں خود چلا جاؤں گا، حالانکہ مجھے پتہ ہے وہ میرے منتظر ہیں۔ ان سے ڈرتا رہا تو پھر جی لیا میں نے “.... اسد نے کہا تو میرا دل خوش ہو گیا۔ اس نے مردوں والی بات کی تھی۔ میں نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔

”نہیں اسد، میں تمہارے ساتھ جاؤں گا، دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔ کتے بلے صرف بھونکتے ہیں، کاٹتے نہیں، اصل کردار تو ان لومڑیوں کا ہوتا ہے، جو کتوں کو بھونکنے پر مجبور کرتی ہیں۔ ہمارا ٹارگٹ یہ کتے نہیں، وہ لومڑیاں ہیں۔ چلو چلتے ہیں“۔ یہ کہتے ہوئے میں اٹھ گیا۔

”میں بھی تمہارے ساتھ جاؤں گی“۔ ماہم نے کہا اور اٹھ گئی۔ ہم پانچوں ریسٹوران سے باہر آ گئے۔

میں اسد کو لے کر نکلا تو ماہم اپنی گاڑی میں اور کاشف، عدنان کو لے کر اپنی گاڑی میں میرے پیچھے چل دیئے۔ کچھ دیر بعد ہم ہاسٹل پہنچ گئے۔ میں نے گاڑی روکی اور اِدھر اُدھر دیکھا۔ مجھے وہاں کوئی بھی مشکوک بندہ دکھائی نہیں دیا۔ وہ دو گاڑیاں ہاسٹل سے باہر ہی تھیں۔ میں اسد کے ساتھ ہاسٹل میں چلا گیا۔ اسد کا کمرہ گراؤنڈ فلور پر ہی تھا۔ میں اسے اپنے ساتھ لیے لاؤنج میں کھڑا رہا تاکہ معلوم ہو جائے

کہ اسد آگیا ہے۔ کافی دیر تک کوئی نہیں آیا۔ اس وقت میں کمرے کی طرف جانے کے لیے پلٹا ہی تھا کہ چند نوجوان مجھے دائیں جانب کے کاریڈور میں سے آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ وہ تیز تیز آرہے تھے۔ میں رک گیا۔ وہ ہمارے بالکل قریب آکر رک گئے۔ پھر ان میں سے ایک لمبے قد والے، سانولے سے لڑکے نے کہا۔

”آپ ابان علی ہیں، اور یہ اسد“۔

”ہاں، آپ کون ہو؟ “میں نے جواب دیتے ہوئے پوچھا۔

”مجھے کاشف بھائی نے ابھی فون پر بتایا ہے۔ آپ بے فکر ہو جائیں۔ ہم بھی منتظر تھے کہ کوئی معاملہ ہو تو ان لوگوں کو یہاں سے بھگائیں“۔ یہ کہتے ہوئے اس نے ہاتھ ملایا اور بولا ۔” مجھے میاں فیاض کہتے ہیں“۔

”ٹھیک ہے میں اب چلتا ہوں“۔ میں نے کہا اور پھر اسد کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”مجھے اطلاع کرتے رہنا، میں بھی رابطے میں رہوں گا“۔ یہ کہہ کر میں نے میاں فیاض کا ہاتھ چھوڑا اور ہاسٹل سے باہر نکل آیا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے میں نے پھر اِدھر اُدھر دیکھا، مجھے کچھ دکھائی نہیں دیا ۔ میں ہاسٹل کے مین گیٹ سے باہر آگیا۔ کچھ فاصلے پر مجھے ماہم کی گاڑی دکھائی دی، اس کے ساتھ ہی کاشف کی گاڑی

تھی۔ میں ان کے پاس نہیں رکا چلتا چلا گیا۔ میں نے بیک مرر میں دیکھا، وہ دونوں میرے پیچھے آرہے تھے۔ مین سڑک پر پہنچا تو ماہم کا فون آگیا۔

"اب کیا پروگرام ہے؟"

"جیسا تم کہو؟"میں نے خمار آلود آواز میں کہا۔

"اچھا، کچھ دیر بعد بتاتی ہوں"۔ اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ میں نے گاڑی بڑھا دی۔ میرا رخ سبزہ زار کی طرف تھا۔

مجھے سبزہ زار پہنچے ہوئے اتنا زیادہ وقت نہیں ہوا تھا۔ میرا ذہن پوری طرح اسد کی طرف تھا۔ وہ ہر دس پندرہ منٹ کے بعد مجھے اپنی خیریت کی اطلاع دے رہا تھا۔ میں اگرچہ مطمئن تھا لیکن میری تسلی نہیں ہو رہی تھی۔ یوں حبس تھا جیسے طوفان کے آنے سے پہلے خاموش حبس ہوتا ہے۔ بنیادی طور پر میری بے چینی کی یہی وجہ تھی۔ دوسری طرف لاشعوری طور پر میں ماہم کے فون کا منتظر تھا۔اس نے کچھ دیر بعد مجھے فون کرنے کے لیے کہا تھا، جو اس نے نہیں کیا تھا۔ میں ڈرائنگ روم میں صوفے پر اپنے پاؤں پھیلا کر بیٹھا ہوا تھا۔ یونہی بیٹھے بیٹھے دن غروب ہو گیا۔ اسد کی طرف سے خیریت کی اطلاع تھی جبکہ ماہم نے فون نہیں

کیا۔ میں اسے خود فون نہیں کرنا چاہتا تھا۔ میں اس کے بارے میں سوچتا رہا۔وہ پرت در پرت میرے سامنے کھل رہی تھی۔ کاشف اور عدنان سے ملانے کے لیے اس نے کتنا خوبصورت طریقہ اپنایا تھا، میں یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ مجھے اپنے طور پر لنچ پر بلا رہی ہے۔ ان سے ملاقات ہو جانے سے ایک لمحہ پیشتر بھی مجھے احساس نہیں ہونے دیا۔ اس واقعہ سے میں یہی اندازہ لگا سکتا تھا کہ ماہم جو بظاہر دکھائی دے رہی ہے ، وہ نہیں ہے، وہ بہت کچھ ہو سکتی ہے۔ کیمپس پر قابض تنظیم کے مخالفین سے اس کا رابطہ یونہی معمولی بات نہیں ہو سکتی تھی۔ میں اس کے خیالوں میں گم تھا کہ سلیم آگیا۔ وہ آتے ہی سلام کر کے سامنے والے صرف پر بیٹھ گیا۔ تب میں نے پوچھا۔

"سنا !....ؤ کہاں رہے سارا دن؟"

"بس سر !....اِدھر اُدھر گھومتا رہا"۔ آوارہ گردی ہوتی رہی ہے۔"اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"یار کوئی ہمیں بھی آوارہ گردی کروا دیا کرو اور ادھر گھر میں تو بور ہو جاتا ہوں۔"

میں نے یونہی مذاق میں کہا تو وہ چہکتے ہوئے بولا۔

”کیا بات کرتے ہیں سر جی، سارا دن تو آپ کا رنگینیوں میں گزر جاتا ہے۔ آپ کو کہاں بوریت ہوتی ہو گی“۔

”کیسی رنگینی یار ، کیا سوچ کر آیا تھا، آتے ہی پھڈوں میں پھنس کر رہ گیا ہوں۔ اس سے جان چھوٹے گی تو کوئی رنگینی دکھائی دے گی“۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اچھا ہے نا سر، ایسے پھڈے مردوں کے لیے ہی ہوتے ہیں۔ یہ تو کوئی مسئلہ نہیں ہے، مسئلہ تو یہ ہے کہ آپ خود ہی اگر رنگینی دیکھنا پسند نہیں کرتے وہ نظر کیسے آئے؟ “وہ اس بار قہقہہ لگاتے ہوئے بولا تھا۔

”یار، میں نے کون سا آنکھیں بند کی ہوئی ہوتی ہیں“۔ میں نے خوشگوار حیرت سے کہا۔

”بات دراصل یہ نہیں ہے، اصل میں برطانیہ کا ماحول اور یہاں کے ماحول میں آپ ابھی تک فرق محسوس نہیں کر رہے ہیں۔ اسی فرق کو جیسے ہی آپ نے محسوس کیا، آپ کو رنگینی دکھائی دینا شروع ہو جائے گی“۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا۔

”یہ عجیب منطق ہے، ایسا نہیں ہے، میں چاہے لاکھ برطانیہ میں رہا ہوں لیکن میرا اندر اب بھی وہی مشرقی ہے۔ شرماتی، لجاتی، نازونخرہ دکھاتی، دل میں کچھ اور زبان

پر کچھ اور ، اشاروں کنایوں سے سمجھاتی لڑکی میری آئیڈیل ہے، ایک ہی مرد پر اپنا سب کچھ وار دینے والی ایسی لڑکی میری کمزوری ہے“۔ میں نے اسے مسکراتے ہوئے بتایا۔

”تو سر جی، پھر ایسی لڑکی تو شاید ہی آپ کو ملے۔ اب وہ دور گزر گیا۔ مغربی ماحول کو اپناتے ہوئے نئی نسل اپنی اقدار بھی بھول گئی ہے۔ سو نہ وہ ادھر کے رہے ہیں اور نہ ادھر کے ....میں اکثر سوچا کرتا ہوں ہم خود پر جتنی بھی مغربیت طاری کرلیں، کیا ہم اندر سے مغربی ہو سکتے ہیں؟ کیا ہم میں سے مشرقیت نکل سکتی ہے۔ اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو کیوں خود کوچوں چوں کا مربہ بنا رہے ہیں“۔ وہ بڑی حد تک جذباتی ہو گیا تھا۔

”بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔ اصل میں یہ کیمسٹری وراثتی بھی ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ہر انسان کی اپنی ایک کیمسٹری ہے۔ وہ اس کے مطابق جذبات واحساسات رکھتا ہے، اس کے مطابق اپنا رویہ اور برتاؤ رکھتا ہے۔ ہر روح کی اپنی کیمسٹری ہے، رنگ ہے اور خوشبو “....میں یہ کہتے کہتے اچانک خاموش ہو گیا۔ میرے سامنے سلیم تھا نہ جانے وہ میری بات کو سمجھ بھی رہا تھا یا نہیں۔ پھر لمحہ بھر توقف کے بعد بولا۔” خیر !....ہم تو رنگینی کی بات کر رہے تھے“۔

"لیکن میں آپ کی اس کیمسٹری والی بات میں اٹک کر رہ گیا ہوں۔ اس کی ذرا تشریح کر دیں "....اس نے کہا تو میں چونک گیا۔ میں نے جو اس کے بارے میں انداز لگایا تھا وہ درست نہیں تھا۔ وہ مجھے اس معاملے میں بھی بہت سمجھ دار لگا تھا۔ سو میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

"چھوڑ، فی الحال تو رنگینی کی بات کرو، کیمسٹری پر کسی اور وقت میں بات کرلیں گے"....

"جیسے آپ کی مرضی اور باقی رہی رنگینی کی بات تو وہ آپ مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں۔ رنگوں میں بسے ہوئے بندے کو باہر بے رنگی ہی دکھائی دے گی نا "....یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گیا۔ پھر چند قدم کے بعد بولا۔" چائے پیئیں گے آپ؟"

" لے آؤ، دونوں مل کر پیتے ہیں، جندوڈا دو بار پوچھ گیا ہے، لیکن دل نہیں مانا"۔ میں نے اسے بتایا۔

"میں خود اپنے ہاتھوں بنا کر لاتا ہوں"۔ یہ کہہ کر وہ تیز قدموں سے اندر چلا گیا اور میں اس کی بات کو سوچنے لگا کہ وہ رنگوں اور بے رنگی کے بارے میں کیا بات کر گیا۔ ہے میں اسی خیال میں گم تھا کہ میرا سیل فون بج اٹھا۔ دوسری جانب ماہم تھی۔

"سوری ابان !....میں فوراً فون نہیں کر سکی۔ معاملات ہی کچھ ایسے آن پڑے تھے"۔

"کوئی بات نہیں، بندہ مصروف ہو ہی جاتا ہے، اس میں سوری والی کیا بات ہوئی"۔ میں نے کہا تو وہ تیزی سے بولی۔

"اونہیں، دراصل میں نے خود فون کرنے کے لیے کہا تھا، خیر !....کل کیمپس سے تو آف ہے نا، آپ کیا کر رہے ہیں کل"۔

"کچھ نہیں، سو کر ہی دن گزاروں گا"۔ میں نے یونہی عام سے انداز میں کہا۔

"نہیں آپ سوئیں نہیں کل، آپ کا دن میں ضائع کروں گی۔ آپ رات کو جی بھر کے سولیں"۔ اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"جیسے حکم "!.... میں نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"ٹھیک ہے، میں صبح بات کروں گی"۔ اس نے کہا اور پھر چند باتوں کے بعد فون بند کر دیا۔ میں پُرسکون ہو گیا اور اپنے بستر میں چلا گیا۔ اب مجھے صرف اسد کی فکر تھی۔ اس کی طرف سے بھی خیریت کے پیغام سیل فون پر آرہے تھے۔ وہ کیا کچھ کر رہا ہے، یہ بھی ساتھ ساتھ وہ مجھے مطلع کر رہا تھا۔ میں نے ڈنر لیا، جندوڈا

اور سلیم سے باتیں کیں ، کچھ دیر ٹی وی کے سامنے بیٹھا رہا اور پھر رات گئے سو گیا۔

صبح میری آنکھ فون کی بیل پر ہی کھلی۔ میں نے خمار بھری آنکھوں سے فون دیکھا تو ماہم کی کال تھی۔ میں نے کال ریسیو کر کے آنکھیں بند کر لیں۔

"مجھے اندازہ تھا کہ تم ابھی تک سو رہے ہو گے۔ اس لیے فون کیا ہے میں نے"۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"تمہارا انداز درست نکلا"۔ میں نے بھاری لہجے میں کہا تو وہ چند لمحے خاموش رہی، پھر جلدی سے بولی۔

"اچھا جلدی سے اٹھواور پھر تیزی سے تیار ہو جاؤ، ہمیں کہیں جانا ہے"۔

"کہاں جانا ہے، یہ تو میں نہیں پوچھوں گا، لیکن آپ کے حکم کے مطابق تیار ضرور ہو جاتا ہوں"۔ میں نے بھی خوشگوار انداز میں کہا۔

"چلیں، پھر دیر مت کریں، میں ہر دس منٹ بعد فون کر کے چیک کرتی رہوں گی"۔ یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ میں چند لمحے فون کو تکتا رہا، پھر اٹھ کر باتھ روم کی جانب بڑھ گیا۔

میرے ناشتہ ختم کر لینے تک اس نے کئی بار فون کرلیا۔ میں نے چائے کا آخری سپ حلق سے اتارا اور خود اسے فون کر کے بتا دیا کہ میں تیار ہوں، بتاؤ کہاں آنا ہے۔ اس نے شہر میں ایک جگہ بتائی جو سبزہ زار سے دس پندرہ منٹ کی ڈرائیو پر تھی۔ شاید اس نے مجھے اندر سے دیکھ لیا تھا، میرے رکتے ہی وہ باہر آگئی۔ اس کے ساتھ ہی اسد، رابعہ، تنویر کے علاوہ چند اور بھی کلاس فیلوز باہر آگئے۔ میں جلدی سے باہر آگیا۔ وہ سب خوب تیاری کر کے آئے ہوئے تھے۔ میں نے ان کی طرف دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

”خیریت تو ہے تم سب لوگ“....

”جناب جی کو تو جیسے معلوم ہی نہیں ہے“۔ رابعہ نے یوں کہا، جیسے وہ ناراض سی ہو۔ تبھی فوراً ماہم بولی۔

”نہیں رابعہ، انہیں قطعاً پتہ نہیں ہم نے کہاں جانا ہے، میں نے انہیں بتایا ہی نہیں ہے“۔

”کیوں؟ “اب اس نے ماہم کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

”ایسے ہی سرپرائز کے لیے، میں نے سوچا کہیں انکار کرنے کے لیے کوئی بہانہ ہی نہ بنا دے“۔ ماہم نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا تو میں نے کہا۔

"چلو اب تو بتادو"۔

"ہم سب ہمارے فارم ہاؤس پر جا رہے ہیں، پک نک کے لیے سارا دن وہیں گزاریں گے"۔ ماہم نے میری طرف دیکھ کر کہا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ رابعہ میرے ساتھ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ پچھلی نشست پر اسد اور تنویر آ گئے، باقی سب لڑکیاں اور لڑکے اپنی اپنی گاڑیوں میں تھے۔ فریحہ ہی صرف ماہم کے ساتھ بیٹھ گئی۔ ہم کل سترہ تھے، جن کا قافلہ چلا تو بس پھر چلتا چلا گیا۔ ہمارے درمیان خاموشی تھی ، جسے میں نے توڑا۔

"تم سب لوگ تو یوں خاموش ہو جیسے کسی خطرناک مہم پر جارہے ہو۔ کوئی بات وات کرو یار"۔

"بات کیا کریں، کوئی ہے بات ایسی"۔ رابعہ نے سلگتے ہوئے کہا۔

"کیوں کیا ہوا؟ "میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جس دن سے آئے ہیں،کوئی دن پُرسکون نہیں گزرا، روزانہ کوئی نہ کوئی مسئلہ، کیمپس نہ ہوا۔ ہم تو کسی میدانِ جنگ میں آگئے ہیں"۔ اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

”کہتی تو تم ٹھیک ہو، پہلے ہی دن سے ہمارے ساتھ ایسے ہی ہو رہا ہے“۔ تنویر گو پانگ نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا تو اسد بولا۔

”کوئی شک نہیں کہ رابعہ ٹھیک کہہ رہی ہے لیکن اب قسمت ہی میں ایسا ہے، اب بتاؤ، ہم چاروں میں سے کوئی یہ جنگی قسم کے حالات چاہتا ہے۔ میرے خیال میں کوئی بھی نہیں“۔

”چھوڑو یار، کیوں مایوسی کی باتیں کرتے ہو، ان حالات کا مقابلہ کرنا ہو گا، یہی حقیقت ہے“۔ میں نے انہیں حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

”وہ تو اب کرنا ہے ابان، لیکن ایسا بھی کیا، ہم یہاں پڑھنے آئے ہیں کوئی جنگ لڑنے نہیں“۔ رابعہ نے پھر اسی اکتائے ہوئے لہجے میں کہا تو میں ہنس دیا اور سکون سے بولا۔

”رابعہ ....کچھ دن کی بات ہے، سب ٹھیک ہو جائے گا، لیکن تم مجھے ایک بات بتاؤ اتنا اکتائی ہوئی کیوں ہو؟“

”تمہیں نہیں معلوم ابان، یہ ہاسٹل میں نا، مجھے بہت زیادہ لڑکیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ایسے ہی فضول قسم کی باتیں کرتی رہتی ہیں۔ ہاں زیادہ سینئرز ہوتی ہیں نا“۔ اس نے روہانسو ہوتے ہوئے وجہ بتاتی تو میں سمجھ گیا، وہ بہت حد تک دباؤ میں

آگئی ہوئی تھی۔ ایسے وقت میں اسے حوصلہ دینا بہت ضروری تھا، اس لیے میں نے چند لمحے سوچ کر کہا۔

”رابعہ !....یقین جانو، مجھے تمہاری بہت ساری باتوں سے حوصلہ ملا ہے، ایک وقت تھا کہ میں بالکل مایوس ہو گیا تھا۔ تمہارے چند فقروں نے سمجھو مجھے ایک ایک نئی زندگی دے دی تھی۔ اب تم ہو کہ خود مایوس ہو رہی ہو، جو ہونا ہے، وہ ہو کر ہی رہے گا، تم دل چھوٹا مت کرو، مسکراؤ، اسی طرح ہم نے ان حالات کا مقابلہ کرنا ہے؟“

”وہ تو ٹھیک ہے مگر “....رابعہ نے زخمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو اسد نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔

”یقین جانو رابعہ، اس طرح تمہارا چہرہ بالکل بھی اچھا نہیں لگ رہا ہے۔ ذرا فریش فریش ہو جاؤ، تو اس گاڑی میں بھی بہار آجائے۔ صرف ایک قہقہہ اور ماحول کو زندگی مل جائے گی“۔

وہ کچھ اس انداز سے بولا کہ رابعہ نے ایک ترچھی نگاہ اس پر ڈالی اور اپنے قہقہہ کو ضبط کرتے ہوئے بولی۔” تم بھی نا“۔

”چلو اب “.... اسد نے کہا تو وہ دھیما سا ہنس دی۔”یہ ہوئی نا بات“۔

"اچھا مجھے یہ بتاؤ، یہ ماہم نے اچانک کیسے پروگرام بنا لیا، کانوں کان خبر بھی نہ ہونے دی"۔ میں نے ماحول کو بدلنے کے لیے موضوع ہی بدل دیا۔ اس وقت ہم شہر سے باہر آگئے تھے اور ہمارے دونوں طرف فصلیں لہلہارہی تھیں۔

"یقین جانیں ابان، مجھے بالکل بھی معلوم نہیں تھا۔ اس نے صبح فون کر کے مجھے کہا۔" رابعہ نے وضاحت کی۔ پھر کافی حد تک چھیڑنے والے انداز میں کہا۔" آپ خود ہی پوچھ لینا، وہ ہم سب سے زیادہ آپ کے قریب ہے"۔

"زہے نصیب، یہ کبھی سچ ہو جائے"۔ میں نے تیزی سے کہا تو سبھی ہنس دیئے۔ پھر سارا راستہ ایسی ہی باتوں میں کٹ گیا۔

ماہم کے فارم ہاؤس تک پہنچے تو دوپہر ہو جانے والی تھی۔ چمکتی ہوئی دھوپ میں کئی ایکڑ پر پھیلا ہوا فارم ہاؤس بالکل منفرد لگ رہا تھا۔ اردگرد لہلہاتی فصلوں کے سرے پر سفید عمارت اور پھر کے ساتھ پارک کی طرز پر پھیلے ہوئے لان بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ انہیں دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ یہاں خوب محنت کی گئی ہے اور یہ فارم ہاؤس کسی نے دل سے بنایا ہے۔ پختہ فرش پر گاڑیاں روک دی گئیں، جس کے ساتھ ہی سبز لان میں سفید رنگ کی کرسیاں بچھی ہوئیں تھیں اور وہاں پر فارم ہاؤس کے ملازمین کھڑے تھے۔ ہم سبھی وہیں جا بیٹھے تو ملازمین

نے فوراً ہی ہمارے سامنے مختلف برانڈ کا سوڈا رکھ دیا۔ماہم مجھ سے ذرا فاصلے پر بیٹھی ہوئی تھی اور باتوں میں مصروف تھی۔ میں نے دائیں طرف بنی عمارت کو دیکھا اور پھر اردگرد کے ماحول کا جائزہ لیا۔ تبھی اچانک میرے ذہن میں ایک خیال بجلی کے کوندے کی طرح چمکا۔ یہ فارم ہاؤس کہیں اس جگہ تو نہیں بنا ہے جو میرے پاپا کے گاؤں کے قریب زمینیں تھیں۔ میرے دل میں شدید خواہش ابھری کہ انکل زریاب سے اس بارے میں معلومات لوں۔ مگر وہ موقعہ ایسا نہیں تھا کہ میں ان سے پوچھا سکتا۔ میں نے اپنی اس خواہش پر بڑی مشکل سے قابو پایا۔ میں نے سوچ لیا کہ جاتے ہی یہ ساری معلومات لوں گا۔ وہ کچھ ایسے لمحات تھے، جب میرے دل میں رک ہوک سی اٹھی اور میں ایک طویل سانس لے کر رہ گیا۔ کچھ لمحے یونہی گزر گئے۔ تبھی ماہم نے سب کو متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

”ہیلو فرینڈز !....آج کے دن میں یہ جو تھوڑا سا وقت ہم ساتھ گزاریں گے، یہ بہت پُرلطف ہونا چاہیئے، کھانا ہم اکٹھے کھائیں گے، چاہیں تو یہیں اکٹھے رہیں اور جو گھومنا پھرنا چاہتے ہیں وہ اپنے طور پر انجوائے کر سکتے ہیں۔ شام چار بجے یہاں سے واپسی ہو گی، تب تک ہم یہاں اکٹھے ہو جائیں گے۔ ڈن “....یہ کہتے ہوئے اس نے سب کی طرف دیکھا۔

سبھی متفق دکھائی دیئے۔ فارم ہاؤس دیکھنے کا تجسس تو سب کو تھا۔ وہ سب دھیرے دھیرے اٹھنے لگے۔ یہاں تک کہ میں اور ماہم وہیں رہ گئے۔ اس نے میری جانب دیکھا اور بڑے خمار آلود سے لہجے میں بولی۔

”ہم بھی چلیں “....تب میں نے اس کی طرف بہت غور سے دیکھا۔ وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔

”کہاں....؟ “میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی، پھر بولی۔

”آؤ، اندر چلیں، میں نے آپ سے کچھ باتیں بھی کرنا ہیں“۔

”چلو “....میں نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ بھی فوراً اٹھ گئی۔ سفید عمارت کی طرف بڑھتے ہوئے اس نے بڑے عجیب سے لہجے میں کہا۔

”ابان !....یہ فارم ہاؤس میرے پاپا نے بہت شوق سے بنوایا ہے۔ وہ یہاں اکثر آتے رہتے ہیں اور پتہ ہے میں آج یہاں کیوں آئی ہوں....؟“

”مجھے کیا پتہ تمہارے دل میں کیا ہے“۔ میں نے یونہی کہہ دیا۔ بلاشبہ یہ فقرہ میرے لبوں سے یونہی پھسل گیا تھا۔ شاید کچھ دیر پہلے آنے والے خیال کا میرے ذہن پر اثر تھا۔ اسی وجہ سے ایسا ہو گیا تھا۔

”میرے دل میں....ہاں میرے دل میں کیا ہے، میں بہت کچھ کہنا چاہتی ہوں ابان لیکن ....شاید ابھی وقت نہیں۔ میں یہ بات کیسے کہوں، سمجھ میں نہیں آرہی“۔ وہ اپنا اظہار کرتے کرتے ایک دم سے گڑبڑا سی گئی تھی۔ پھر چند سیڑھیاں پار کرنے کے بعد وہ بولی۔” ہو جائیں گی یہ بھی باتیں “....یہ کہتے ہوئے وہ ایک دم سے شوخ ہو گئی۔ میں اس کی پل پل بدلتی کیفیات کو دیکھ رہا تھا۔ ہم عمارت کے اندر چلے گئے۔ مختلف کمروں میں گھومتے، ان پر تبصرہ کرتے، میں کافی حد تک نارمل ہو چکا تھا۔ کچھ دیر پہلے جو کیفیت مجھ پر طاری ہو گئی تھی، وہ ختم ہو کر رہ گئی تھی۔ عمارت کی دوسری طرف ایک چھوٹی سی جھیل بنائی ہوئی تھی، جس کے درمیان سے ایک پختہ راستہ جارہا تھا اور عین جھیل کے وسط میں گول جگہ پر ختم ہو جاتا تھا۔ وہاں فائبر کی چھتری لگی ہوئی تھی۔ دائرہ میں لوہے کا جنگلا اورفائبر کی نشستیں بنی ہوئی تھیں۔ ماہم مجھے لے کر ایک جانب بڑھ گئی۔ ہم جھیل کے وسط میں ان فائبر کی نشستوں پر آن بیٹھے۔ وہاں سے اردگرد کا ماحول بڑا پُر کشش دکھائی دے رہا تھا۔ جھیل کا پانی اور کناروں پر اُگے ہوئے پودوں کے درمیان ان گنت کھلے ہوئے رنگین پھول۔ پس منظر میں سفید عمارت اور دوسری طرف سرسبز لہلہاتی ہوئی فصلیں، بڑے دلکش نظاروں میں گھرے ہم دونوں آمنے سامنے بیٹھے

ہوئے تھے۔ میں نے ماہم کی طرف دیکھا وہ میری جانب دیکھ رہی تھی۔ تب میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”کیا دیکھ رہی ہو؟“

”یہی کہ تم اتنے اچھے کیوں لگ رہے ہو“۔یہ کہتے ہوئے وہ ایک دم سے کھلکھلا کر ہنس دی۔ جبکہ میں تذبذب میں پڑ گیا۔ کیا یہ اس کے دل کی آواز تھی یا کہ اس نے مزاح میں ایسا کہا تھا؟ میں نے ایک لمحے کو سوچا اور پھر مذاق ہی میں بولا۔

”میں اچھا ہوں ....اس لیے اچھا لگ رہا ہوں“۔

”یہ تو ہے “....اس نے فوراً اعتراف کر لیا، پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔” کل میں بہت ساری باتیں کہتے کہتے رک گئی جب تم نے سیڑھیاں اترتے ہوئے مجھ سے سچ پوچھا تھا۔ کل میں نے کاشف وغیرہ سے تمہیں ملوانا تھا، اس لیے وہ ماحول نہیں بنا ....کل شام میں نے فیصلہ کیا کہ یہاں بیٹھ کر تم سے باتیں کروں گی“۔

”ہوں ....اتنی اہم باتیں ہیں؟ “میں نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا ۔ تو وہ چند لمحے میری طرف دیکھتی رہی پھر جذباتی لہجے میں بولی۔

”ہاں ابان !....تم مجھے بہت اچھے لگنے لگے ہو“۔

"واہ !.... میری قسمت، تم جیسی حسین اور طرح دار لڑکی مجھے پسند کرنے لگے"۔ میں نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"میں کیا ہوں .... اسے چھوڑو، لیکن حقیقت یہ ہے کہ تم پہلی نگاہ ہی میں مجھے بہت اچھے لگے تھے، آئیڈیل کے قریب تر ہو، میں چاہے جتنا مغربی انداز پوز کروں، لیکن ہوں تو ایک مشرقی لڑکی، مجھے یہ اظہار نہیں کرنا چاہئے تھا، لیکن اس لیے کر دیا کہ میں اپنی چاہت کو بہت خاص رکھنا چاہتی ہوں۔ اتنا خاص، اتنا منفرد کہ وہ صرف میرے لیے ہو"....وہ بڑے جذباتی انداز میں کہتے ہوئے کھو گئی تھی۔ میں نے اس کی طرف غور سے دیکھا۔

"مطلب تم جملہ حقوق اپنے نام کر رہی ہو"۔ میں نے مسکراتے ہوئے مزاحیہ انداز میں کہا تو وہ تڑپ کر بولی۔

"ابان، اسے مذاق مت سمجھ، میں سیریس ہوں"۔

"اگر تم سیریس ہو، تو مجھے بھی اپنے ساتھ پاؤ گی، یقین جانو، تمہارے جیسی اچھی اور خوبصورت لڑکی کا ساتھ ہو۔اس سے بڑھ کر میری خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے"۔میں نے بھی انتہائی سنجیدگی سے کہا تو اس نے بڑے ناز سے میرا ہاتھ تھام لیا اور لرزتے ہوئے لہجے میں بولی۔

”ابان !....زندگی نے مجھے سب کچھ دیا ہے اور وہ کچھ جو میں نے چاہا۔ نہ جانے کیوں تم مجھے اتنے اچھے لگنے لگے ہو۔ میں نے ہمیشہ من مانی کی ہے، لیکن تمہارے معاملے میں میرے دل نے میری ایک نہیں سنی۔ جو میرے خیالوں میں بسا ہوا تھا، تم ویسے ہی لگتے ہو، میں بس اتنا چاہتی ہوں کہ تم مجھے کبھی ہرٹ مت کرنا، جہاں تک جملہ حقوق کی بات ہے، میں اس نہیں گھبرانے والی، مجھے اپنی محبت پر یقین ہے، تمہاری جتنی بھی چاہنے والیاں ہوں گی میری محبت تمہیں میرے پاس لے آئے گی۔ میں بس یہ چاہتی ہوں کہ “.... وہ کہتے کہتے رک گئی۔

”بولو، کیا چاہتی ہو؟ “میں جلدی سے پوچھا تو اس نے میرے ہاتھ پر اپنی گرفت مضبوط کرتے ہوئے کہا۔

”یہ تعلق جس قدر دنیا کی نگاہوں میں نہیں ہو گا، ہم اتنا ہی پُر سکون رہیں گے۔یہ تعلق اگر لوگوں کی زبان پر آگیا تو سمجھو ہمارے لیے مصیبتیں کھڑی ہو جائیں گی۔ دو سال بعد، جب ہم کیمپس سے جائیں گے تب دیکھا جائے گا کہ ہم نے کیا فیصلہ کرنا ہے میں تم پر کبھی بھی بوجھ نہیں بنوں گی، لیکن یہ دو سال میں تمہارے ساتھ پُر سکون گزار دینا چاہتی ہوں“۔

اس نے کچھ اس انداز سے کہا کہ میں حیران رہ گیا۔ وہ باتیں جو میں نے اس سے کہنا تھیں، یہ باتیں وہ کر رہی تھی اور اتنی جلدی وہ اپنا آپ میرے سامنے کھول کر رکھ دے گی؟ میں حیران اور متذبذب ہو گیا۔ شاید آسانی سے ہاتھ آ جانے والی چیز کے بارے میں ایسی ہی کیفیت ہو جاتی ہے، لیکن کیا وہ واقعتاً میرے ہاتھ آگئی ہے؟ یہی سوال میرے دماغ میں ٹھوکریں مارنے لگا۔ نہ جانے کیوں میرے دماغ میں یہ سوال اٹھنے لگا کہ چند روزہ تعلق اتنا گہرا نہیں ہوا کرتا، جس قدر ماہم ظاہر کر رہی ہے، پہلی نگاہ کی محبت کا میں قائل تھا یا نہیں، اگر ہو بھی تو کیا کوئی جذباتی پن میں اس قدر آگے بڑھ جاتا ہے کہ بات فیصلہ کرنے یا نہ کرنے تک آ پہنچی ہے۔ میں انہی خیالات میں کھویا ہوا تھا کہ ماہم نے میرے ہاتھ کو دباتے ہوئے کہا۔ ”کیا سوچنے لگے ابان؟“

”کچھ نہیں“۔ میں نے چونکتے ہوئے کہا پھر مسکراتے ہوئے بولا۔ ”کتنا رومانوی خیال ہے ماہم، دنیا کی نگاہوں میں ہم صرف کلاس فیلو کی حد تک ہوں اور ایک دوسرے کے اتنے قریب ہو جائیں کہ “.... میں نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”بس، میں اب اپنی محبت کو آزماؤں گی“۔ اس نے گہری نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، ہماری محبت بالکل منفرد انداز میں پروان چڑھے گی"۔ میں نے کہا تو وہ قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

پھر بولی۔" ابان !....تم بھی کیا سوچو گے، میں اتنی جلدی اپنا دل کھول کر تمہارے سامنے رکھ دیا"۔

"اچھا کیا نا، کوئی دوسرا اس دل پر قابض ہو جاتا"۔ میں نے کہا۔

"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گی"۔ اس نے تیزی سے کہا اور میرا ہاتھ چھوڑ دیا۔ انہی لمحات میں مجھے خیال آیا تو میں نے اسی کے تحت کہا۔

"ماہم ، تم بہت خوبصورت ہو، اس میں کوئی شک نہیں، لیکن ایک شے تمہارے چاند سے حسن میں داغ کی مانند لگتی ہے"۔

"وہ کیا؟ "وہ بے ساختہ بولی۔

"یہی تمہاری زلفیں، انہیں تراشانہ کرو، مجھے لانبے بالوں والی لڑکی اچھی لگتی ہے"۔ میں نے اس کی طرف محبت پاش نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، اب میں بال بڑھا لوں گی"۔ اس نے کہا اور میری طرف حیا بار آنکھوں سے دیکھا، انہی لمحات میں اس کا سیل فون بج اٹھا، اس نے دیکھا اور بولی۔" لو، کھانا لگ گیا، آئیں"۔

ہم دونوں سفید عمارت کی جانب بڑھ گئے۔ اس دوران وہ فون کر کے سب کو مطلع کرتی رہی۔ جبکہ میں اس کی باتوں میں کھویا ان کے معنی تلاش کرتا رہا۔

فارم ہاؤس کے ملازمین نے کھانے پر خاصا اہتمام کیا ہوا تھا۔ سب نے خوشگوار ماحول میں کھانا کھایا۔ پھر وہیں ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر باتیں کرتے رہے۔ یہاں تک کہ سہ پہر ہو گئی۔ سبھی واپس پلٹنے کے لیے پر تولنے لگے۔ واپسی پر گاڑی میں میرے ساتھ تنویر گوپانگ تھا۔ اسد اور رابعہ ایک دوسری گاڑی میں تھے۔ میں نے بیٹھتے ہی گاڑی سٹارٹ کی اور چل دیا۔

"وہ دونوں ادھر کیوں بیٹھ گئے ہیں"۔ میں نے یونہی سرسری انداز میں پوچھا تھا، جس پر تنویر نے میری طرف دیکھا اور لبوں پر خاص طرح کی مسکراہٹ لاتے ہوئے بولا۔

"یار اگر وہ دونوں خوشگوار ماحول چاہتے ہیں تو ہمیں ان کا خیال رکھنا چاہئے"۔

"مطلب....؟ "میں نے معنی خیز انداز میں پوچھا تو قہقہہ لگا کہ ہنس دیا۔ پھر بولا۔

"اگلی بار جب ہم یہاں پر آئے نا تو میری اپنی گاڑی ہو گی اور میں بھی کسی کو اپنے ساتھ نہیں بٹھاؤں گا، سوائے ایک خصوصی مہمان کے ، ماہم نے بڑ ا اچھا موقعہ دیا ہے۔" تنویر نے بڑی گھما پھرا کر بات کی تو میں سمجھ گیا، رابعہ اور اسد میں کوئی

نرم جذبہ پروان چڑھ گیا ہے۔ ہم دونوں آج کی اس پکنک کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے جارہے تھے۔ میری گاڑی آگے تھی اور باقی پیچھے ، اتنی زیادہ رفتار بھی نہیں تھی۔ ہم ایک قافلہ کی صورت بڑے آرام سے جارہے تھے ۔ ایک جگہ پر موڑ تھا، جیسے ہی ہم وہاں پہنچے، میں نے گاڑی موڑی تو سامنے سڑک کے دائیں بائیں جانب دو گاڑیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ ایک لینڈ کروزر تھی اور دوسری ہنڈا اکارڈ ، چشم زدن میں ان گاڑیوں کے دروازے کھلے، ان میں سے دو گنوں کی نالیں بر آمد ہوئیں اور فائر ہو گیا۔ ان کا نشانہ سیدھ میں نہیں تھا، بلکہ گاڑی کے ٹائر تھے، ایک کے بعد ایک دھماکا ہوا۔ میں فقط اتنا ہی دیکھ سکا کہ وہ گاڑیاں چل دی تھیں۔ میرے ہاتھوں میں اسٹیئرنگ بے قابو ہو گیا اور گاڑی ایک درخت سے جا ٹکرائی۔ پھر اس کے بعد اندھیرا چھا گیا۔ میں ہوش وحواس سے بے گانہ ہو گیا۔

زندگی کس قدر پائیدار ہے یا نا پائیدار، یہ بحث اپنی جگہ، لیکن موت کو انتہائی قریب سے دیکھنے کے بعد زندگی کی طرف پلٹ آنا، یہاں تک کہ موت کے لمس کو بھی محسوس کیا جا سکے، بحث اس بعد کی کیفیت سے ہے۔ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے کا حوصلہ بہت کم لوگوں میں ہوتا ہے۔ جو با حوصلہ لوگ موت سے

آنکھیں چار کر لیتے ہیں، ان کے لیے خوف کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ وہ لوگ جو موت کے لمس کو محسوس کر لیتے ہیں، وہ یا تو بے خوف ہو جاتے ہیں یا پھر انتہائی بزدل، میں کس کیفیت میں تھا، یہ احساس مجھے اس وقت ہوا، جب میں ہوش میں آیا تو پہلا خیال یہی آیا کہ میں زندہ ہوں۔ ابھی موت مجھے چھو نہیں سکی ہے۔ آنکھوں کی دھند لائٹ ختم ہوئی تو مجھ پر کئی چہرے جھلے تھے۔ واضح کوئی بھی نہیں تھا۔ مجھے لگا جیسے میری بنیائی نہیں رہی۔ وہ دھندلی ہو گئی ہے جیسے آئینے پر کہر چھا جائے۔ میں نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔ تبھی مجھے دھیرے سے آواز آئی۔

”ابان !....میں ہوں اسد، آنکھیں کھو لو پلیز“۔

میں نے کوشش کر کے دوبارہ دیکھا تو کافی حد تک واضح ہو گیا۔ اسد کا کہر آلود سا چہرہ مجھے دکھائی دیا۔

”کہاں ہوں میں؟ “میں نے پوری قوت لگا کر پوچھا مگر آواز بہت دھیمی سی نکلی۔

”تم ہسپتال میں ہو“۔ اللہ نے بڑا اکرم کیا ہے کہ تم بچ گئے ہو۔“ اسد نے بتایا تو مجھے تنویر کا خیال آیا۔

”وہ تنویر کہاں ہے؟ “ میں نے پوچھا۔

"وہ بھی بچ گیا ہے، لیکن وہ بہت زخمی ہے، بہر حال ٹھیک ہے وہ اس کی نسبت تمہیں تو کچھ بھی نہیں ہوا"۔ وہ بولا۔

"آپ اب انہیں تنہا چھوڑ دیں اور ہمیں اپنا کام کرنے دیں پلیز"۔ ایک ڈاکٹر نے کہا تو اسد ہٹ گیا۔ ڈاکٹر مختلف آلات سے مجھے دیکھنے لگا۔ تب لاشعوری طور پر میں نے ڈاکٹر سے انگریزی میں پوچھا۔

"ڈاکٹر !....مجھے میرے بارے میں ٹھیک بتا دیں۔ میں اپنے آپ کو سنبھالنے کا بھرپور حوصلہ رکھتا ہوں"۔

"تمہاری صرف بازو کی ہڈی ٹوٹی ہے اور زخم بہت زیادہ آئے ہیں۔ ممکن ہے بعد میں کچھ اور بھی سامنے آجائے، فی الحال تم خطرے سے باہر ہو۔ ہاں مگر چند دن ہمارے مہمان ضرور رہو گے"۔ اس نے اچھے انداز میں مجھے بتایا۔

"اور میرا دوست "....میں نے پوچھا۔

"ایک بازو اور ٹانگ دونوں فریکچر ہیں، مزید دیکھ رہے ہیں، اسے بھی بہر حال اتنا مسئلہ نہیں ہے۔ میں انجکشن دے رہا ہوں۔ اس سے آپ کو نیند آجائے گی، سکون کیجئے گا۔ بعد میں بہت ساری باتیں کریں گے"۔ ڈاکٹر نے نرم سے لہجے میں کہ اور انجکشن دے دیا۔ کچھ ہی دیر بعد میں ہوش سے بے گانہ ہو گیا۔

ہوا دراصل یہ تھا کہ جیسے ہی گاڑی بے قابو ہوئی وہ درخت سے جا ٹکرائی، اسی طرف تنویر بیٹھا ہوا تھا، اس لیے زیادہ چوٹیں اسے آئیں۔ چونکہ رفتار زیادہ نہیں تھی اور موڑ ہونے کی وجہ سے مزید کم ہو گئی تھی ، اس لیے بچت ہو گئی۔ فائرنگ کرنے والے کون تھے ، ان کا پتہ نہیں چل سکا تھا۔ اگلی صبح جب مجھے ہوش آیا تو اسد ایک طرف لیٹا ہوا تھا اور رابعہ میرے سرہانے بیٹھی کوئی میگزین دیکھ رہی تھی، میں چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اسے متوجہ کیا۔ اس نے فوراً ہی رسالہ ایک طرف پھنکا اور مجھ پر جھک گئی۔ وہ میرے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے پیار سے بولی۔

”کیسے ہو ابان....؟“

”میں ٹھیک ہوں، مجھے پانی دے دو“۔ میں نے کہا تو وہ فوراً ہی میرے لیے پانی لے آئی۔ میرے ایک ہاتھ پر کہنی تک پلاسٹر تھا اور دوسرے میں سوئیاں لگی ہوئیں تھیں۔ رابعہ ہی نے مجھے پانی پلایا۔ پھر اسی نے مجھے وقت بتا کر ساری صورتِ حال سے آگاہ کیا۔

”رات گئے سب لوگ یہاں تھے۔ تمہارے جاگنے کا انتظار کرتے رہے“۔

”ماہم کے والدین کو معلوم ہو گیا“۔ میں نے فکر مندی سے پوچھا۔

”نہیں، اس نے بتایا ہی نہیں، ہم سب آپ دونوں کو سیدھا یہاں لے آئے تھے۔ فائرنگ وغیرہ کا بتاتے تو پولیس کیس بن جانا تھا۔ یہ سب ماہم نے ہی کیا ہے.... مزید اس سے پوچھ لینا“۔

”اوکے “!....میں نے سکون کا سانس لیا۔ اگر انہیں معلوم ہو جاتا تو میرے بارے میں ضرور تحقیق ہو جانی تھی اور پھر سارا پول کھل جاتا۔ میں خاموش ہو کر لیٹ گیا۔ رابعہ نے ایک دوبار کھانے پینے کے بارے میں پوچھا مگر میرا دل نہیں چاہ رہا تھا۔ میں نے انکار کر دیا۔ مجھے یوں لگا جیسے نیند آرہی ہے، ہلکے سے جھپکے کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ پھر نیند نہیں آئی۔ میں یونہی پڑا رہا۔ اس وقت سورج نہیں نکلا تھا۔ میرے سامنے کی کھڑکی میں سے آسمان پر ہلکی سی شفق کا احساس ہو رہا تھا۔ رابعہ میگزین میں کھوئی ہوئی تھی۔ تبھی دروازہ ہلکے سے بجا۔

”اس وقت کون ہے“، رابعہ نے کہا اور اٹھنے لگی، مگر اس سے کہیں پہلے اسد کسی چیتے کی مانند اچھل کر کھڑا ہو گیا اور دروازے کے قریب جا کر بولا۔

”کون ہے؟“

”میں ہوں کاشف، دروازہ کھولو“۔ دوسری طرف سے کہا گیا، تب اس نے میری جانب دیکھا، میں نے آنکھ کے اشارے سے دروازہ کھولنے کے لیے کہہ دیا۔ اسد

بڑھا اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ کاشف اندر داخل ہوا اور بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں میرے قریب آیا اور پھرہاتھ ملائے بغیر بیٹھ گیا۔ وہ میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کی خاموشی بڑی عجیب سی تھی۔ مجھے یوں لگا جیسے وہ کچھ کہنا چاہتا ہو، مگر کچھ کہہ نہیں پار ہا ہو یا پھر وہ بات کی شروعات کے لیے کوئی سرا تلاش کر رہا ہو۔

وہ چند لمحے میری طرف دیکھتا رہا، پھر لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ لا کر بولا۔

"ابان !....میں سوچ رہا ہوں کہ تمہارے زخمی ہونے پر افسوس کرو یا تمہارا بدلہ لے لینے پر خوشی کا اظہار کروں"۔ اس کا لہجہ بڑا سرد تھا، میں بُری طرح چونک گیا۔ یہی حالت رابعہ اور اسد کی بھی تھی۔

"میں سمجھ نہیں، تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟ "میں نے واقعتا نہ سمجھتے ہوتے کہا۔

"ابھی سمجھاتا ہوں "....یہ کہہ کر اس نے اپنی جیکٹ کی جیب سے سیل فون نکالا اور پھر ایک ویڈیو کلپ نکال کر میری طرف بڑھا دیا۔" دیکھو اسے"....

میں نے سیل فون پکڑا اور ویڈیو کلپ چلا دیا۔ وہ کلپ ایک منٹ اور چند سیکنڈ کا تھا۔ اس میں دونوجوان تھے، جنہیں باندھ کرفرش پر بٹھایا ہوا تھا۔ ان کے چہروں پر وحشت تھی اور وہ بری طرح گھبرائے ہوئے تھے۔

”یہ کون ہیں؟ “میں نے سیل فون اسے واپس دیتے ہوئے کہا۔ تو وہ سرد سے لہجے میں بولا۔

”کرائے کے قاتل ....ان کا تعلق کیمپس سے نہیں ۔ بلکہ کیمپس پر قابض تنظیم سے ہے۔ یہ وہی لڑکے ہیں جنہوں نے تم پر فائرنگ کی ہے۔ میں چاہتا تو انہیں مار کر تمہارے پاس آتا، لیکن یہ ابھی تک ڈیرے پر ہیں اور اس وقت تک رہیں گے جب تک تم ان کے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کر دو۔“

”مطلب یہ تمہارے قبضے میں ہیں“۔ میں نے تیزی سے پوچھا۔

”ہاں اور اس وقت تک رہیں گے ، جب تک تم ٹھیک ہو کر انہیں خود اپنے ہاتھوں سے گولی نہیں مارو گے“۔ وہ پھر عجیب سے انداز میں بولا تو میرے بدن میں سنسنی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ نہ جانے کیوں میرے اندر سے ایک الجھن امنڈ آئی تھی، جس کا اس وقت کوئی جواز نہیں تھا۔ مجھے تو خوشی ہونی چاہئے تھی کہ پورا دن بھی نہیں گزرا تھا کہ اس نے بندے پکڑ لیے اور اپنے قبضے میں بھی لے لیے۔

”کاشف تم ان تک کیسے پہنچے ہو؟ ‘اسد نے پوچھا تو میری توجہ ان کی جانب ہو گئی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

"حادثہ ہوتے ہی ماہم نے مجھے فون کر دیا۔ میں ان کے طریقہ واردات ہی سے سمجھ گیا کہ یہ کون لوگ ہو سکتے ہیں، بس پھر میں پہنچ گیا ان لوگوں تک "....اس نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"اتنی جلدی "....میں نے پوچھا۔

"یہ علاقہ کوئی اتنا بڑا نہیں ہے۔ سب لوگوں کو ایک دوسرے کے بارے میں معلوم ہے، کون کیا کر رہا ہے۔ بس جو چھا گیا، وہی کامیاب ہے اور ہاں !....ایک بات اور ابان شاید تمہیں یقین نہ آرہا ہو۔ یا پھر تم مجھ پر شک بھی کر سکتے ہو کہ میں نے کوئی ڈرامہ کیا ہے۔ ممکن ہے بہت سارے سوال ذہن میں آتے ہیں۔ میں کبھی نہیں کہوں گا کہ تم مجھ پر سو فیصد یقین رکھو، مگر مجھے تمہاری ضرورت ہے اور میں ہر حال میں تمہاری حفاظت کروں گا۔ یہاں پر بھی میرے لوگ موجود ہیں۔ تمہاری ضرورت کیسے ہے، یہ باتیں بعد میں ہوتی رہیں گی، فی الحال تم صرف اپنے تندرست ہو جانے پر توجہ دو ....میں روزانہ آتا رہوں گا"۔ یہ کہہ کر وہ اٹھا اور ہاتھ ملائے بغیر واپس چلا گیا۔ چند لمحوں تک ہم تینوں اس کی پُراسرار آمد پر اپنے اپنے طور پر خاموش رہے، پھر اسد بولا۔

"اگر کاشف نے سچ کہا ہے تو یہ بڑا خطرناک آدمی ہے"۔

"وہ خطرناک ہے یا بہت بڑا ڈرمہ باز ....چند دن میں خود ہی کھل جائے گا۔ ایسے لوگوں کے لیے فقط وقت در کار ہوتا ہے"۔ میں نے کہا اور سوچ میں پڑ گیا، اسے میری کیا ضرورت آن پڑی ہے۔ میں نے چند لمحے تو اس پر سوچا پھر سر جھٹک دیا۔ میں قبل از سوچ کر فضول وقت کیوں ضائع کروں۔

"پھر بھی ابان کہیں یہ ہمیں "....اس نے کہنا چاہا لیکن میں نے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"چھوڑو، کوئی اور بات کرو"۔ میں نے کہا تو رابعہ ایک دم سے بولی۔

"سنو ، میں تمہیں لطیفے سناتی ہوں۔ میں نے ابھی اس میگزین میں پڑھے ہیں"۔ یہ کہہ کروہ میگزین کے صفحے الٹنے لگی۔ میں حیران ہو گیا کہ وہ کس حد تک ماحول کو سمجھنے والی لڑکی ہے۔

اس وقت ڈاکٹرز راونڈ لگا کر جا چکے تھے جب سلیم میرے پاس پہنچا، وہ مجھ سے سخت ناراض تھا اس نے چند لمحے میری جانب دیکھا اور بولا۔

"سر جی، اگر آپ کو کچھ ہو جاتا تو میں خود کو کبھی معاف نہ کرتا۔ بھلا یہ بھی کوئی بات ہے، آپ نے مجھے اپنے بارے میں بتایا ہی نہیں۔ شام ہوتے ہی میں آپ کو کال کر رہا ہوں، ساری رات گزر گئی۔ آپ کا فون بند جارہا ہے۔ آدھی رات سے میں آپ کو تلاش کر رہا ہوں"۔ اس نے ناراضی بھرے لہجے میں خفگی سے کہا۔

"ہاں یار، مجھے یاد آیا، میرا سیل فون کہاں ہے؟ "میں نے اسد سے پوچھا تو اس نے لاعلمی کا اظہار کیا۔ تب میں چونک گیا۔ وہ سیل فون کسی کے ہاتھ نہیں لگنا چاہئے۔ اس میں نمبرز سے میرے بارے میں بہت کچھ معلوم کیا جا سکتا تھا میرے پاپا کے اورانکل زریاب کے نمبر تھے۔ میں نے سلیم کی طرف دیکھتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

"سوری یار !....میں ہوش میں ہی نہیں تھا، تقریباً دو گھنٹے ہوئے میں ہوش میں آیا ہوں۔ تب سے ".... میں نے مزید کہنا چاہا تو سلیم نے میری بات ٹوکتے ہوئے کہا۔

"خیر !....یہ سب تو ہو جائے گا۔ اب میں ہوں، آپ کوئی فکر نہ کریں، میں سب دیکھ لوں گا"۔

"مجھے معلوم ہے، تم ایسا ہی کرو گے "....میں نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تو وہ فوراً پلٹ گیا۔ پتہ نہیں۔ اس کے دماغ میں کیا تھا۔ میں آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔ مجھے اپنے سیل فون کی فکر ہو رہی تھی۔ میں ابھی اچھی طرح سوچ بھی نہیں پایا تھا کہ مجھے مختلف ٹیسٹ کے لیے لے جایا گیا۔ تقریباً دو گھنٹے بعد میں واپس آیا تو کمرے میں رابعہ کے ساتھ ماہم بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ بہت سوگوار

سا تھا، جیسے وہ رات بھر نہ سو سکی ہو۔ مجھے دیکھتے ہی اٹھ کر میری طرف آئی۔ میں جب بیڈ پر سکون سے لیٹ گیا تو وہ بولی۔

"کیسے ہو؟"

"ٹھیک ہوں"۔ میں نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ چند لمحے میرے طرف دیکھتی رہی، پھر بولی۔

"میں اسد اور رابعہ کو ہاسٹل چھوڑ کر آتی ہوں۔ یہ تھک گئے ہوں گے، آرام کرلیں"۔

"مگر وہ تنویر کہاں ہے، سنا ہے اس کی حالت "....میں نے کہنا چاہا تو وہ بولی۔

"دوسرے کمرے میں ہے، کچھ دیر پہلے ہی اسے انتہائی نگہداشت سے روم میں شفٹ کیا ہے۔ اس کے پاس کچھ لوگ ہیں۔ تم فکر نہ کرو، میں کچھ ہی دیر میں آ جاؤں گی"۔

"ماہم !....تم رابعہ کو چھوڑ آؤ۔ میں یہیں پر ہوں۔ مجھے کچھ نہیں ہوتا"۔ اسد نے سنجیدگی سے کہا تو رابعہ بولی۔

"کچھ نہیں ہوتا ، یہاں آرام ہی آرام ہے۔ تم سکون سے بیٹھو"۔

"گاڑی کی حالت کیسی ہے، کیمپس آتے ہی دوسری گاڑی ضائع ہو گئی ہے"۔ میں نے کہا تو وہ بولی۔

"ہاں ایک سائیڈ تو بری طرح خراب ہو گئی ہو گئی ہے اور ہاں "....یہ کہہ کر اس نے اپنا پرس کھولا اور اس سے میرا سیل فون نکال کر بولی۔" یہ تمہارا فون میں نے سنبھال لیا تھا"۔

میں نے فون لیا۔ وہ بند تھا۔میں نے ایک طرف رکھ دیا اور ماہم سے باتیں کرنے لگا۔ اس نے کاشف کے متعلق کوئی بات نہیں کی۔ مجھے احساس ہوا کہ اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ وہ ان لوگوں تک پہنچ گیا ہے۔ کافی دیر تک ہم باتیں کرتے رہے۔ اس دوران میری رپورٹس بھی آ گئیں۔ اندرونی طور پر مجھے نقصان نہیں ہوا تھا۔ اس سے مجھے کافی حوصلہ ہوا۔ میں نے اسی وقت تنویر کو دیکھنے کے بارے میں کہا۔ میں اس کے پاس جانا چاہتا تھا۔ اسد مجھے سہارا دے کر اس کے روم کی طرف چل دیا۔ مجھے اتنی مشکل نہیں ہوئی۔ تب میں نے محسوس کیا کہ مجھے زیادہ دیر بیڈ پر نہیں لیٹنا نہیں چاہئے۔

تنویر کی حالت خاصی خراب تھی۔ میں اس کے پاس کچھ وقت رہا۔ وہ بے ہوش تھا۔ میں کمرے میں پڑا اس کے بارے میں سوچتا رہا۔ مجھے بہت بے چینی ہو رہی

تھی اور اس کے ساتھ غصہ بڑھتا چلا جارہا تھا۔ اسی بے چینی کے باعث میرے دل میں دکھ بڑھتا گیا۔ تنویر میری وجہ سے اس حالت میں پڑا تھا۔ ماہم اسد اور ابعہ کچھ دیر کے لیے گئے تھے۔ جبکہ سلیم میرے پاس کئی بار آکر جا چکا تھا۔ میں اکیلا پڑا ہی سوچتا رہا یہاں تک کہ میں نے فون اٹھایا اور کاشف کو فون کر دیا۔

"کہاں ہو؟"

"تم سے دس پندرہ منٹ کے فاصلے پر، بولا، بات کیا ہے؟ اس نے سرد لہجے میں کہا۔

"مجھے آکر لے جاؤ"۔ میں نے کہا۔

"ابھی آیا"۔ اس نے مختصر سا جواب دیا اور فون بند کر دیا۔

111

وہ دونوں میرے سامنے فرش پر بیٹھے ہوئے تھے۔ میرے دائیں جانب کاشف اور پیچھے کہیں عدنان تھا۔ شہر سے ہٹ کر مضافات میں موجود ایک حویلی کے تہہ خانے میں جانے تک ہمیں تقریباً آدھا گھنٹہ لگا تھا۔ مجھے تکلیف تو ہو رہی تھی لیکن میرا غصہ اور دکھ اتنا حاوی تھا کہ میں تکلیف کو محسوس نہیں کر رہا تھا۔ میں کرسی

پر بیٹھا انہیں دیکھ رہا تھا اور وہ جذبات سے عاری چہرے کے ساتھ میری جانب دیکھ رہے تھے۔ میں چند لمحے ان کی طرف دیکھتا رہا پھر پوچھا۔

"کیا فیصلہ کیا ہے تم لوگوں نے ....سب کچھ یونہی بتا دو گے یا پھر ہمیں ہی کچھ کرنا پڑے گا"۔

"یہ ٹھیک ہے کہ ہم نے تم پر حملہ کیا، لیکن ہم تمہیں قتل نہیں کرنا چاہتے تھے، ہمارا مقصد صرف تمہیں دھمکانا تھا"۔ ان میں سے ایک نے بے خوف لہجے میں کہا۔

"اور وہ تنویر ....جو اس وقت موت وحیات کی کشمکش میں ہے۔ اگر اس کی جگہ میں ہوتا تو ، خیر !....میں نے یہ نہیں پوچھنا، تمہیں صرف یہ بتانا ہے کہ ایسا کیوں کیا؟"میں نے پُرسکون ہوتے ہوئے کہا تو وہ خاموش رہے۔ کتنے ہی لمحے یونہی بیت گئے۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ اٹھوں اور اس وقت تک ان کی ٹھکائی کرتا رہوں جب تک وہ سارا کچھ نہ بک دیں ، لیکن گلے میں لٹکا ہوا بازو اور بدن سے اٹھتی ہوئیں ٹیسیں مجھے ایسا کرنے سے روک رہی تھیں۔ میں نے کاشف کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر بلا کی وحشت تھی۔ یوں جیسے ابھی ان پر ٹوٹنے کے لیے خود کو بمشکل روکے ہوئے ہو۔ تب اس نے سرد سے لہجے میں کہا۔

"یہ لوگ باتوں سے ماننے والے نہیں ہیں۔ تم چاہے جتنا مرضی ان سے پوچھتے رہو۔ جب انہیں یقینی موت دکھائی دے گی تب یہ سے منہ سے پھوٹیں گے"....

"تو پھر تمہیں روکا کس نے ہے، تنویر کے بدن پر جتنے زخم آئے ہیں، اتنے ہی زخم ان کے جسم پر بن جائیں تو بعد میں بات کرنا ان سے"....لفظ ابھی میرے منہ ہی میں تھے کہ عدنان تیر کی طرح آگے بڑھا اور ان دونوں میں سے ایک پر جھپٹ پڑا۔ پہلا گھونسہ ہی اس قدر زور دار تھا کہ سامنے والے کے منہ سے خون نکل آیا۔ اس نے لمحے کے ہزارویں حصے میں بھی خود کو نہیں روکا، وہ سامنے والا مزاحمت نہیں کر رہا تھا۔ ایک دو منٹ میں عدنان نے اسے یوں بے دم کر دیا جیسے اس میں جان ہی نہ ہو۔ عدنان نے اسے اٹھایا اور فرش پر پٹخ دیا۔ اس کے منہ سے کراہ نکلی اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ عدنان نے قریب پڑا ہوا پانی کا جگ اٹھایا اور اس کے چہرے پر پانی پھینک دیا۔ وہ ہوش میں آگیا تو عدنان نے پھر سے اس کی ددھنائی کرنا شروع کر دی۔ وہ گوشت کے بے جان لوتھڑے کی طرح ایک طرف گر گیا تو عدنان نے دوسرے کی طرف دیکھا، آہستہ آہستہ اس کے قریب گیا اور ایک زور دار ٹکر اس کے ناک پر ماری، ساتھ ہی خون کا فوارہ ابل پڑا۔ اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔

وہ چیخ اس وقت ہی منہ میں گھٹ گئی جب عدنان نے دونوں ہاتھوں کو باندھ کر اس کے سینے پر ہاتھ مارا، وہ اوغ کی آواز کے ساتھ دوہرا ہو گیا۔ وہ ہاتھ سے رکنے کا اشارہ کرنے لگا۔ مگر عدنان اسے دیکھ ہی نہیں رہا تھا، اس نے اپنی لات گھما کر اس کی گردن پر ماری، وہ الٹ کر فرش پر جا پڑا اور پھر وہیں پڑا رہا، عدنان اس کی پسلیوں پر زور دار ٹھوکریں مارتا رہا مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا۔

"اوئے دیکھو، کہیں مر تو نہیں گیا"۔ کاشف نے پوچھا تو عدنان اسے دیکھنے لگا، پھر دھیرے سے بولا۔

"زندہ ہے ابھی"....

"چل ابھی چھوڑ، پوچھ ان سے بتاتے ہیں تو ٹھیک، ورنہ گولی مار کے پھینک دو انہیں"۔ کاشف بولا تو پہلے والے نے سر اٹھایا اور پیلے ہوتے ہوئے چہرے سے میری جانب دیکھا۔

"ہمیں ....فر....فرخ چوہدری ....نے بھیجا تھا ....صرف آپ لوگوں کو ڈرانا تھا"....

"کون فرخ چوہدری "....میں نے تیزی سے پوچھا تو کاشف بولا۔

"میں جانتا ہوں "....یہ کہہ کر اس نے اپنا سیل فون نکالا اور رابطہ ہونے کا انتظار کرنے لگا۔ اس نے سپیکر آن کر دیا ہوا تھا۔ جیسے ہی رابطہ ہوا تو وہ بولا"۔ فرخ چوہدری ....جن بندوں کو کسی کام کے لیے بھیجا جائے۔ پھر بعد میں ان کا پتہ بھی رکھتے ہیں"۔

"کیا بک رہے ہو"۔ دوسری طرف سے کہا گیا تو وہ تیزی سے بولا۔

"میں بک نہیں رہا، بلکہ جب میں تمہیں یہ بتاؤں گا کہ تیرے بندے میرے پاس ہیں تو تم بھونکنا بھی شروع کردو گے"۔

"سیدھی بات کرو، کہنا کیا چاہتے ہو"۔

"میں نے کیا بات کرنی ہے، تمہارا بھیجا گیا کتا بات کرے گا"....یہ کہہ کر وہ سیل فون پہلے والے کے پاس لے گیا اور اس کے منہ کے قریب کر دیا۔ تو وہ جلدی سے روہانے والے لہجے میں بولا"۔

"میں ہوں ....ذیشان ....میرے ساتھ ابرار بھی ہے اور انہوں نے"....

"پتہ چلا چوہدری"....

"ہاں"....

"کیوں ....کیوں بھیجا ....تمہیں معلوم نہیں تھا کہ"....

"جب دو دو باتیں ہو جائیں تو معاملہ اپنے ہاتھ میں لینا ہی پڑتا ہے .... تمہیں معلوم ہے کہ ماہم اپنی پسند ہے، جان چھڑکتا ہوں میں اس پر ....وہ اگر کل کے لونڈے میں دلچسپی لینے لگ جائے تو اسے ڈرانا بنتا ہے ....اور پھر ماہم کی بے وقوفی یہ دیکھو کہ اسے تمہارے ساتھ ملا دیا۔ شکر کرو، میں نے اسے مارنے کے لیے بندے نہیں بھیج دیئے"۔

"بڑی باتیں کرلی ہیں تم نے چوہدری ....تم جو چاہو شوق پورے کرو .... لیکن اب مجھ سے بچ جانا ....تجھے مارنا اب فرض ہو گیا ہے"۔

"صرف ایک رات ماہم کو میرے پاس بھیج دو ....اپنا سرکاٹ کر تیری طرف بھیج دوں گا"۔ یہ کہہ کر اس نے زور دار قہقہہ لگایا۔

"پہلے اپنی بہنوں کی راتوں کا بندوبست کرلو ....جنہیں کوئی نہیں پوچھتا، پھر بات کرنا مجھ سے"....

"اوئے ....میں تیری"....

"میں نے کہا ناتم بھونکو گے ....اب جتنا چاہے بھونکو ....میں نے تمہاری دم پر پاؤں رکھ دیا ہے"۔ یہ کہہ کر کاشف نے زور دار قہقہہ لگایا تو دوسری طرف فرخ چوہدری زور زور سے غلیظ گالیاں بکنے لگا۔ وہ چند لمحے سنتا رہا، پھر بولا۔" اب یہ

بھی بتا دو ....یہ تمہارے دو کتے میرے پاس ہیں۔ بھیج دوں میں تمہاری دونوں بہنوں کے لیے "....اس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔ وہ ہذیانی انداز میں بکنے لگا۔ چند لمحوں بعد وہ خاموش ہوا تو کاشف نے کہا۔" میں انہیں پولیس کے حوالے کر رہا ہوں۔ وہ خود ہی تمہارا نام پوچھ لیں گے"۔

"تم اور وہ دونوں جاؤ بھاڑ میں۔ وہ کبھی ثابت نہیں کر سکیں گے میں نے انہیں بھیجا ہے ....انہوں نے ایک لمبی رقم لے کر کام کیا ہے، اب پھنس گئے ہیں تو میں کیا کروں ....میرا کام ہو گیا ہے، اب وہ جانیں اور ان کا کام، میرا نام لیا تو میں انہیں خود پھنسا دوں گا"۔

"چل ٹھیک ہے .... دیکھتے ہیں اور ہاں سن !....اب اگر تم نے ماہم اور ابان کے درمیان آنے کی کوشش کی تو میں سارے کام چھوڑ کر پہلے تیرا کام کر دوں گا ".... کاشف نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اس نے فرش پر پڑے ان دونوں کی طرف دیکھا اور کہا ۔

"سن لیا ! ....کرائے کے ٹٹو کا یہی حال ہوتا ہے ....بولا، مرنا پسند کرو گے یا پولیس کے پاس جانا"....

"خدا کے لیے ہمیں چھوڑ دو .... آئندہ آپ لوگوں کے راستے میں نہیں آئیں گے "....وہ منتیں کرنے لگے۔ دوسرا لیکن گرتے پڑتے میرے پاؤں میں آن پڑا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا، پھر بولا۔

"کاشف !....تم جو بہتر سمجھتے ہو، وہی کرو ....میں اب ہسپتال جاؤں گا"۔ یہ کہہ کر میں اٹھا اور باہر کی جانب چل دیا۔ میں کار میں جا بیٹھا تو کچھ ہی دیر بعد عدنان ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔ تقریباً آدھے گھنٹے بعد ہم واپس ہسپتال پہنچ گئے۔

میں ہسپتال کے کمرے میں پڑا سوچ رہا تھا کہ یہ فرخ اور ماہم کا معاملہ کیا ہے؟ ظاہر ہے مجھے الہام تو ہوتے نہیں تھے۔ اس کی تفصیل کوئی مجھے بتاتا تو معلوم ہوتا ۔ مجھے یہ سارا معاملہ کاشف سے پوچھناچاہئے یا براہِ راست ماہم سے یا پھر اس کا ذکر ہی نہیں کرنا چاہئے۔ میں کوئی فیصلہ نہیں کر پارہا تھا، میرے کیمپس میں آتے ہی ایسی ہنگامہ خیزیاں شروع ہو گئی تھیں، جن کا میرے مقصد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں تھا بلکہ وہ مجھے ان میں الجھا کر مقصد سے دور کر رہی تھیں۔ تاہم ان معاملات کی نوعیت کچھ ایسی تھی کہ ان کا تعلق براہِ راست ماہم سے نہیں بنتا تھا، لیکن فرخ چوہدری کا سامنے آنا اور اس کا ماہم کی ذات بارے اس قدر دلچسپی لینا میرے مقصد کے راستے میں بڑی رکاوٹ تھا۔ میں اسے نہیں جانتا تھا لیکن وہ میرے

بارے میں معلومات رکھتا تھا۔ یہ بڑی خطرناک بات تھی۔ اگر وہ انکل زریاب کے بیٹے ابان کو جانتا ہے تو پھر میرے بارے میں ذراسی تحقیق مجھے ظاہر کر دیتی۔ میں چونک گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ مجھ تک پہنچیں، مجھے یہ معاملہ صاف کر دینا چاہئے تھا۔ اس کے لیے مجھے کیا کرنا ہو گا۔ یہی مجھے سوچنا تھا اور سوچ اس وقت آگے نہیں بڑھ سکتی تھی جب تک مجھے فرخ چوہدری کے بارے میں آگاہی نہ ہوتی اور ماہم کے لیے وہ کس قدر جذباتی ہے یہ معلوم کرنا بہت ضروری تھا۔

"کہاں کھوئے ہوئے ہو؟" اسد نے میرے قریب آ کر میری آنکھوں کے سامنے ہاتھ پھیرتے ہوئے پوچھا۔ میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے اپنی سوچوں کے حصار سے باہر آگیا اور مسکراتے ہوئے بولا۔

"کہیں بھی نہیں، بس یونہی"....

"نہیں، کہیں تو تھے۔ ورنہ اس قدر کھوئے ہوئے نہ ہوتے، کوئی اہم بات ہے، تمہیں میرے آنے کے بارے میں معلوم نہیں ہوا؟"

"یار وہ خواب آور وواؤں کے زیر اثر ہوں نا ....اس لیے اکثر جھپکی سی آجاتی ہے"۔ میں نے یونہی بہانہ تراش دیا۔

"اوکے !....یہ بتاؤ، کچھ کھاؤ پیؤ گے ؟ "اس نے بات ختم کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں، دل نہیں چاہ رہا ہے"۔ میں نے بیزاری سے کہا۔

"تم یہ کہہ رہے ہو کہ تمہارا دل نہیں چاہ رہا ہے لیکن کچھ دیر بعد تم کھاؤ گے"۔ اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

"مطلب "..... میں نے آنکھیں سکیڑتے ہوئے پوچھا تو اس نے قہقہہ لگایا، پھر مزاحیہ انداز میں بولا۔

"مطلب یہ کہ محترمہ ماہم بی بی کا فون آیا تھا، فرمارہی تھیں کہ تمہیں کچھ بھی کھانے نہ دوں، وہ خصوصی طور پر تمہارے لیے کچھ بنا کر لارہی ہے۔ اب کیا کچھ ہو گا، یہ میں نہیں جانتا"۔

"اچھا چلو جب آئے گی تو دیکھا جائے گا"۔ میں نے کہا اور بیڈ پر سیدھا ہو کر لیٹ گیا۔ اسد میری طرف چند لمحے دیکھتا رہا، پھر کچھ کہے بنا واپس پلٹ گیا۔میں کمرے میں تنہا رہ گیا۔ اچانک مجھے سلیم کا خیال آیا۔ وہ صبح سے دکھائی نہیں دیا تھا۔ میں نے فون نکالا اور اس کے نمبر پش کر دیئے ۔ لمحوں میں سے رابطہ ہو گیا۔

"کہاں ہو؟"

"یہیں ہسپتال میں"۔ اس نے جواب دیا۔

"سامنے نہیں آئے تم"۔ میں نے پوچھا۔

”لیکن آپ صبح سے میرے سامنے ہیں۔ جب گئے اور جب واپس آئے۔ سو جہاں آپ گئے ہیں۔ میں ساتھ تھا۔ مگر ذرا ساتھی دور تھا“۔

”اوہ “!....میں نے خوشگوار حیرت سے کہا۔

”سر جی،میں ابھی آپ کے پاس آجاتا....لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ پارکنگ میں ماہم بی بی موجود ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ میرا اور اس کا آمنا سامنا ہو“۔

”اوکے !....تم بہتر سمجھتے ہو“۔ میں نے کہا تو وہ تیزی سے بولا۔

”سرجی، میں نے اپنے طور پر معلوم کر لیا ہے، لیکن تصدیق باقی ہے، میں کچھ دیر بعد آپ کو فون کروں گا“۔

”فرخ چوہدری ہے نام اس کا ....جانتے ہو اسے....؟ “میں نے اسے بتایا۔

”اوہ !....تو اس کا مطلب ہے، میں ٹھیک پہنچا ہوں خیر !....آپ پہلے اس تک پہنچ گئے۔ میں جانتا ہوں سر اسے، وہ یہاں کی معروف جاگیر دار فیملی سے تعلق رکھتا ہے۔ باپ اس کا فخر الدین چوہدری اسی علاقے کا ایم این اے ہے، فرخ اسی کیمپس میں پڑھتا رہا ہے، اس وقت جو تنظیم یہاں پر قابض ہے، اس کے سر پرستوں میں سے ایک ہے۔ اس کا زیادہ تر وقت انہی سر گرمیوں میں گزرتا ہے۔ اس کے بارے میں یہ سننے میں آیا کہ خاصا عیاش قسم کا بندہ ہے، عورت اور

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

شراب اس کی کمزوری ہے۔ اس کے لیے بڑے سے بڑا رسک لینے سے بھی گریز نہیں کرتا، ممکن ہے کیمپس پر قبضے میں اس کی یہی دلچسپی ہو"۔

اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ ماہم کمرے میں داخل ہوئی، اس کے ساتھ اسد تھا، تب میں نے بڑے نارمل انداز میں الوداعی باتیں کیں اور فون بند کر دیا۔

"کیا مسئلہ ہے ابان، سنا ہے تم نے صبح سے کچھ کھایا پیا نہیں؟"

اس نے یوں پوچھا تو مجھے خیال آیا کہ میں نے واقعتاً صبح سے کچھ بھی نہیں کھایا پیا تھا۔

"تمہیں کس نے بتایا....؟"میں نے اسد کی جانب دیکھ کر مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"الہام ہوتے ہیں مجھے، جن بتا جاتے ہیں۔ تم اٹھو اور کچھ کھاپی لو"....ماہم نے بڑے مان سے کہا اور کھانے کے برتنوں کو سیدھا کرنے لگی۔ تب میں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ فرخ چوہدری کون ہے؟"

میرے پوچھنے پر وہ ایک لمحہ کو ساکت ہو گئی۔ اس کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ اگلے ہی لمحے اس نے خود پر قابو پالیا اور بڑے سکون سے بولی۔

"تم کچھ کھا پی لو، میں پھر تمہیں تفصیل سے بتاتی ہوں"۔

یہ کہہ کر اس نے کھانا نکالا اور میرے سامنے رکھنے لگی۔ میں اس کی طرف دیکھتا رہا۔ وہ کھانا رکھ چکی تو اسد کو بھی بلا لیا۔ ہم کھانے لگے۔ تبھی اس نے کہنا شروع کیا۔

"میں ان دنوں کالج کے آخری سال میں تھی۔ مطلب یہ تقریباً چھ ماہ پہلے کی بات ہے ہم چند لڑکیاں شاپنگ سنٹر میں کچھ خریدنے گئی تھیں۔ وہیں میرا اور فرخ کا آمنا سامنا ہوا تھا۔ اس نے مجھے دیکھ کر بونگی ماری تھی اور میں نے اسے وہیں پر کھری کھری سنا دیں۔ اسے شاید معلوم نہیں تھا کہ میں کون ہوں اور مجھے بھی علم نہیں تھا کہ وہ کون ہے۔ اس کے ساتھ چند لڑکے تھے۔ اسی وجہ سے فرخ نے اپنی انا کا مسئلہ بنا لیا ہے۔ بس اتنی سی بات ہے"۔ اس نے وضاحت کرتے ہوئے کہا تو میں نے پوچھا۔

"کیا تم نے اپنے والدین سے بات نہیں کی؟"

"نہیں !....مجھ میں اتنی ہمت ہے کہ میں ایسے لوگوں کا مقابلہ کرسکوں۔ اب نہ صرف اسے پتہ ہے کہ میں کون ہوں، بلکہ مجھے بھی علم ہے کہ وہ کون ہے اور کیا ہے۔ وہ مجھے شکست دینے کا ہر حربہ استعمال کررہا ہے۔ میں اب تک اپنا دفاع

ہی کرتی آئی ہوں، لیکن اس واقعہ کے بعد لگتا ہے کہ اب مجھے ہی کچھ کرنا ہو گا "....اس بار اس کے لہجے میں غصہ اور نفرت نمایاں ہو گئی تھی۔

"کہیں ہمارے ڈیپارٹمنٹ میں یہ سب کچھ فرخ چوہدری کی وجہ سے تو نہیں ہو رہا۔ اس نے اپنی ساری توجہ اس طرف لگائی ہوئی ہو؟"میں نے اپنی سوچ اس کے سامنے رکھی۔

"میں اس بارے کیا کہہ سکتی ہوں ابان ....میں نے صرف اپنے دفاع کے لیے کاشف اور عدنان گروپ کے ساتھ شامل ہونا چاہا ہے۔ وہ اگر کیمپس میں میرا دفاع کریں گے تو مجھے بھی ان کے کچھ کام کرنے پڑیں گے۔ویسے بھی اب معاملہ یہاں تک آن پہنچا ہے کہ مجھے خود فرخ سے نفرت ہونے لگی ہے اور میں چاہتی ہوں کہ اسے ایسا سبق دوں کہ وہ یاد رکھے "....اس نے دانت پیستے ہوئے کہا۔

"تو بات یہاں تک آ پہنچی ہے"۔ میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"مجھے بہت افسوس ہے ابان کہ میری اس لڑائی میں تم زخمی ہو گئے ہو۔ اس کا بدلہ میں فرخ سے ضرور لوں گی۔ میں اسے چھوڑوں گی نہیں"۔ وہ غصے میں اپنی آواز کو دباتے ہوئے بولی۔

"ماہم ! .... تمہاری لڑائی میں معاملات بہت خراب ہو رہے ہیں۔ تم یہ بات اپنے والد کو کیوں نہیں بتا دیتی ہو"۔ میں نے پوچھا۔

"واہ ابان واہ !....پھر میرا ہونا کیا ہوا۔پاپا زیادہ سے زیادہ کیا کریں گے۔ ان سے دشمنی ہو جائے گی۔ فرخ تو ماننے والا نہیں۔ مجھ پر ہی گھر سے باہر نکلنے پر پابندی لگ جائے گی، میں ایسا نہیں چاہتی، میں‌فرخ کو ایسی شکست سے دو چار کرنا چاہتی ہوں کہ وہ زندگی بھر یاد رکھے"۔ اس بار وہ اپنے غصے پر قابو نہ رکھ سکی تھی۔

"ٹھیک ہے ماہم جیسا تم چاہو، اب جبکہ ہم دوست ہیں، میں ہر قدم پر تمہارے ساتھ ہوں، مجھے اپنے ساتھ پاؤ گی "....میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو ایک دم سے خوش ہو گئی۔ پھر اگلے ہی لمحے وہ انتہائی سنجیدگی سے بولی۔

"ابان !....تم اپنے ذہن میں یہ بات کبھی بھی مت لانا کہ میرا تم سے یا یہاں کیمپس میں اسی وجہ سے کوئی تعلق ہے، یا میں یہی سوچ کر تم سب لوگوں کی طرف بڑھی ہوں .... ایسا قطعاً نہیں، ہر بندہ لاشعوری طور پر یہ چاہتا ہے کہ جہاں وہ رہے وہاں اس کی عزت کی جائے، اسے احترام دیا جائے۔ میں بھی ایسا ہی چاہتی ہوں اور فرخ لوگوں کے لیے میں نے الگ سے بندوبست کرنے کی کوشش کی

ہے، اب یہ قسمت ہے کہ تم "....وہ کہتے کہتے رک گئی تو پھر میں نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

"نو پرابلم ....دیکھ لیں گے ہم .... میں آج یہاں سے ڈسچارج ہو جاؤں گا، پھر چند دن گھر میں ہی رہوں گا ....پھر کیا کرنا ہے، یہ ہم طے کرلیں گے"....

"مجھے تنویر کا بہت زیادہ افسوس ہو رہا ہے .... خیر وہ بھی ٹھیک ہو جائے گا"....
ماہم نے کہا تو اسد بولا۔

"یار یہ حادثے، چوٹیں، غم، دکھ خوشیاں، انعام ....غیر متوقع انعام ....یہ سب قسمت سے ہوتے ہیں اور یہی زندگی ہے۔ ان سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔ انہیں زندگی سمجھ کر ان سے لطف لینا چاہیئے۔ ہاں صرف ایک بات ذہن میں رکھنی چاہیئے۔ بندہ نقصان برداشت کر لیتا ہے، لیکن یہ انسان کی سب سے بڑی بد قسمتی ہوتی ہے کہ ان لوگوں کو اپنا دوست سمجھ بیٹھتا ہے جو منافق ہوتے ہیں ساری دنیا سے بندہ جیت جاتا ہے، نقصان بھی ہوجائے، شکست کھا جائے، اس کا بھی دکھ نہیں رہتا، لیکن منافق کی منافقت بہت دکھ دیتی ہے"۔

"منافقت بھی زندگی کا ایک حصہ ہے میری جان ....تم کیا سمجھتے ہو، منافق کون ہوتا ہے ارے وہ تو پہلے ہی بے غیرتی کی انتہا پر جا کر شکست قبول کرلیتا ہے۔ یہ

اس کی شکست ہوتی ہے، حسد کی انتہا ہوتی ہے، تبھی وہ منافقت کرتا ہے۔ قدرت کی طرف سے وہ پہلے ہی سزا یافتہ ہوتا ہے، اپنی شکست کے ردِ عمل میں ہی تو وہ منافقت کرتا ہے“۔ میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو اس نے پوچھا۔

”ہر شے کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے، منافقت کا نہیں۔ ان کا مقابلہ کیسے کیا جا سکتا ہے“....

”صبر سے ....منافق جو چاہتا ہے، وہ نہیں ہو پاتا تو حسد کی آگ زیادہ بھڑک جاتی ہے۔ وہ ہر لحہ تڑپتا ہے۔ منافق کو سزا دینا تو بہت آسان ہے ۔ اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ وہ تو پہلے ہی بے غیرتی کی انتہا پر جا کر شکست کھائے ہوئے ہوتا ہے۔ تب وہ دہری سزا میں مبتلا ہو جاتا ہے“۔

”میں سمجھا نہیں ، تم کیا کہنا چاہ رہے ہو؟“

”یہی کہ منافق دنیا کا ناکام ترین انسان ہوتا ہے اور سارے ہی منفی جذبے اس کی ذات میں پرورش پا رہے ہوتے ہیں۔ اس کا سب کچھ جھوٹ کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ جو خود ہی قدرت کی طرف سے لعنت کا مستحق ہو، وہ اپنے اندر خود ہی سزا جھیل رہا ہو ....اسے کیا کہنا“....

"لیکن سب سے زیادہ نقصان تو وہی پہنچاتا ہے"۔ اسد نے باقاعدہ بحث شروع کر دی۔

"اور وہ خود بھی تو سامنے آجاتا ہے ....یہ صرف صبر لاتا ہے ....خیر یہ بات میں تمہیں کسی اور وقت سمجھاؤں گا کہ مذہب نے اس کو لعنتی قرار دیا ہے تو کیوں"....

"ہاں فی الحال کھانے پر توجہ دی جائے"۔ ماہم نے کہا اور مزید کچھ چیزیں میرے سامنے رکھ دیں۔

ماہم دوپہر تک ہمارے ساتھ رہی۔ رابعہ بھی تب تک آگئی۔ میں پوری طرح یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ ہسپتال سے گھر شفٹ ہو جانا ہے۔ میں نے اسد سے کہہ دیا کہ وہ خود تنویر کا بہت زیادہ خیال رکھے۔ اس شام جب ڈاکٹرز کا راؤنڈ ہوا تو مجھے ڈسچارج کر دیا گیا۔ اس وقت شہر کے چراغ جل اٹھے تھے۔ جب میں سبزہ زار میں اپنے بیڈ روم میں اپنے بیڈ پر تھا۔

وہ بڑی روشن صبح تھی۔ میں ناشتے کے بعد لان میں آبیٹھا۔ وہیں جندوڈا نے مجھے اخبار تھما دیا۔ چمکتی ہوئی نرم دھوپ میں بہت لطف آرہا تھا۔ میں اخبار میں کھویا

ہوا تھا کہ میرا سیل فون گنگنا اٹھا۔ کوئی اجنبی نمبر تھا۔ میں چند لمحے اسکرین پُر دیکھتا رہا، پھر میں نے کال ریسیور کرلی۔

"ہیلو " !....میں نے آہستگی سے کہا۔

"میں ہوں فرخ چوہدری "....دوسری طرف سے بڑے سرد لہجے میں کہا گیا۔ جو بالکل مصنوعی تھا، صاف لگ رہا تھا کہ وہ زبردستی لہجے کو خوف ناک بنانے کے لیے سرد کئے ہوئے ہے۔ مجھے بے ساختہ ہنسی آگئی۔ اس لیے بڑے پر لطف لہجے میں کہا۔

"ہوں !....بولو، کیا کہنا چاہتے ہو"۔

"صرف اتنا کہنا چاہتا ہوں کہ اگر تمہیں اپنی زندگی عزیز ہے تو دوبارہ کیمپس میں نہ آنا ورنہ تمہاری سانسیں تک چھین لیں گے"۔

"یہ تم مجھے دھمکی دے رہے ہو یا لطیفہ سنا رہے ہو "....میں نے طنزیہ انداز میں کہا تو شاید وہ بھنا گیا۔ اس لیے بہت غصے میں بولا۔

"تم شاید مجھے نہیں جانتے، لیکن میں تمہیں بہت اچھی طرح جانتا ہوں .....میں"....

"نہیں، تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اگر میرے بارے میں تجھے معلوم ہوتا نا تو تم مجھے یوں فون کرنے کی جراۓت نہ کرتے"۔

میں نے اسے مزید غصہ دلایا۔

”میں کیا کر سکتا ہوں ....اس کا تمہیں پتہ نہیں“۔

”پتہ ہے میری جان۔ ہیجڑوں کی طرح چھپ کر وار کرنا ....یا عورتوں کی طرح سازشیں کرنا ہی تمہارا کام ہے۔ اگر مرد کے بچے ہو تو سامنے آ ....ؤ پھر پتہ چل جائے گا کہ تم کیا کر سکتے ہو “....میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

”ڈرو اس وقت سے جب میں سامنے آؤں گا ....پھر تمہیں کوئی بچانے والا نہیں ہو گا ....میں “....اس نے کہنا چاہا لیکن میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”صرف دھمکیاں ہی دیتے رہو گے ....سامنے نہیں آ ؤ گے“....

”چلو ٹھیک ہے ....میں ہی تمہیں مل لیتا ہوں ....انتظار کرو ....میں آرہا ہوں“۔

”میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں .... جلدی پہنچو“....میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

اب دو ہی آپشن تھے ۔ یا تو وہ مرد کا بچہ ہوتا تو اس نے یہاں تک آ کے چڑھائی کرونا تھی، یا پھر کسی چوہے کی مانند بل میں چھپا رہتا ....وہ جو کچھ بھی کرتا، مگر مجھے اپنی پوری تیاری کرنا تھی۔

میں فرخ چوہدری کی فون کال کا منتظر تھا۔ اس نے آنے کا تو کہہ دیا تھا، لیکن کہاں آئے گا۔ یہ اس نے نہیں بتایا تھا۔ میں نے اس کی دھمکی کے بارے کاشف

کو آگاہ کر دیا تھا۔ وہ پوری طرح تیاری کر چکا تھا۔ میرے سیل فون میں فرخ کا نمبر موجود تھا۔ میں اسے کال کر سکتا تھا۔ مگر میں چاہتا یہ تھا کہ وہ خود مجھے کال کرے۔ میں اس کے اعصاب دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کے لیے نہ صرف مجھے انتظار کرنا تھا بلکہ اسے بھی منتظر رکھنا تھا۔ میں اصل میں شعوری طور پر یہ چاہتا تھا کہ سازش کی جڑ معلوم ہو جائے۔ وہ کون ہے؟ کیونکہ میرے پاکستان آنے او پھر کیمپس میں پہنچ جانے تک اتنی ہنگامہ آرائی ہونی نہیں چاہیئے تھی، جتنی ایک طرح سے مجھ پر مسلط کر دی گئی تھی۔ صبح سے دوپہر ہونے کو آگئی لیکن فرخ چوہدری کا دوبارہ فون نہیں آیا۔ میں بجائے پُر سکون ہونے کے کسی حد تک بے چین ہو گیا۔ مجھے یہ گمان ہونے لگا تھا کہ اب میرا اور اس کا سامنا کیمپس ہی میں ہو گا۔ وہ شاید مجھے ذہنی طور پر ڈسٹرب کرنا چاہتا تھا۔ یہ بڑا پرانا ہتھکنڈہ تھا۔

بعض احمق لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ کسی کو ذہنی اذیت دے کر اسے ختم کیا جا سکتا ہے۔ مگر شاید وہ یہ نہیں جانتے کہ ان کا یہی ذہنی اذیت دینا بھی ذہنی قوت بن جاتا ہے۔ وہ منافق لوگ جو دھوکے جھوٹ اور بے غیرتی کی بنیاد پر سازش تیار کرتے ہیں۔ دراصل وہی لوگ بزدل ، شکست خوردہ اور معاشرے کے ناسور ہوتے ہیں۔ یہی لوگ خود پر مختلف لبادے اوڑھ کر شیطان کے ہاتھ مضبوط کر رہے

ہوتے ہیں۔ اس میں قصور کسی کا نہیں ہوتا، بلکہ ان کی مٹی ہی غلاظت سے اٹھی ہوئی ہوتی ہے۔ وہ ثابت کر دیتے ہیں کہ ان کے خمیر میں حلال شامل نہیں ہوتا۔ فرخ چوہدری بھی کچھ ایسا ہی کردار تھا لگ رہا تھا۔ میں نے اس کے بارے میں جتنا سوچا، مجھے اس کے خمیر ہی میں شک دکھائی دیا۔ ایک طرف سلیم نے مجھے اس کے بارے میں معلومات دیں تھیں اور دوسری طرف کاشف نے مجھے بتایا تھا کہ وہ کیا ہے۔ وہ ایسے کریہہ لوگوں میں سے تھا جو مذہبی لبادہ اوڑھ کر طلبہ تنظیم میں گھسے ہوئے ہوتے ہیں۔ فرخ مذہبی تنظیم کے لیے اس وجہ سے کام کر رہا تھا کہ تنظیم کو اپنے مقاصد کے لیے استعمال کر سکے۔ میں اس کے بارے میں سمجھ گیا تھا کہ اس کی "کیمسٹری" کیا ہے۔ اب صرف ایک سوال واضح کر کے سمجھنا تھا کہ وہ ماہم کے پیچھے کیوں پڑا ہوا ہے؟ وہ محض اس کے حسن سے متاثر ہے اور اسے اپنی فطری کمزوری کی وجہ سے گرفت میں کرنا چاہتا ہے۔ صرف انا کی جنگ ہے کہ اس نے مارکیٹ میں اسے ذلیل کر دیا تھا یا پھر کوئی اور دوسرا مسئلہ ہے؟ اس سوال کی وضاحت ہی میں اس کے آئندہ دنوں کے پلان بارے سوچا جا سکتا تھا۔

سہ پہر ہونے کو آگئی۔ میں اپنے کمرے میں لیٹے لیٹے اکتا گیا تھا۔ میرا دل چاہ رہا تھا کہ میں اٹھ کر نیچے لان میں جاؤں اور تھوڑی دیر کھلی فضا میں بیٹھوں۔ میں ان لمحات میں خود کو تیار کر ہی رہا تھا کہ ماہم کی فون کال میرے سیل پر آگئی۔ میں کال رسیو کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں بولو ماہم"!....

"ارے صاحب، ہم یہاں آپ کے ڈرائنگ روم تک آگئے ہیں اور آپ ہیں کہ نہ جانے کہاں چھپے بیٹھے ہیں"۔

اس نے کہا تو بجائے خوشگوارت کے میں الجھ گیا۔ لمحہ بھر بعد میں نے کہا۔

"تم یہاں، خیرت تو ہے؟"

"اب مجھے لگتا ہے کہ آپ خیریت سے نہیں ہیں۔ میں آپ سے ملنے آپ کو دیکھنے آئی ہوں۔ میرے ساتھ، رخشندہ، کاشف اور عدنان ہیں۔ ابھی کچھ دیر میں اسد بھی آتا ہو گا اور ممکن ہے رابعہ بھی آجائے ۔ اب بتاؤ، مجھے آنا چاہئے تھا کہ نہیں"۔ اس نے کافی حد تک تلخی سے کہا۔

"میں آرہا ہوں؟ "میں نے تیزی سے کہا اور فون بند کر دیا۔

وہ سب نیچے ڈرائنگ روم میں موجود تھے اور صوفوں پر براجمان تھے۔ میں نے سب سے علیک سلیک کی اور ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا۔ تبھی کاشف بولا۔

”میں تمہاری کال کے بعد سے پوری طرح تیار تھا، پھر اکتا کر خود ہی یہاں آگیا، لیکن لگتا ہے کہ وہ اب سامنے نہیں آنے والا“۔

”وہ سامنے آئے گا، لیکن اس وقت جب اسے یہ احساس ہو گا کہ پوری گرفت رکھتا ہے۔ ایسے چوہے اپنی بلوں ہی میں گھسے رہتے ہیں“۔ ماہم نے تیز ی سے کہا۔

”جبکہ میرا یہ خیال ہے کہ وہ کبھی سامنے نہیں آئے گا۔ وہ دوسروں ہی سے الجھا کر ہمیں لڑاتا رہے گا اور خود سکون سے تماشہ دیکھے گا“۔ رخشندہ نے سکون سے کہا۔

”یہ بات تم کیسے کہہ سکتی ہو؟“کاشف نے سوچنے والے انداز میں پوچھا۔

”سیدھی سی بات ہے، ایسے لوگ خود نہیں لڑتے۔ لڑواتے ہیں، ان کی بلا سے کون لڑ رہا ہے۔ میرے سامنے اگر بنا بنایا کھانا آرہا ہے تو مجھے کیا ضرورت ہے خود کچن میں ہاتھ جلانے کی“۔ وہ پُرسکون اور سنجیدہ لہجے میں جواباً بولی تو کاشف نے کہا۔

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو، لیکن ایک بات میں بتا دوں، وہ اتنا ماسٹر مائنڈ نہیں ہے کہ کوئی سازش تیار کر سکے، اس کے پیچھے کچھ لوگ تو ہوں گے“۔

”ممکن ہے، ایسا ہو۔ مگر میں آج آپ سب کو ایک بات بتا دوں، ہم جب تک خود الجھتے رہیں گے، وہ ہمیں الجھاتے رہیں گے۔ جو تھوڑی بہت ہماری طارقت ہے، وہ یہیں پر ضائع کر دیں گے۔ اگر ہمارا مقصد کیمپس پر اپنی گرفت کرنا ہے تو اس کے لیے کچھ الگ سے سوچنا ہو گا“۔ رخشندہ نے اپنی مخصوص سنجیدگی سے کہا تو کاشف چونکتے ہوئے بولا۔

”تم بالکل ٹھیک کہہ رہی ہو۔ ہمیں کیا کرنا ہے، اپنی طاقت کو کہاں لگانا ہے۔ اس بارے سوچنے کی نوبت اب تک نہیں آئی۔ کیا کرنا چاہئے ہمیں اور اپنی طاقت“....

”سادہ سی ایک مثال ہے کاشف، اگر طاقت کو تیکنیکی انداز میں استعمال کیا جائے نا، تو معمولی سی طاقت بھی بہت بڑا کام کرجاتی ہے۔ بہت بھاری پتھر ہٹانے کے لیے اگر لیور استعمال کرلیا جائے تو بہت تھوڑی طاقت خرچ کرنا پڑتی ہے۔ اپنی اس ذراسی طاقت کو تیکنیکی انداز میں استعمال کریں اور بس “....اس نے کہا تو مجھے اس کی ذہانت کا اعتراف کرنا پڑا۔ یہ وہ لمحہ تھا جب میں نے پہلی بار اسے اہمیت دی اور بڑے غور سے دیکھا تھا۔ اس کا پہلا تاثر یہی تھا کہ اسے چکنی لڑکی کہا جا سکتا

تھا۔ گول چہرہ بھرے بھرے گال، منا سا بیٹھا ہوا ناک، چھوٹا سا دہانہ، موٹے لب، گھنگھریالے بال، قدرے فربہ مائل تھی۔ اس نے سیاہ پتلون اور ہلکے سبز رنگ کی شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ اس کے چہرے پر انتہائی درجے کی سنجیدگی دیکھ کر یہی احساس ہوا کہ وہ اس معاملے کو بہت اہمیت دے رہی ہے۔ تب میں نے بھی پوری سنجیدگی سے کہا۔

”رخشندہ !....تو تم یہ بھی سمجھ سکتی ہو کہ اس ذرا سی طاقت کو استعمال کیسے کرنا ہے؟“

”پلان کرنا ہو گا ہمیں۔ پہلے پوری طرح یہ واضح کرنا ہے کہ ہمارا مقصد کیا ہے۔ ظاہر ہے ہم سب اپنے اپنے ذہن میں الگ الگ مقصد لیے ہوئے ہیں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ کہیں نہ کہیں کوئی مقصد مشترکہ ہے، جس کی وجہ سے ہم مل بیٹھے ہیں۔ کوئی ایسا پلان، کوئی ایسا لائحہ عمل ہو جس سے سب کے مقاصد حل ہوں جائیں۔ میرا تو یہی خیال ہے۔ باقی آپ سب جو بہتر سمجھیں“۔

”رخشندہ !....میں جب یہاں آیا ہوں تو میرے ذہن کے کسی کونے میں بھی یہ لڑائی جھگڑے والا معاملہ نہیں تھا۔یہ مجھ پر مسلط کیا گیا ہے۔ اب سوائے دفاع کے میرے پاس کوئی بھی راستہ نہیں ہے۔ اب اگر یہ صورت حال ختم ہو جاتی

ہے تو پھر مجھے کسی لڑائی جھگڑے یا دفاع وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جس مقصد کے لیے یہاں آیا ہوں، وہ پورا کر کے یہاں سے چلا جاؤں گا۔ میرا کوئی ذاتی دشمن تو ہے نہیں"۔ میں نے اپنی طرف سے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن اب بن گئے ہیں دشمن، ان کا کیا کیا جائے، صرف دفاع نہیں اور میں یہ بتادوں کہ تمہارے دشمن انتہائی بزدل ہیں اور بزدل دشمن سانپ کی مانند ہوتا ہے۔ وہ خاموشی سے ڈنگ مارتا ہے ، ورنہ اپنی بل میں چھپا رہتا ہے"۔ عدنان نے اپنی بھاری آواز میں بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

"مطلب !....اگر اب دو سال رہنا ہے تو ان کے سامنے تن کر رہنا ہے"۔ رخشندہ نے تیزی سے کہا۔

"میں سمجھتا ہوں۔ میں اکیلا کچھ کر بھی نہیں سکتا، میں آپ کے ساتھ ہوں، پورے دل سے اور پورے خلوص سے اب ہمیں وہ مشترکہ مقصد تلاش کرنا چاہئے، جس پر ہم سارے متفق ہو جائیں"۔ میں نے ان سب کی طرف دیکھتے ہوئے مثبت انداز میں کہا تو ماہم نے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"وہ مقصد ہے کیمپس پر اپنا ہولڈ، اگر ہم اس پر متفق ہیں تو پھر یہ سوچا جا سکتا ہے کہ ہمیں کیا کرنا ہے؟"

"ماہم مجھے بتاؤ ہمیں کیا کرنا ہے بلکہ میں یہ چاہوں گا، مجھے بتاؤ، میں اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟ "میں نے حتمی انداز میں کہا تو ماہم کے چہرے پر ایک فاتحانہ رنگ آکر گزر گیا۔ تبھی وہ فوراً کاشف کی طرف دیکھ کر بولی۔

"دیکھا، میں نہ کہتی تھی، ابان نہ کوئی شرط رکھے گا اور نہ ہی مایوسی کی بات کرے گا"۔

"میں سمجھتاہوں ماہم خیر !....اگر ابان مان جائے تو ہمارے گروپ کا لیڈر اسد ہو گا، کیا خیال ہے؟ "کاشف نے بڑے پُراسرار لہجے میں کہا تو میں چونک گیا۔"کیا وہ اتنی بھاری ذمے داری اٹھالے گا۔ یہی سوال ہے نا تمہارے ذہن میں؟"

"ہاں کاشف !....میں یہی سمجھتا ہوں" ۔ میں نے تیزی سے کہا۔

"یہی تو بات ہے، ایک ممولا، جس کو شاہین ہی سے نہیں، بڑے سارے شکروں، گدھوں اور چیلوں سے لڑانے کی بات کر رہا ہوں ....میں غلط نہیں ہوں، میرا اندازہ غلط نہیں ہے، اس میں یہ ساری خوبیاں موجود ہیں، صرف حوصلہ دینے اور اسے اس کی طاقت کا احساس دلانے کی ضرورت ہے"۔ کاشف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”یہ کیا کہہ رہے ہو تم، مجھے خود سمجھ میں نہیں آرہا ہے؟ “میں نے واقعتا حیران ہوتے ہوئے کہا۔

”میں چاہتا تھا کہ وہ آجائے تو میں بات کروں، پتہ کرو، اگر وہ یہیں کہیں نزدیک ہے تو “....کاشف نے کہا تو رخشندہ نے فوراً اپنے سیل فون سے اسے کال ملانا شروع کر دی۔ چند ہی لمحوں میں رابطہ ہو گیا۔ وہ بات کرتی رہی پھر سیل فون بند کر کے بولی۔

”وہ یہیں نزدیک ہے، رابعہ کے ساتھ ، کچھ دیر بعد آجاتا ہے“۔

”تو چلو اسے آجانے دو، میں اتنے میں چائے کا پوچھتا ہوں، وہ ابھی تک لے کر نہیں آیا“۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا تو ماہم فوراً بولی۔

”ہم نے ڈنر بھی ادھر ہی لینا ہے، لیکن اپنے اس شیف کو کچھ بنانے کے لیے مت کہنا۔ میں نے آرڈر کر دیا ہوا ہے۔ بس ریستوران سے لانا ہو گا“۔

”اوکے، فی الحال چائے کا تو پوچھوں“۔ میں نے کہا اور باہر کی جانب چل دیا۔

اس وقت جند وڈاچائے کے ساتھ لوازمات رکھ کے جارہا تھا، جب سبزہ زار کی بیل ہوئی۔ جند وڈا سیدھا اس طرف چلا گیا۔کچھ لمحوں بعد گیٹ کھلا اور اس میں سے

اسد اور رابعہ دونوں اندر آ گئے۔ وہ دونوں یوں دکھائی دے رہے تھے جیسے بہت تھک گئے ہوں۔ وہ سکون سے بیٹھا تو میں نے ان دونوں کی جانب دیکھ کر کہا۔

”اچھا ہوا تم آ گئے ہو، ورنہ تجھے جا کر لے آنا پڑتا۔ یہ کاشف تمہارے بارے میں کچھ بتانا چاہ رہا تھا“۔ میرے یوں کہنے پر اسد ذرا سا چونکا اور پھر دھیرے سے مسکرا دیا۔ تب کاشف بولا۔

”اب میں بتاتا ہوں۔ کل شام یہ دونوں شاپنگ کے بعد کیمپس بس میں واپس ہاسٹل کی طرف آ رہے تھے۔ یہ رابعہ کے ساتھ ہی اس کے ہاسٹل اتر گیا، تاکہ اس کا سامان گیٹ تک چھوڑ دے۔ وہیں کہیں ہاسٹل کا وہ ناظم بھی تھا، جس کے ساتھ کچھ دین پہلے معاملہ ہوا تھا۔ وہ ایک گاڑی میں تھے، تین تھے یا چار....؟ “یہ کہتے ہوئے اس نے اسد کی طرف دیکھا۔

”چار تھے “....اسد نے دھیرے سے بتایا۔

”وہ اس کی طرف بڑھے، پہلے پہل تو منہ ماری ہوئی اور جب انہوں نے اس کی پٹائی کے لیے پر تولے تو اس نے ریوالور نکال لیا“۔

”تم اسلحہ رکھنے لگ گئے ہو؟ “میں نے حیرت سے پوچھا۔

”سنو !....ریوالور نکالا ہی نہیں بلکہ فائر بھی کر دیا۔مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ ان کے پاس بھی اسلحہ تھا، لیکن وہ بدحواس ہو گئے اور بھاگ گئے“۔

”کیا یہ سچ ہے ....مجھے نہیں بتایا؟ “میں نے حیرت اور خوشی کے ملے جلے لہجے میں پوچھا تو کاشف نے کہا۔

”یہ سچ ہے، تبھی بتا رہا ہوں نا، اب اس کی دلیری دیکھو“!....

”بے وقوفی ہے یہ“.... رابعہ تیزی سے بولی۔

”جو بھی ہے“۔ کاشف نے نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔” یہ رابعہ کو وہیں چھوڑ کر اس کے ہاسٹل چلا گیا۔ یہ اچھا ہوا کہ وہ وہاں ہاسٹل نہیں گئے تھے، کسی اور طرف چلے گئے ہوں گے ....یہ وہاں بھی فائر کر کے واپس اپنے ہاسٹل چلا گیا“۔

”یہ اسد نے کیا....؟ “میں نے حیرت سے پوچھا۔کیونکہ مجھے یقین نہیں آرہا تھا۔ تبھی رابعہ بولی۔

”ہاں یہ اسی نے کیا، مجھے تو آج صبح پتہ چلا ہے کہ یہ ہاسٹل“....

”کہیں اسی لیے تو فرخ چوہدری صبح صبح “....میں کہتے کہتے رک گیا۔

”ہاں، اس لیے، مجھے اس کا یقین تھا۔ وہ ایسا کرے گا۔ پھر تمہارا فون آگیا تو میں نے اس کا سارا بندوبست کر لیا“ ۔ یہ کہہ کر وہ لمحہ بھر کو رکا اور پھر کہتا چلا گیا۔

"بات یہ ہے ابان، اب یہ معاملہ رکنے والا نہیں۔ ہم میں سے کسی کا بھی کوئی سمجھوتہ ہو جاتا ہے تو وہ اپنی جگہ، لیکن کسی نہ کسی کے ساتھ تو یہ الجھن چلے گی نا"....

"کاشف !....مجھے سمجھانا چھوڑو، اب یہ طے کرو کہ کرنا کیا ہے"۔ میں نے بات کو سمیٹتے ہوئے کہا۔

"یہی کہ اب اسد کیمپس میں لیڈ کرے گا، یہ اپنے فیصلے میں آزاد ہے۔ جو کہے گا، وہ ہم کریں گے۔ ہاں اگر یہ مشورہ کر لیتا ہے تو ہم اسے بہترین مشورہ دیں گے"۔ کاشف نے حتمی انداز میں کہا۔

"کس نے کیا کرنا ہے، یہ بھی ہم سب مل کر طے کر لیں گے۔ اس میں اتنا گھرانے کی ضرورت بھی نہیں"۔ ماہم نے جلدی سے کہا۔

"اب یہ اسد ہی بتائے گا کہ وہ یہ کر سکتا ہے یا نہیں؟ "میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کر سکتا ہے، یہ تو کنفرم ہے"۔ عدنان نے ہلکے سے مسکراتے ہوئے کہا تو سب اسد کی طرف دیکھنے لگے۔ وہ چند لمحے خاموش رہا، پھر انتہائی سنجیدگی سے بولا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

"میں اکیلا کیا ہوں، کچھ بھی نہیں، میں اس کیمپس میں تنہا ہوں۔ میری پشت پر نہ کوئی جاگیردار خاندان ہے، نہ کوئی سیاسی گھرانہ اور نہ ہی کوئی سرمایہ دار نہ پس منظر، میں ایک عام سے گھر کا فرد ہوں۔ میں اگر یہاں مر گیا نا تو میری لاش میرے گھر والوں تک پہنچے گی یا نہیں، میں یہ بھی یقین سے نہیں کہہ سکتا۔ مگر میں نے دیکھا، یہاں معاشرے کے اس جنگل میں وہی رہ سکتا ہے جس کے پاس طاقت ہے، کمزور یا شریف کو یہاں اس معاشرے میں رہنے کا کوئی حق نہیں۔ غنڈے، بدمعاش، سازشی اور منافق لوگوں ہی کی چلتی ہے، اب جینا تو ہے، کیسے جینا ہے، اس کا ڈھنگ مجھے چند دن پہلے معلوم ہوا۔ لوہے کو اگرچہ لوہا کاٹتا ہے، لیکن یہ جو بے غیرت سازشی اور منافق ہوتے ہیں، ان بزدلوں کے لیے خود کو تیار رکھنا بہت ضروری ہے۔ ورنہ ان کا گند اتنا پھیلے گا کہ کمزور اور شریف انسان اس معاشرے میں نہیں رہ پائیں گے۔ میرے جیسے نہ جانے کتنے اس کیمپس میں ہیں۔ جو وقت گزارنے پر مجبور ہیں۔"

"اور تمہارے جیسوں کی وجہ ہی سے یہ لوگ یہاں کیمپس پر حکومت کر رہے ہیں جو ظلم سہہ کر خاموش ہو جاتے ہیں اور ان بزدلوں کو منہ توڑ جواب نہیں دیتے"۔ کاشف نے انتہائی تلخی سے کہا۔

”کیا اب تم وہی کچھ کرو گے جو کاشف کہہ رہا ہے ؟ “میں نے یقین کرنے کے لیے پوچھا۔

”ہاں !....میں وہی کرنے جارہا ہوں۔ ابان، تمہارے آنے سے پہلے تک میں نے یہاں بہت ساری ذلالت سہی ہے۔داخلے سے لے کر کلاس روم میں وقت گزارنے تک ....کیا میں یہاں پڑھنے آیا ہوں عزت، احترام اور مان کے ساتھ یا پھر ذلیل ہونے کے لیے ؟ “اس نے تلخی سے کہا پھر سانس لے کر بولا۔”کب تک ابان میرے ساتھ جا کر بدلہ لیتا رہے گا؟“

”اوکے !....اور کوئی ہو نہ ہو، میں تمہارے ساتھ ہوں“۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو ر ابعہ بولی۔

”اور اسد تم مجھے کبھی خود سے دور نہیں پاؤ گے“....

اس نے خود اس حد تک جذباتی لہجے میں کہا کہ سبھی اس کو ستائشی اور محبت بھرے انداز میں دیکھنے لگے تو ماہم نے توجہ دلاتے ہوئے کہا۔

”یار چائے پیؤ، ٹھنڈی ہو جائے گی“۔

سب نے چائے کا اپنا اپنا مگ اٹھایا اور پینے لگے، ساتھ میں جس کا دل چاہا وہ لوازمات میں سے اٹھاتا گیا۔ چند لمحے یونہی گزر گئے۔ تبھی رخشندہ نے کہا۔

”تو پھر یہ طے ہے کہ ہم سب اپنی اپنی جگہ کیمپس پر گرفت کے لیے کام کریں گے؟“

”کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ یہ اتنا ہی آسان ہے ، جتنا تم نے کہہ دیا ؟ “ماہم نے تیزی سے کہا۔

”نو، نیور !....ایسا نہیں، یہ بہت مشکل ہے، مگر ناممکن نہیں، دھیرے دھیرے ، قدم بہ قدم چلنا ہو گا اور وہ بھی بہت محتاط انداز میں ، سب سے پہلے تو ہمیں یہ منوانا ہے کہ ہم ہیں؟“

”کیسے ....یہ منوانا کیسے ہو گا؟“اسد نے پوچھا۔ اس کے لہجے سے مجھے یوں لگا کہ جیسے وہ اپنی ذمہ داری کو ابھی سے سمجھ گیا ہے۔

”ویری سمپل یار !....اپنے دائرہ اختیار میں، اپنے جیسے سٹوڈنٹس کی پورے دل و جان سے مدد کی جائے۔ یہ مدد چاہے، اخلاقی ہو، حوصلہ دینا ہو، روپے پیسے سے مدد کرنا ہو یا ان کے لیے کسی سے لڑنا جھگڑنا بھی پڑے۔ کیمپس انتظامیہ سے بھی الجھنا پڑ سکتا ہے، حق دار کو اس کا حق دلایا جائے“۔

”یہ راستہ طویل تو ہے لیکن بہت موثر ہے“۔ میں نے اس کی بات سمجھتے ہوئے کہا۔

"یہی اپنانا ہے اور اپنے آپ کو منوانا ہے"۔ رخشندہ نے سنجیدگی سے کہا تو ماہم نے جلدی سے کہا۔

"ایک بات سن لیں سب، کیمپس میں موجود جتنے بھی عاشق مزاج لوگ ہیں، انہیں کچھ نہیں کہنا، انہیں ان کے حال پر چھوڑ دینا ہے"۔

اس کے یوں کہنے پر سبھی مسکرا دیئے۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو، اتنی سنجیدہ گفتگو چل رہی تھی "....میں نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"اس لیے تو میں نے کہا۔ ہم سب ایک ہیں، بس باقی جو حالات ہوں گے، ان کے بارے میں دیکھا جائے گا، اس میں اتنا سر کھپانے کی ضرورت نہیں اور رخشی تم، مجھے معلوم ہے پلان بنانے میں تمہارا کوئی جواب نہیں۔ تم نا یہ اکیلے میں پلان بنا کر دے دیا کرو وہ ہم اس پر آنکھیں بند کر کے عمل کر لیا کریں گے"۔

"لو جی، بات ختم ....اب جو اسد کہے گا وہی ہو گا"۔ کاشف نے کہا اور صوفے پر پھیل کر چائے پینے لگا۔ پھر یونہی اسد کی جھڑپ کے حوالے سے باتیں چلتی رہیں۔ وہاں سے بات نکلی تو کئی موضوعات زیر بحث آتے چلے گئے۔یہاں تک کہ اندھیرا اتر آیا۔ سہ پہر میں جو ایک اجنبیت ہم میں حائل تھی، وہ ختم ہو چکی تھی۔ ماہم

نے جو ڈنر کے لیے آرڈر دیا تھا، وہ لینے کے لیے عدنان اور جند وڈا چلے گئے تھے۔ رابعہ اور ماہم نے میز سجا دیا تھا۔ بہت خوشگوار ماحول میں ڈنر کیا گیا۔ ڈنر کے بعد رخشندہ ، کاشف اور عدنان پہلے اور رابعہ کے ساتھ اسد بعد میں چلے گئے۔

اب صرف ماہم اور میں ڈرائنگ روم میں رہ گئے تھے۔ کافی دیر خاموشی کے بعد وہ بولی۔

”ابان !....چلیں چھت پر چلتے ہیں کھلی ہوا میں، وہاں جا کر گپ شپ کرتے ہیں“۔

”کیا تمہارا راد ہ گھر جانے کا نہیں ہے؟“میں نے یونہی پوچھ لیا۔

”ہے “!....مگر ابھی نہیں میں بہت دنوں سے بہت ساری باتیں آپ سے کرنا چاہتی ہوں“۔ اس نے اٹھتے ہوئے کہا تو میں بھی اٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد ہم چھت پر آگئے۔ وہاں پلاسٹک کی کرسیاں پہلے ہی پڑی ہوئیں تھیں۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی چاروں طرف دور دور تک رنگ برنگی روشنیاں ستاروں کی مانند دکھائی دے رہی تھی۔ ایک سکون سامن میں اتر گیا جیسے میں بھی کہیں اس ماحول کا حصہ ہوں۔ ہم دونوں ریلنگ کے ساتھ جا کر کھڑے ہو گئے جہاں سے سبزہ زار کے باہر گزرتی ہوئی سڑک صاف دکھائی دے رہی تھی۔ پیلی روشنی میں گیٹ اور سڑک واضح دکھائی دے رہی تھی۔ ہم دونوں خاموش تھے۔ میں خود ہی یہ چاہ رہا

تھا کہ وہ جو باتیں کرنا چاہتی ہے، وہ کرے۔ کتنے ہی لمحے یونہی خاموشی کی نذر ہو گئے۔ تب پھر اچانک وہ بولی۔

"ابان !....مجھے یہ پوری طرح احساس ہے کہ آپ میں میرے متعلق بہت سارے سوال ہوں گے اور میں بھی آپ کے بارے میں بہت سارے سوال رکھتی ہوں۔ میں کچھ سچائیاں بتا دینا چاہتی ہوں، پھر اس کے بعد آپ جو بھی سوال کرو گے میں اس کا پوری سچائی کے ساتھ جواب دوں گی۔ میرے سوالوں کے جواب دیں یا نہ دیں، میں اس پر اصرار نہیں کروں گی"۔

"ماہم !.... مجھ سے تم یہ امید رکھ سکتی ہو کہ جو تم پوچھو گی، وہ میں بتا دوں گا، مگر ایک بات میں تمہیں بتادوں، تعلق میں خلوص صرف اس وقت آتا ہے جب درمیان میں شک نہ ہو۔ یقین ہی تعلق کو مضبوط کرتا ہے"۔ میں نے عام سے لہجے میں کہا۔

"وہی تو ! ....میں آپ کے ساتھ تعلق رکھنا چاہتی ہوں۔ وہ تعلق جو بہت نرم، اٹوٹ اور خلوص والا ہو۔ اس لیے میں کوئی شک رکھنا بھی نہیں چاہتی"۔ یہ کہہ کر وہ چند لمحے خاموش رہ کر دور اندھیروں میں گھورتی رہی۔ پھر ایک گہری سانس لے کر بولی۔" میں ایک امیر باپ کی اکلوتی بیٹی ہوں۔ میرے باپ نے جو کما یا وہ

مجھے ہی ملنے والا ہے۔ میری یہ حیثیت ایک طرف ، لیکن .... یہ دولت مندی، یہ امارت اور ایسے اسٹیٹس نے مجھ سے بہت کچھ چھین بھی لیا ہے۔ میرا باپ دولت کماتا چلا جارہا ہے اور بے تحاشا دولت اس کے اکاؤنٹ میں آتی چلی جارہی ہے مگر میری ماں اب بھی دیہات کی ایک عورت ہے۔ ایسی عورت جو اَپر کلاش میں نہیں چل سکتی۔ میں نہیں سمجھتی کہ دولت کمانا بری بات ہے، یہ ہوگی تو ہم اس معاشرے میں عزت حاصل کر سکتے ہیں۔ پھر میرے پاپا نے غربت دیکھی ہے۔ خیر !....میرا بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دولت کے ساتھ جو برائیاں در آتی ہیں وہ غلط ہیں۔ میرے پاپا اور میری اماں کے درمیان بہت فاصلہ ہے۔ اتنا فاصلہ کہ میں دو انتہاؤں کے درمیان کھڑی یہی سوچتی رہتی ہوں کہ اگر میں ایک انتہا کی طرف چلی گئی تو دوسری انتہا میری نگاہوں سے اوجھل ہو جائے گی“۔

”تمہاری کشش کسی ایک طرف تو ہو گی نا “....میں نے کہنا چاہا تو ایک گہری سانس لے کر بولی۔

”یہی تو الجھن ہے میری زندگی میں۔ کوئی ایک بھی میری ذات میں دلچسپی لیتا نا تو میں اسی انتہا کی کشش میں ہوتی ۔ میں ایک بے نام سہارے کی طرح اپنے گھر کی کائنات میں رہی۔ وقت ، حالات اور ماحول نے جو چاہا مجھے بنا دیا۔ میرے پاپا دولت

مند ہونے کے ساتھ ساتھ مضبوط سیاست دان بن گئے اور میری اماں محدود ہوتے ہوتے ایک کمرے میں مقید ہو گئی۔ ان دونوں میں کئی کئی دن تک بات نہیں ہوتی۔ خیر !....بتانا میں یہ چاہ رہی ہوں کہ میرے گھر کا یہ ماحول ہے، میں اگر رات دیر سے بھی گھر چلی جاؤں تو مجھے کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ لڑکپن ہی میں مجھے یہ احساس ہو گیا تھا کہ مجھے اپنا آپ خود بنانا ہے۔ اس ماحول اور معاشرے میں زندہ رہنا ہے۔ اپنی انا اور وقار کے ساتھ، اس کے لیے میں نے فائر کرنا بھی سیکھا اور اس دنیا سے کیسے نبرد آزما ہونا ہے، یہ بھی میں نے سیکھا"۔ وہ آہستہ آہستہ اپنے بارے میں بتاتی چلی جاری تھی، چند لمحے خاموش رہنے کے بعد اس نے میرے چہرے پر دیکھا اور سکون سے بولی۔" زندگی سے میں نے بہت کچھ سیکھا اور جو بھی مشکل پیش آتی رہی میں نے اس کا مقابلہ کیا"۔

"لیکن یہ فرخ چوہدری والا "....میں نے کہنا چاہا تو اس نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"وہی بتانے جارہی ہوں نا، فرخ چوہدری سے میری ٹھن جانا کوئی اتفاقیہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ سب کچھ پورے پلان کے ساتھ ہو رہا ہے۔ اس کا خاندان اس علاقے میں سیاسی گرفت رکھتا تھا اور یہ گرفت میرے پاپا نے ہی ختم کی۔ پہلے اس کا والد ایم

این اے تھا، اب میرے پاپا ہیں۔ اگرچہ ان دونوں خاندانوں میں بظاہر کوئی چپقلش دکھائی نہیں دیتی۔ عوام بھی ان کی مخالفت سے بے خبر ہیں، لیکن اندر ہی اندر میرے پاپا اپنا دفاع کرتے چلے جارہے ہیں اور وہ انہیں ختم کرنے کا کوئی موقعہ ضائع نہیں کرتے۔ میں پورے یقین سے نہیں کہہ سکتی کہ میرے معاملے کے بارے میں فرخ کا باپ جانتا ہو گا، لیکن فرخ خود ایم پی اے کا امید وار ہے۔ وہ جس ہتھکنڈے کے تحت میری طرف بڑھا تھا، میں اسے خوب اچھی طرح جانتی ہوں۔ میں خود ہی اس مسئلے کو حل کرلینا چاہتی ہوں"۔

"کیا خود حل کر پاؤ گی....؟ "میں نے دھیرے سے پوچھا۔

"کوشش تو کر رہی ہوں، کیمپس میں آ کر مجھے بہت حوصلہ ملا ہے کہ میں اس کا پوری طرح مقابلہ کر سکوں، پہلے میں نے یہی سوچا تھا کہ کوشش کرتی ہوں۔ بے بس ہو گئی تو پاپا کو بتادوں گی۔ اب سچ پوچھو،آپ سے ملنے کے بعد نہ جانے مجھے کیوں یقین ہو گیا ہے کہ میں نہ صرف اس مقابلہ کرلوں گا، بلکہ اسے بے بس ہو جانے پر مجبور کر دوں گی"۔ ماہم نے میرے قریب ہوتے ہوئے یوں کہا جیسے وہ بہت پُراعتماد ہو۔ تب میں نے اس سے صاف صاف بات کرنے کا فیصلہ لمحوں میں کر لیا۔ میں نے ریلنگ چھوڑی اور سیدھا ہوتے ہوئے کہا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

”ماہم، تم جو بھی سوچ رہی ہو، وہ اپنی جگہ ٹھیک ہو گا۔ فرخ چوہدری کے معاملے میں تمہاری مدد خود بخود ہو جائے گی۔ وہ کوئی ایشو نہیں ہے۔ کیونکہ اب میرا اور اس کا براہِ راست معاملہ بن گیا، لیکن نہ جانے کیوں ماہم، مجھے یہ کیوں لگتا ہے کہ تم اگر تعلق بناتی ہو تو اس میں فقط تمہاری غرض شامل ہوتی ہے۔ بے لوث، پُرخلوص اور وفا کی بنیادوں پر تمہارا کوئی تعلق نہیں“۔ میرے یوں کہنے پر وہ چونک گئی۔ پھر چند لمحے نگاہیں جھکائے نہ جانے کیا سوچتی رہی، پھر جو اس نے چہرہ اٹھایا تو اس پر شرمندگی کا تاثر صاف پڑھا جاسکتا تھا۔ میں اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر جیسے اس نے حوصلہ جمع کر کے کہا۔

”ابان !.... آپ ایسا سوچ سکتے ہو۔ شاید یہ میری آپ کے معاملے میں جلد بازی ہے یا میری احمقانہ سوچ مجھے ہر وقت آپ کے بارے میں سوچنے پر مجبور کئے رکھتی ہے۔ پتہ نہیں کیا ہے میں اس وقت آپ کو اک ذرا سی نہ دلیل دے سکتی ہوں نہ کوئی وضاحت کرنے کی پوزیشن میں ہوں اور سچ پوچھیں نا، میں کوئی دعویٰ بھی نہیں کر سکتی۔ مجھے آپ کے اس طرح سوچنے پر نہ کوئی حیرت ہے اور نہ کوئی دکھ ، آپ کو یہاں کیمپس میں آتے ہی حالات ایسے ملے ہیں کہ آپ کسی پر کوئی اعتماد نہیں کر سکتے۔ میں نے اگر آپ سے یہ کہا ہے کہ مجھے آپ سے محبت ہے تو

یہ غلط نہیں ہے۔ اس سے مجھے کوئی روک بھی نہیں سکتا، اور نہ میں اس کا کوئی صلہ آپ سے چاہتی ہوں۔ ہاں بس اتنا ضرور کہوں گی کہ وقت بتائے گا اور خود ہی فیصلہ کر دے گا کہ میں آپ سے کس قدر محبت کرتی ہوں“۔

”وقت نے تو بہت سارے فیصلے کرنا ہی ہوتے ہیں، لیکن بعض اوقات کسی ایسے ہی وقت کے انتظار میں ہم بہت کچھ گنوا چکے ہوتے ہیں۔ ماہم میری بات کا برا مت ماننا، میں اگر کہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے تو یہ جھوٹ ہو گا، ہاں مگر ایک اچھی دوست کے طور پر تم مجھے دل و جان سے قبول ہو۔ ایک دوست میں خوبیاں اور خامیاں تو ہوتی ہیں۔ مجھ میں ہزار خامیاں ہوں گی ، لیکن“....

”ابان !....فارم ہاؤس پر میں بہت حد تک جذباتی ہو گئی تھی، میں نے بعد میں بہت کچھ سوچا تھا، لیکن خیر !....اگر آپ کے ذہن میں کہیں یہ ہے کہ میں فرخ چوہدری کے معاملے میں کسی مدد کے لیے آپ سے تعلق بنایا ہے تو یہ غلط ہے۔ایسا قطعاً نہیں ہے۔ آپ میرے اس طرح کے کسی معاملے میں میری کوئی مدد نہ کریں، تو مجھے آپ سے ذرا سی بھی کوئی شکایت نہیں ہو گی، لیکن اگر میں ایسے ہی کسی معاملے میں آپ کے لیے سینہ سپر ہوئی تو آپ مجھے نہیں روکیں گے“۔وہ کافی حد تک جذباتی ہو گئی تھی۔

”مجھے تمہاری محبت سے انکار نہیں، لیکن ایک بات میں کہہ دوں، اگر مجھے کبھی یہ یقین ہو گیا کہ تم مجھے استعمال کرنے کی کوشش کر رہی ہو تو ہمارے راستے الگ الگ ہوں گے“۔ میں نے پھر صاف گوئی سے کہہ دیا۔

”ایسا کچھ نہیں اور نہ ہی میں یہ پوچھوں گی کہ آپ کو یہ خیال کیوں آیا۔ آپ ایسا نہ سوچو، میری محبت خود ہی سب کچھ منوا لے گی“۔ یہ کہتے ہوئے وہ دھیرے سے ہنس دی۔

”اوکے !....اب ہم اس موضوع پر بات نہیں کریں گے۔ ویسے کیا یہ سچ ہے کہ فرخ چوہدری تم پر مرمٹا ہے؟ “میں نے ہنستے ہوئے کہا تو کھکھلا کر ہنس دی۔

”میرے لیے اس کے وہی جذبات ہیں جو ایک دشمن کے لیے ہوتے ہیں“۔ وہ مسکراتے ہوئے بولی تو میں بھی ہنس دیا۔ ملگجے اندھیرے میں اس کا چہرہ اور خاص طورپر خوبصورت آنکھیں بہت اچھی لگ رہی تھیں۔ تنہائی میں ایک خوبصورت لڑکی اپنے ہونے کا بھر پور احساس دلا رہی ہو تو کون کافر ایسا ہے، جس کے من میں نرم و کومل جذبے نہ پھوٹیں۔ نسوانی قرب میرے اندر جذباتی کیفیات کا مدوجذر لانے لگا تھا۔

میں نے اس کے چہرے پر سے نگاہیں ہٹائیں اور یونہی ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ میں نے دیکھا، سبزہ زار کے گیٹ کے قریب ایک موٹر سائیکل آ کر رکی۔ اس پر دونو جوان سوار تھے۔ وہ دونوں تیزی سے نیچے اترے ۔ موٹر سائیکل سٹینڈ پر لگائی اور لمحوں کی سی تیزی کے ساتھ باونڈری وال کی طرف بڑھے، ایک یقینا جھکا ہو گا، کیونکہ دوسرا باو نڈری والا پر ظاہر ہوا۔ اس نے کوئی چیز اندر کی طرف پھینکی اور دم سادھے رکا رہا۔ پھر دیوار پر چڑھ گیا۔ اب مزید کسی انتظار کی گنجائش نہیں تھی۔ یہ وہ موقعہ تھا جب ریوالور میرے پاس نہیں تھا۔ وہ نیچے بیڈروم میں پڑا تھا۔ میں بجلی کی سرعت سے نیچے جانے لگا تو یہ دیکھ کر حیران رہ گیا، جب ماہم نے اپنی سائیڈ پاکٹ سے ریوالور نکال لیا اور پھر سیفٹی کیچ ہٹا کر نشانہ لے لیا۔ تبھی وہ آہستہ آواز میں مگر تیزی سے بولی۔

”میں اسے کور کرتی ہوں، آپ نیچے جاؤ، کوشش کریں کہ ان میں سے کوئی ایک زندہ پکڑ لیں“۔

”اوکے“۔ میں نے کہا اور تیزی سے نیچے کی جانب بڑھا۔

میرا ایک زخمی بازو میری راہ میں رکاوٹ تھا، میں اس سے گتھم گتھا نہیں ہو سکتا تھا۔ مجھے سلیم پر غصہ آرہا تھا کہ وہ کدھر گیا۔ میں اوپری منزل پر اپنے بیڈ روم میں گیا۔ فوراً اندھیرے ہی میں اپنا ریوالور اٹھایا اور کھڑکی میں آگیا۔ جہاں سے نیچے کا منظر دکھائی دے سکتا تھا۔ میں اندھیرے میں تھا اور سامنے کا منظر روشن تھا۔ وہ نوجوان دکھائی نہیں دیا۔ بلاشبہ وہ اندر آگیا تھا۔ جندوڈا کچن میں تھا۔ اب معلوم نہیں کہاں ہو گا؟ میں محتاط انداز میں سیڑھیاں اترنے لگا جو ڈرائنگ روم میں اترتی تھیں۔ وہاں ہلکی سی روشنی تھی۔ میں ابھی سیڑھیوں کے درمیان ہی تھا کہ دو شخص ایک دوسرے سے گتھم گتھا تھے۔ اگلے ہی لمحے میں نے انہیں پہچان لیا۔ دیوار سے کودنے والا نوجوان سلیم کی گرفت میں تھا۔ میں تیزی سے بڑھا اور جاتے ہی نووارد کے سر پر زور سے ریوالور کا دستہ مارا۔ اس کے ہاتھ پاؤں ڈھیلے پڑ گئے۔ پھر وہ بے ہوش گیا۔ ابھی میں نے اسے صحیح طور پر دیکھا بھی نہیں تھا کہ چھت پر سے فائر کی آواز آئی۔ تقریباً دو لمحے میں تین فائر ہوئے اور پھر سناٹا چھا گیا۔ میں بھاگ کر باہر کی جانب لپکا، دوسرا نوجوان باونڈری وال کے پاس لان میں تڑپ رہا تھا۔ پہلی ہی نگاہ میں اندازہ نہیں ہو پایا کہ اسے کہاں فائر لگا ہو گا۔ جیسے ہی میں اس کے قریب پہنچا۔ وہ لان میں بے حس و حرکت پڑا ہوا تھا۔

میں نے اسے دیکھا، وہ اجنبی سا نوجوان تھا، پہلے میں نے اسے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کے فقط ایک جگہ فائر لگا تھا۔ باقی دو ضائع چلے گئے تھے۔ خون کافی پھیلا ہو ا تھا جو اس کی گردن بازو اور سینے پر تھا۔ پہلی نگاہ میں پتہ نہیں چل رہا تھا کہ گولی کہاں لگی ہے۔ میں اس کے پاس پہنچ گیا اور جیسے ہی اس کے پاس پہنچا، اوپر سے فائر ہوا اور پھر مسلسل فائر ہوتے چلے گئے ، اس سے پہلے میں کچھ سمجھتا، سڑک سے بھی فائر ہونے لگے، میں تب سمجھا کہ باہر سڑک پر کوئی دشمن ہیں، جنہیں ماہم نے دیکھ لیا ہے اور اس نے فائر کرنا شروع کر دیئے ہیں۔ یہی وقت تھا جب اپنے حواس پر قابو رکھنا بہت ضروری تھا۔ میں خود فوراً گیٹ کی طرف بڑھا اور اس کی جھری میں سے باہر کا نظارہ دیکھنے کی کوشش کی، باہر ایک موٹرسائیکل اور ایک جیپ تھی، جس کے اردگرد چند لڑکے تھے اور ان کے پاس اسلحہ تھا۔ میں فوراً ہی پیچھا ہٹا اور ڈرائنگ روم میں آگیا۔ سلیم وہاں نہیں تھا اور نوارد بے ہوش پڑا ہوا تھا۔ میں بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اپنے کمرے کی جانب بڑھا، وہاں کھڑکی سے باہر کا منظر بہت واضح نظر آسکتا تھا، میں نے دراز میں سے فاضل راؤنڈ نکالے اور باہر دیکھا۔ میرے سامنے سڑک پر جیپ اور موٹر سائیکل ہی تھا، کوئی ذی روح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ میں نے جیپ کے ٹائر میں فائر مراتو وہ دھماکے

سے پھٹ گیا، جس کے ساتھ ہی دونوجوان لڑکے باہر کی طرف نکلے۔ میں نے یکے بعد دیگرے دو فائر کر دیئے۔ اس کے ساتھ ہی چیخیں بلند ہونا شروع ہو گئیں۔ ماہم کے پاس شاید گولیاں ختم ہو گئیں تھیں یا شاید اسے فائر لگ گیا تھا۔ یہ سوچتے ہی میں بری طرح چونک گیا۔ میں نے لمحے کے ہزارویں حصے میں فیصلہ کر لیا کہ مجھے ماہم کے پاس جانا چاہیئے۔

میری توقع کے مطابق سلیم ڈرائنگ روم میں تھا۔ میں نے جاتے ہی یہ باتیں اس سے کہہ دیں جو میں سوچ رہا تھا۔ وہ بڑے غور سے میری باتیں سنتا رہا اور پھر بولا۔

"سر جی، آپ کو پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔ میں بس آپ کے دوستوں کے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ سکیورٹی کے کئی لوگ میری فون کال کا منتظر ہیں۔ آپ اپنے کمرے میں جا کر آرام کریں۔ وہ لوگ ابھی آجائیں گے اور صبح چلے جائیں گے"۔

"اوکے"!.... میں نے مطمئن ہوتے ہوئے کہا اور اوپری منزل پر موجود ماہم کی طرف بڑھ گیا جو پوری طرح چوکس وہاں موجود تھی۔

اگلے دن کی صبح بڑی الجھی ہوئی تھی۔ میں رات گئے تک بہت کچھ سوچتا رہا تھا۔ میرے سوچنے کے دو پہلو تھے۔ ایک اسد، جسے شاید قربانی کا بکرا بنا کر کیمپس میں لیڈر کے طور پر کھڑا کیا جارہا تھا۔ دوسرا پہلو ماہم تھی، جو پل پل رنگ بدل کر میرے سامنے آرہی تھی۔ میں اس کے کس رنگ پر بھروسہ کروں؟ میں ابھی تک اس الجھن میں تھا۔ ایک طرف کیمپس کا ماحول میری سوچوں سے بالکل مختلف ہوتا چلا جارہاتھا تو دوسری طرف ماہم کی شخصیت نئے نئے رنگوں سے میرے سامنے کھل رہی تھی۔ رات دیر تک میں کوئی فیصلہ نہیں کرپایا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔ الجھی ہوئی شک زدہ سوچیں مجھے کسی بھی فیصلے پر ٹھہرنے نہیں دے رہی تھیں۔ تاہم ایک بات جو میری سمجھ میں آئی تھی، وہ یہ تھی کہ مجھے حددرجہ محتاط رہنے کے ساتھ ساتھ، ماحول کے مطابق فوری فیصلہ کرنا ہو گا۔ یہ عین ممکن ہے کہ میرے سارے فیصلے درست نہیں ہو سکتے، ان میں بہت ساری غلطیاں بھی ہوں گی۔ میری ہی کوشش ہونی چاہئے کہ جس قدر ممکن ہو سکے، غلطی نہ ہو پائے ورنہ یہ ممکن ہے کہ میں اپنے مقصد سے بہت دور جاپڑوں۔ میں ناشتہ کر کے اخبار پڑھ چکا تھا، جو مجھے بالکل پھیکی محسوس ہوئی تھی۔ میں نے خود پر غور کیا۔ یہ شک زدہ الجھی ہوئی سوچیں، مایوسی میں لپٹے ہوئے خیال بے چینی کا احساس مجھ پر طاری

کیوں ہے؟ کہیں میں قنوطی تو نہیں ہو گیا ہوں ذرا سی دیر میں مجھ پر یہ انکشاف ہو گیا کہ میرا زخمی ہی میں میرے ان سارے احساسات اور خیالات کی وجہ ہے میں بے کاروں سی زندگی گزارتے ہوئے اپنے گھر تک محدود ہو کر رہ گیا تھا۔ جب تک میں اس جمود بھری زندگی سے نہ نکلا میری حالت مزید خستہ ہوتی چلی جائے گی۔ یہ خیال آتے ہی چونک گیا۔ میں نے سیل فون اٹھایا اور ماہم کے نمبر پش کر دیئے۔ چند لمحوں بعد ہی اس سے رابطہ ہو گیا۔

"بولو پارٹنر !کیسے یاد کیا؟ "اس نے چہکتے ہوئے پوچھا۔

"تمہارا آج کا پروگرام کیا ہے"۔ میں نے جواب دینے کی بجائے اس سے پوچھ لیا۔

"کوئی ایسا خاص نہیں، بس کیمپس کا ایک چکر لگانا ہے۔ باقی جو آپ کہو، وہی کر لیتے ہیں"۔ اس نے خوشگوار لہجے میں بتایا تو میں نے کہا۔

"پھر ایسے کرو آجاؤ، ہسپتال چلتے ہیں۔ تنویر سے بھی مل آتے ہیں اور میں بھی اپنا زخم دکھالوں ڈاکٹر ....کو یقین جانو بڑی بوریت ہو رہی ہے"۔

"آپ تیار ہو جاؤ، میں آرہی ہوں"۔ اس نے تیزی سے کہا اور فون بند کر دیا۔

میں چند لمحے فون کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اٹھ گیا۔

میں تیار ہو کر ڈرائنگ روم میں آیا تو ماہم وہاں موجود تھی اور جندوڈا چائے رکھ رہا تھا۔ وہ پہلی نگاہ میں بہت خوب لگ رہی تھی۔ سیاہ شلوارہ قمیص سوٹ پہنا ہوا تھا۔ جس پر آف وائٹ کام تھا۔ بالوں کو اس طرح سنوارا ہوا تھا کہ شفاف گردن بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔ ہلکے ہلکے میک اپ کے ساتھ وہ خاصی پُرکشش دکھائی دے رہی تھی۔ جندوڈا چائے سرو کر کے واپس چلا گیا تو میں اس کے ساتھ بیٹھ گیا۔

"ایسے کیا دیکھ رہے آپ ؟" وہ میری نگاہیں بھانپ کر بولی تو میں مسکرا دیا۔ تب میں نے بھی کافی حد تک شوخ ہوتے ہوئے کہا۔

"آج میں قائل ہو گیا کہ حسن اپنی کشش رکھتا ہے۔ وہ پُرکشش حسن ، جس میں خوبصورت احساس بھی گھلے ہوں، اس کے لیے لوگ اپنا آپ کیوں قربان کر دیتے ہیں، یہ بھی مجھے سمجھ آرہا ہے"۔

"لگتا ہے آج بڑے رومانٹک ہو رہے ہو"۔ وہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولی۔

"بندہ رومانوی بھی تو اس وقت ہوتا ہے۔ جب رمانوی ہونے کی کوئی وجہ اس کے سامنے ہو، کیا تمہیں احساس نہیں کہ تم سراپا حسن ہو اور تمہارے قرب سے کوئی

بھی رومانوی ہو سکتا ہے"۔ میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے ٹھہرے انداز میں کہا۔

"اب مجھے بھی کچھ سمجھ میں آرہی ہے، بوریت انسان کو رومانوی کر دیتی ہے"۔ یہ کہہ کر وہ کھکھلا کر ہنس دی میں بھی مسکرائے بغیر نہیں رہ سکا۔

"ہاں کسی حد تک .... تم ٹھیک ہو، کیونکہ ایسے وقت میں خوبصورت ترین شے کے بارے میں سوچا جاتا ہے نا"۔ میرے یوں کہنے پر وہ ذرا سی شرمائی لیکن اگلے ہی لمحے میں بولی۔

"اور عام دنوں میں وہ خوبصورت ترین شے کیا ہو جاتی ہے؟ "اس کے لہجے میں طنز کی ہلکی سی کاٹ تھی۔ جسے نظر انداز کرتے ہوتے میں نے اس کی طرف دیکھا اور پھر ہنستے ہوئے بولا۔

"ہائے یہی تو المیہ ہے، اس ماحول کا، اس معاشرے کا، یہ پریشانیوں کا بوجھ ہی انسان پر اتنا لاد دیتا ہے کہ حسن کی طرف دیکھنے کی نہ فرصت ہوتی ہے اور سکت .... کاش، ہم زندگی کا لطف لینے کے لیے بے جا کدورتوں ، حسد اور منافقت سے بچ سکتے، لیکن کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ"....۔

"میرے سوال کا جواب دینا نہیں چاہتے یا آپ کے پاس جواب ہے ہی نہیں"۔ وہ ایک دم سے سنجیدہ ہو گئی۔

"نہیں ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے، بہت کچھ دل میں چھپائے ہوئے ہوں۔ مگر ہر بات اپنے وقت پر کہنا چاہتا ہوں"۔ میں نے کہا اور چائے کا ایک گہرا سپ لے لیا۔

"کہیں یہ نہ ہو کہ وقت ہی نکل جائے او ر بات نہ کہہ سکو"۔ وہ اسی سنجیدگی سے بولی تو میں سنبھل گیا۔ وہ بات کو کسی دوسرے ٹریک پر لے جارہی تھی۔ اس لیے میں چند لمحے خاموش رہا، پھر اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

"رخشندہ لوگوں کا دوبارہ فون نہیں آیا۔ کوئی رابطہ کوئی نئی بات....؟"

تبھی وہ گہری سانس لے کر بولی۔

"نہیں !....بالکل سکون ہے ، فرخ کی طرف سے بھی ابھی تک کوئی بات سامنے نہیں آئی اور ایسا سکون خوف زدہ کر دینے والا ہوتا ہے"۔ اس نے گہری سنجیدگی سے کہا تو وہ مجھے ایک مختلف سی ماہم لگی۔ میں خاموش رہا تو یہ خاموشی چائے کا آخری سپ لینے تک رہی۔ میں نے جندوڈا کو بلایا کر جانے کا کہا اور باہر آگیا۔

میرے پیچھے ہی ماہم آگئی۔ اس نے گاڑی باہر ہی کھڑی کی ہوئی تھی۔ کچھ ہی دیر بعد ہم ہسپتال کے لیے چل دیئے۔

تنویر گوپانگ تیزی سے بہتر ہو رہا تھا۔ میں اور ماہم جب اس کے پاس پہنچے تو فریش لگ رہا تھا۔ شاید کچھ دیر پہلے ہی اس نے منہ ہاتھ دھویا تھا کیونکہ اس کی مونچھیں بہت چمکیلی لگ رہی تھیں۔ ہمیں دیکھتے ہی اس کے چہرے پر رونق آگئی۔علیک سلیک کے بعد جب ہم اس کے پاس بیٹھ گئے تو اس کے پاس خدمت گار تھا، وہ فوری سوڈے کی بوتلیں کھول کرلے آیا۔ اس نے بوتلیں رکھیں اور فوراً ہی باہر چلا گیا۔ یقینا وہ ہماری باتوں میں مخل نہیں ہونا چاہتا تھا۔

”سناؤ کوئی نئی تازہ !....دل لگا ہوا ہے تمہارا یہاں پر....؟ “میں نے تنویر کے چہرے پر دیکھتے ہوئے ہلکی سی آنکھ دبا کر کہا۔ وہ میرا اشارہ سمجھ گیا۔ اس لیے ہلکی سی خوشگوار مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”دل تو لگانا ہی ہے نا یہاں۔ بس چند دن مزید لگیں گے پھر میں گھر چلا جاؤں گا۔ تمہارا زخم تو ٹھیک ہو گیا ہے نا“....

”ہاں ابھی ڈاکٹر کو دکھایا ہے، زخم بالکل ٹھیک ہے، بس یہی آخری پٹی ہے۔ دو چار دن ڈرائیونگ وغیرہ سے بچنے کا کہا ہے، باقی سب ٹھیک ہے“۔ میں نے اسے تفصیل سے بتا دیا تو وہ دلچسپی سے بولا۔

”سناؤ کیمپس کا کیا حال ہے؟سنا ہے کوئی نئی گیم شروع ہو گئی ہے“۔

اس سے پہلے کہ میں اسے جواب دیتا، ماہم نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں سکون سے کہا۔”تم چھوڑو گیم شیم کو، آرام سے گھر جاؤ، اور جلدی سے ٹھیک ہو کر واپس آؤ۔ بڑے کام ہیں کرنے کے لیے اپنے ذہن پر بوجھ مت ڈالو“۔

”لیکن میں تمہارے ساتھ اختلاف کروں گا ماہم“۔ میں نے سنجیدگی سے کہا۔

”وہ کیسے؟“اس نے استفہامیہ لہجے میں کہا۔

”اس کا بیڈ پر ہونے سے یہ مطلب نہیں ہے کہ بے کار ہو گیا۔ یہ جسمانی طور پر اگر ٹھیک نہیں ہے، تو ذہنی طور پر یہاں پڑے پڑے ہم سے بہتر سوچ سکتا ہے۔ میں تو کہتا ہوں اسے گھر نہیں جانا چاہیئے۔ یہ ہمارے پاس ہی رہے ادھر مکمل آرام کرے، گھر نہ جائے، اس کی وجہ سے ہم سب بہتر مشورہ کر سکتے ہیں“۔ میں نے اسے تفصیل سے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"ہاں !....یہ تو ہے، میں اس کی صحت کی وجہ سے کہہ رہی تھی"۔ اس نے صاف گوئی سے اعتراف کرلیا تو میں نے تنویر کی طرف دیکھ کر کہا۔

"تو بس ٹھیک ہے، ڈاکٹر جب بھی ڈسچارج کریں، تم میرے پاس آجاؤ، وہاں بھی گھر کا ماحول ہے"۔

"جیسے حکم میرے آقا"....تنویر نے سینے پر ہاتھ رکھ کر باقاعدہ جھکتے ہوئے کہا تو میں نے اسے رخشندہ لوگوں اور اسد کے بارے میں بتایا، وہ خاموشی سے سنتا رہا، گاہے بگاہے درمیان میں اپنا تبصرہ بھی کرتا رہا۔انھی باتوں میں تقریباً دو گھنٹے گزر گئے۔ تب میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"اچھا چل، اب تُو آرام کر ہم چلتے ہیں"۔

"یار جتنے دن میں ادھر ہوں، ایک چکر لگا جایا کر....؟"تنویر نے میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میں کوشش کروں گا۔ تو یہاں کتنے دن رہنا ہے، دو چار دن مزید، پھر میرے پاس ہی ہونا ہے۔ تیرے ارد گرد میلہ لگادوں گا"۔ میں نے اس کی طرف دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا تووہ کافی حد تک مطمئن ہو گیا اور ہم وہاں سے چلے آئے۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

"آپ نے تنویر کے معاملے میں بروقت فیصلہ کر کے اچھا کیا۔" پارکنگ سے نکلتے ہوئے ماہم نے کہا۔

"یار اتنے دن ساتھ رہ کر مجھے اس کی جوڑ توڑ کی صلاحیت کا اندازہ ہے۔ بنیادی طور پر وہ سیاست دان بننے کے چکر میں ہے نا، اس لیے وہ بڑا کار آمد بندہ ہے۔ وہ بستر پر بھی پڑا کام دے گا"۔ میں نے اپنی رائے دی۔

"آپ کو مشکل تو نہ ہو گی؟ "ماہم نے پوچھا۔

"نہیں، میں نے کون سا کھانا بنا کر دینا ہے"۔ میں نے عام سے لہجے میں کہا۔ اس وقت تک ماہم نے گاڑی مین روڈ پر ڈال دی تھی۔

"اب کیا پروگرام ہے؟ "اس نے پوچھا تو میں نے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"میرا تو کوئی نہیں، تم اگر چاہو تو"....

"آپ کے یا میرے چاہنے سے نہیں، اب تو ہمارے لیے کوئی اور ہی پروگرام بنا چکا ہے"۔ اس نے کچھ اس انداز سے کہا کہ میں چونک گیا۔

"کیا مطلب ، کیا کہنا چاہ رہی ہو تم"۔ میں نے تیزی سے پوچھا تو وہ بیک ویو مرر میں جھانک کر بولی۔

"کوئی مسلسل ہمارا تعاقب کر رہا ہے، بلکہ میں کہوں گی، میرا، میں جیسے ہی گھر سے نکلی ہوں، وہ سفید ہنڈا میرے پیچھے ہے"۔

اس کے کہنے پر میں نے غیر محسوس انداز میں پیچھے دیکھا۔ کچھ فاصلے پر وہی گاڑی آرہی تھی۔

"کون ہو سکتا ہے؟ "میں نے سرسراتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی تک تو مجھے نہیں معلوم، خیر پتہ کرتے ہیں"۔ اس نے بڑبڑانے والے انداز میں کہا اور گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ اس کی تمام تر توجہ گاڑی چلانے پر تھی۔ میرا ذہن پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔ میں اپنے طور پر سوچ رہا تھا کہ تعاقب کرنے والے کو کس طرح ٹریپ کرنا ہے۔ میرے ذہن میں یہ قطعاً نہیں تھا کہ ماہم نے کیا سوچ لیا ہے، میں اسے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتا۔ میں دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ کیا کرتی ہے۔ میں بیک مرر میں دیکھ لیا تھا کہ وہ گاڑی مسلسل ہمارے تعاقب میں ہے۔ گاڑی مین روڈ پر بھاگتی رہی اور اس وقت مجھے احساس ہوا کہ ہم کیمپس جارہے، جب مین گیٹ آگیا۔ ماہم نے گاڑی مختلف راہوں پر ڈالی اور پھر پارکنگ کے پاس جا کر رک گئی، وہ گاڑی بھی ذرا سے فاصلے پر رک گئی۔ ماہم نے سیل فون نکالا اور نہ جانے کس کے نمبر پش کرنے کے بعد بولی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

”ایک گاڑی چیک کرنی ہے ، فوراً پہنچو“۔ یہ کہتے ہی اس نے گاڑی کا رنگ ،میک اور نمبر بتا دیئے پھر اطمینان سے پرس وغیرہ اٹھا کر بولی۔” آئیں چلیں“۔

میں نے اس سے کوئی سوال نہیں کیا، بلکہ دوسری طرف سے اتر کر بڑے اطمینان سے اس کے ساتھ اپنے ڈیپارٹمنٹ کی جانب بڑھ گیا۔

سامنے ہی سے ہمارے چند کلاس فیلوز آرہے تھے۔ جن کی شکلوں سے تو میں واقف تھا لیکن ان کے نام نہیں جانتا تھا۔ ماہم ان کے پاس رک گئی اور جان بوجھ کر لمبی گفتگو میں پڑ گئی۔ میں سمجھ گیا کہ وہ وہاں کچھ دیر ٹھہرنا چاہتی ہے تا کہ وہ لوگ گاڑی تک آجائیں، جنہیں اس نے بلوایا ہے ۔ تقریباً دس منٹ تک یونہی گپ شپ ہوتی رہی۔ تبھی چند لڑکے اس گاڑی کے قریب غیر محسوس انداز میں پہنچ گئے۔ میں کن انکھیوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اچانک ایک لڑکے نے ڈرائیورنگ سیٹ والا دروازہ کھولا اور ڈرائیور کو باہر نکال لیا۔ اسی طرح سے دوسری طرف سے ایک نوجوان کو باہر نکال لیا گیا۔ دونوں نوجوان تھے اور طالب علم ہی معلوم ہو رہے تھے۔ چند لمحوں میں انہوں نے ان دونوں کی تلاشی لے لی تو ماہم تیر کی طرح ان کی جانب بڑھی۔ میں بھی ان کے پاس جا پہنچا۔ ماہم نے انہیں سر سے پاؤں تک دیکھا اور انتہائی غصے سے بولی۔

”کون ہو تم لوگ اور میرا تعاقب کیوں کر رہے تھے۔ آسانی سے بتا دو گے تو کچھ نہیں کہوں گی، ورنہ تم لوگوں کے ساتھ کیا ہو سکتا ہے، یہ تم نہیں جانتے ہو؟“

”ہمیں فرخ چوہدری نے بھیجا ہے “پسنجر سیٹ کی طرف سے نکالے گئے نوجوان نے کہا۔

”تم جانتے ہو کہ تم نے کیا کیا ہے اور “.... وہ غصے میں کہنا چاہتی تھی کہ اس کا فون بج اٹھا۔ اس نے اسکرین پر نمبر دیکھا اور کال ریسیو کرلی۔” بولو فرخ “....یہ کہتے ہوئے وہ چند لمحے اس کی بات سنتی رہی، اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ پھر کچھ کہے بنا اس نے فون بند کر دیا۔ پھر غضب ناک لہجے میں بولی۔” لے جاؤ ان دونوں کو ....یہاں نہیں باہر “....اس نے اتنا ہی کہا تھا کہ میرا سیل فون بج اٹھا۔ میری چھٹی حس نے مجھے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ یہ فرخ چوہدری ہی کا فون ہو گا اور وہ مجھ سے جو بات کرنے والا ہے، وہ بہت غضب ناک ہو گی۔ میں نے کال ریسیو کرلی۔

”فرخ بات کر رہا ہوں“....

”تو کرو “....میں نے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا۔

"ان بچوں کا کوئی قصور نہیں ہے، انہیں جانے دو ....انہیں میں نے تم لوگوں کی نگرانی کے لیے بھیجا تھا، یہ نہیں جانتے کہ تم کون لوگ ہو اور"....

"مجھے اس بات پر حیرت ہے کہ تیرا جیسا احمق بندہ مجھ سے ایسی بات کر رہا ہے جو بچہ بھی نہیں کرتا۔ ان بچوں کو کم از کم یہ تو احساس ہونا چاہئے کہ تم جیسے گھٹیا بندے کے لیے کام کر کے انہوں نے کس قدر اذیت سہی تھی"۔ میں نے اپنے مخصوص لہجے میں پُرسکون رہتے ہوئے کہا۔

"بے وقوف بندے، تم لوگوں کی دشمنی مجھ سے ہے، میرے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ملا"ؤ۔ اس نے غصے میں کہا۔

"لیکن تُو ہے کہ سامنے ہی نہیں آرہا ہے، فون پر دھمکیاں وہی دیتا ہے جو دنیا کا ڈرپوک بندہ ہوتا ہے، ہاتھ ملانے کے لیے سامنے آنا پڑتا ہے"۔ میں نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں دوبارہ بے وقوف آدمی کہہ رہا ہوں۔ سنو احمق !....میں تمہارے سامنے ہوں۔ بلکہ اس وقت تم میرے سامنے ہو اور میرے ریوالور سے نکلی ہوئی گولی تمہیں لمحوں میں چاٹ سکتی ہے"۔ اس نے طنزیہ انداز میں غراتے ہوئے کہا۔

"روکا کس نے ہے، چلاتے کیوں نہیں ہو گولی"۔ میں تیزی سے بولا اور کن انکھیوں سے اردگرد کا جائزہ لے لیا۔ مجھے کچھ دکھائی نہیں دیا۔

"بہت شوق ہے لوہا سینے میں اتارنے کا"....اس نے مصنوعی سرد لہجے میں کہا جیسے اداکار بات کرتے ہیں۔

"عورتوں کی طرح چھپ کر رہو گے یا سامنے بھی آ ؤ گے"۔ میں نے ہلکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

"میں تمہیں خود ٹریپ کر کے یہاں کیمپس میں لایا ہوں ابان ....چند منٹ بعد میں تمہارے سامنے ہی نہیں ہوں گا، بلکہ آج اس ماہم کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤں گا"۔ اس نے تیزی سے کہا اور فون بند کر دیا۔

ماہم کے بلائے ہوئے لڑکے ان دونوں کو لے جا چکے تھے۔ میں نے انتہائی اختصار سے ماہم کو فرخ سے ہونے والی بات بتائی تو اس نے چونک کر کہا۔

"ممکن ہے ، وہ یہیں کہیں ہو، آؤ، ڈیپارٹمنٹ چلتے ہیں"۔

"تم جاؤ، میں یہیں کھڑا ہوں۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ وہ کتنے بندوں کے ساتھ مجھ پر حملہ آور ہو گا"۔ میں نے ماہم کی بات نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ اس وقت

مجھے غصے کے علاوہ چڑ سی ہو گئی تھی۔ اگرچہ میں جانتا تھا کہ یہ محض ذہنی اذیت ہے تاہم میں خود کو بھی مطمئن کرنا چاہتا تھا۔

"یہاں کھڑے رہنا کوئی عقل مندی نہیں ہے۔ ہم پھر آتے ہیں یہاں پر، بس چند لمحے یہاں سے ہٹ جائیں"۔ ماہم نے التجائیہ انداز میں کہا تو میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اگر وہ سچ مچ یہاں ہے اور ہمیں دیکھ رہا ہے تو یہاں سے ہٹ جانا، اسے بہت بڑا حوصلہ دے دے گا، تم نے جو کرنا ہے کرو ، میں یہیں کھڑا ہوں"۔ میں نے مضبوط لہجے میں کہا تو ماہم نے بھرپور نگاہوں سے میری جانب دیکھا اور پھر فون پر نمبر پش کر دیئے میں اطمینان سے چلتا ہوا ایک سنگی بینچ پر بیٹھ گیا۔ میری پشت پر ڈیپارٹمنٹ کی عمارت تھی ، دائیں اور بائیں طرف روڈ تھا اور سامنے پارکنگ تھی۔ اگر وہ یہاں تھا تو پارکنگ ہی کے کہیں آس پاس ہو گا یا پھر کافی فاصلے پر موجود کینٹین تھی، وہاں اس کا ہونا ممکن ہو سکتا تھا۔ اگر اس نے گولی چلانا ہوتی تو اب تک چلا چکا ہوتا۔ اچانک وہیں بیٹھے بیٹھے مجھے خیال آیا تو میں نے ماہم سے کہا جو فون بند کر چکی تھی۔

”وہ لڑکے ان نوجوانوں کو لے کر باہر گئے ہیں۔ وہ ضرور اپنے “.... میں نے کہنا چاہا تو وہ میری بات کاٹ کر بولی۔

”وہ انہیں اپنے ہاسٹل ہی لے کر گئے ہیں۔ وہیں سے وہ عدنان سے بات کریں گے جو انہیں رکھنے کو جگہ دے گا، میری عدنان سے بات ہو گئی ہے، وہ اپنے لوگوں کو لے کر ابھی آتا ہو گا“۔

”ٹھیک ہے، لیکن اسد کو تو نے بتایا “....میں نے اس سے پوچھا۔

”نہیں ، مگر اب بتا دیتی ہوں “....اس نے کہا اور سیل فون پر نمبر ملانے لگی۔ میں اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ خاصی مضطرب دکھائی دے رہی تھی جبکہ میں مطمئن ہو گیا تھا۔ مجھے یہ اطمینان اس لیے تھا کہ اگر وہ سامنے ہے تو پھر اپنے لڑکوں کو بچانے کیوں نہیں آیا؟ ایک لمحے کو مان بھی لیا جائے کہ وہ یہیں کہیں ہے تو پھر وہ اس قابل نہیں کہ ہمارے سامنے آسکے یا دور کہیں سے گولی چلا کر ہمیں دہشت زدہ کر دے۔کسی طرح بھی اپنے ہونے کا احساس دے ؟ مجھے صرف ایک شک تھا۔ وہ ہماری طرف آنے کی بجائے، اپنے لڑکوں کو چھڑوانے کے لیے نہ چلا گیا ہو؟ یہ خیال آتے ہی میں نے کہا۔

”ماہم ان لڑکوں سے رابطہ کرو، اور انہیں محتاط رہنے کا کہو“۔

”میں نے انہیں یہ بات سمجھا دی ہے۔ وہ ہاسٹل پہنچتے ہی مجھے فون کریں گے“۔ اس نے تیزی سے کہا اور اردگرد دیکھنے لگی۔ تبھی مجھے ایک اور خیال آیا میں نے اپنا سیل فون سیدھاکر کے سلیم کے نمبر ملائے۔ لمحوں میں اس سے رابطہ ہو گیا۔

”جی سائیں !....حکم“۔

”فرخ چوہدری اس وقت کہاں ہے، اس کا پتہ چل سکتا ہے؟“

”خیریت....؟ “اس نے تیزی سے پوچھا۔

”پہلے مجھے بتاؤ، پھر میں تمہیں تفصیل بتادوں گا، فوراً“ ۔ میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔ ماہم نے میری طرف دیکھا ضرور لیکن پوچھا نہیں کہ میں نے کس سے بات کی تھی۔ انہی لمحات میں اسد ڈیپارٹمنٹ کی طرف سے سیدھا میری طرف آتا ہوا دکھائی دیا۔ تب میں نے مسکراتے ہوئے ماہم سے کہا۔” لو !....آگیا تمہارا لیڈر، اب اسے سب کچھ تمہی بتانا؟ میرے یوں کہنے پر وہ ہلکے سے مسکرا دی۔ ماحول کا جو تناؤ اعصاب پر تھا، وہ ایک دم ختم ہو کر رہ گیا تھا۔ اس نے اسد کو بتایا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی ، اس کا فون بج گیا۔ وہ سننے لگی، اس نے فون ابھی ہٹایا نہیں تھا کہ میرا فون بج گیا۔ دوسری طرف سلیم تھا۔

”بولو “!....میں نے کال ریسیو کرتے ہوئے کہا۔

”وہ اس وقت ایک ریستوران میں چند لوگوں کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے؟ “یہ کہہ کر اس نے ریستوران کی لوکیشن سمجھا دی۔

”تمہیں پورا یقین ہے؟ “میں نے تیزی سے پوچھا۔

”سو فیصد، کیونکہ میں نے جس بندے سے پوچھا ہے، وہ وہیں اس کے ساتھ ہے“۔ اس نے وضاحت کر دی۔

”تم فوراً وہاں جاؤ۔ اپنی آنکھوں سے تصدیق کرو، وہ تو سامنے نہیں آرہا۔ میں ہی اسے مل لیتا ہوں“۔ میں نے انتہائی غصے میں کہا۔

”معاملہ تھوڑا مشکل ہو سکتا ہے، اس کے ساتھ دو چار گن مین ضرور ہوتے ہیں“۔ اس نے بتایا۔

”تم جاؤ، میں وہیں آرہا ہوں“۔ میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

”کیا وہ یہاں کیمپس میں نہیں ہے“۔ ماہم نے فوراً سوال داغ دیا۔

”نہیں، عدنان سے پوچھو، وہ کہاں ہے، اگر وہ شہر ہی میں ہے تو وہیں رکے “.... میں نے کہا اور اسد سے پوچھا۔”کاشف سے رابطہ ہوا؟“

”وہ ابھی پہنچ جاتا ہے، نہیں بلکہ میں اسے شہر ہی میں روکتا ہوں“۔ یہ کہہ کر وہ بھی فون کرنے لگا۔

”آؤ، نکلیں “!....میں نے ماہم سے کہا اور گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ ماہم فوراً ہی ڈرائیورنگ سیٹ پر جا بیٹھی۔ اسد بات کرتے ہوئے پچھلی نشست پر آگیا۔ تبھی گاڑی بڑھاتے ہوئے ماہم نے مجھے بتایا کہ وہ لڑکے نوجوانوں کو اپنے ہاسٹل لے جا چکے ہیں۔

ریستوران کے قریب چوک پر کاشف، عدنان، اور اس کے ساتھ پانچ چھ بندے تھے۔ سبھی کے پاس اسلحہ تھا جو بظاہر دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ اس وقت میرے پاس کچھ بھی نہیں تھا، کاشف نے مجھے ایک ریوالور تھما دیا۔ جبکہ ماہم نے اپنا ریوالور نکال کر ڈیش بورڈ پر رکھ لیا۔ مجھے صرف سلیم کا انتظار تھا کہ وہ کب مجھے فون کرتا ہے۔ سب کی نگاہیں، اس ریستوران کے روڈ پر لگی ہوئیں تھیں۔ اچانک میری گاڑی میرے قریب سے گزری، اسے سلیم چلا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا۔ اس نے جاتے ہی اس ریستوران کے سامنے گاڑی روکی تو ہم بھی وہاں سے چل پڑے۔ کاشف نے یہ صلاح دی تھی کہ یہاں کھڑے رہنے سے بہتر ہے کہ ریستوران کے باہر وقت گزار لیا جائے۔ جیسے ہی ہم وہاں پہنچے۔ سلیم نے فون کر دیا۔

”بولو !....کیا وہ موجود ہے“۔

"جی، اس نے نیوی بلیو سوٹ پہن رکھا ہے اور فیروزی کلر کی ٹائی لگائی ہوئی ہے۔ بظاہر یہی دکھائی دے رہا ہے کہ وہ بزنس میٹنگ ہے، لیکن یہ کیمپس ہی کے لوگ ہیں"۔

"نئے ہیں یا پرانے "....میں نے پوچھا۔

"نئے ہیں، دو چار مہینے پرانے ہیں"۔

"تم نے اپنے سورس سے مل لیا"۔

"ہاں !....میں واش روم میں ہوں۔ ابھی آتا ہوں باہر "....یہ کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔ تبھی ماہم نے سرسراتے ہوئے کہا۔

"وہ دیکھو !....وہ سامنے "....اس نے انگلی کے اشارے سے بتایا تو میں تیزی سے باہر نکلا اور ریستوران کی جانب بڑھ گیا۔ تبھی میں نے محسوس کیا کہ ماہم بھی اسی تیزی سے میرے پیچھے آگئی ہے۔ریستوران کا گیٹ کراس کر کے جب میں ہال میں گیا تو وہ سامنے ہی ایک طرف چند لوگوں میں گھرا تقریر کررہا تھا۔ جبکہ باقی دم بخود اس کی بات سن رہے تھے۔ شاید اس کی چھٹی حس نے اسے خبردار کر دیا تھا۔ اس لیے اس نے باہر کی جانب دیکھا۔ پھر جیسے ہی اس کی نگاہ ماہم پر پڑی ،

وہ دم بخود رہ گیا۔ اسے ساری بات بھول گئی۔ وہ تیزی سے کھڑا ہونے لگا تو میں نے ریوالور اس پر تان دیا۔

"بس !....بہت ہو گئیں باتیں، تم تو نہیں آئے۔ میں پہنچ گیا ہو۔ ابان کہتے ہیں مجھے"۔ میرے کہتے ہی وہ ہونقوں کی طرح دیکھنے لگا۔ میرے ریوالور تانتے ہی اردگرد کی کرسیوں پر بیٹھے چند بندے اٹھ کھڑے ہوئے۔ میں جانتا تھا کہ ان میں اس کے سکیورٹی والے ہو سکتے ہیں۔ اس لیے میں نے اونچی آواز میں کہا۔" اگر زندگی عزیز ہے تو وہی کرو جو میں کہہ رہا تھا"۔ جیسے ہی میں نے یہ لفظ کہے مجھے لگا جیسے ماہم کی پشت میرے ساتھ آ لگی ہے۔ شاید اس نے ان لوگوں کو کور کر لیا تھا جو کھڑے ہوئے تھے۔

"کوئی اپنی جگہ سے نہ ملے "....ماہم نے اونچی آواز میں کہہ کر سب پر خوف طاری کر دیا۔

"اٹھتے ہو یا "....میں نے کہا اور ریوالور اس کی کنپٹی پر رکھ دیا۔ وہ کھڑا ہو گیا اور لڑکھڑاتے ہوئے چل دیا۔ میں اسے لے کر باہر کی سمت چل دیا۔ پھر جیسے ہی اس کی نگاہ کاشف اور عدنان پر پڑی، اس کا رنگ پیلا پڑ گیا۔ انہوں نے چشم زدن میں اسے کور میں لے لیا اور پھر اپنی گاڑی میں ڈال کر چل دیئے۔ تب تک میں ماہم

کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔ اس نے گاڑی مخالف سمت میں بھگا دی۔ ہمارا رخ سبزہ زار کی طرف تھا۔

فرخ چوہدری کو بھی اسی جگہ رکھا گیا تھا جہاں پہلے ہی دو لڑکے رکھے ہوئے تھے۔ وہ لڑکے جنہوں نے تعاقب کیا تھا، ان کی اچھی طرح گو شمالی کرنے کے بعد چھوڑ دیا تھا۔ وہ عام سے طالب علم تھے، جنہیں تنظیم میں آگے بڑھنے کا شوق ہوتا ہے۔ وہ کر تو کچھ نہیں سکتے لیکن استعمال ہو جاتے ہیں۔ فرخ نے بھی انہیں استعمال کیا تھا۔ اس وقت اندھیرا پھیل چکا تھا، جب کاشف کی کال مجھے ملی۔ وہ مجھے وہیں بلا رہا تھا۔ اس نے ماہم کو بھی وہیں بلا لیا ہوا تھا۔ اگرچہ مجھے ڈاکٹر نے ڈرائیونگ وغیرہ سے منع کیا ہوا تھا لیکن میں نے پھر بھی خود ہی گاڑی نکالی اور جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ تبھی سلیم وارد ہوا اور حیرت سے پوچھنے لگا۔

”کہاں جارہے ہیں آپ؟“

”کاشف نے جہاں فرخ کو رکھا ہوا ہے؟ “میں نے اسے بتایا۔

”اکیلے....؟ “وہ پھر حیرت سے بولا۔

”اور کیا، تم نہیں تھے نا، اور پھر ماہم بھی وہاں ہو گی“۔ میں نے اسے وجہ بتائی۔

"اب میں آگیا ہوں نا، میں گاڑی چلاتا ہوں اور باہر ہی رہوں گا، چلیں "....یہ کہتے ہوئے وہ ڈرائیونگ گیٹ کھول کر کھڑا ہو گیا۔

میں باہر نکلا اور پسنجر سیٹ پر جا بیٹھا۔ اس نے گاڑی بڑھا دی۔ تب میں نے پوچھا۔

"سلیم اگر تمہارا رابطہ کام نہ آتا تو یقین جانو فرخ کا پتہ بھی نہیں چلنا تھا۔ کیمپس کے کسی بندے کو معلوم نہیں ہے کہ میں نے کون سا ذریعہ استعمال کیا اور اس تک پہنچ گیا۔ وہ سب اتنی جلدی اس تک پہنچ جانے پر حیران ہیں"۔ میں نے فخریہ انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"سر جی، جس دن آپ کا حادثہ ہوا تھا، میں نے فرخ چوہدری کے بارے میں چھان پھٹک شروع کر دی تھی۔ اس کا ایک قریبی دوست میرے رابطے میں تھا، جس سے اس کے بارے میں معلوم ہوتا رہتا تھا کہ وہ کدھر جاتا ہے اور کیا کرتا پھرتا ہے"۔ اس نے بتایا۔

"تمہارے رابطے کو شک تو نہیں ہو گیا ہو گا کہ تمہارے فون کے بعد "....میں نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑ دی۔

"نہیں، میں نے اس کو یہی بتایا ہوا ہے کہ میں بے روزگار ہوں، نوکری چاہتا ہوں، وہ مجھے کئی دنوں سے ٹالتا چلا آرہا تھا۔ آج جب میں نے اس سے رابطہ کیا تو اس

نے فوراً یہ کہہ کر فون بند کر وا دیا کہ میں ایک میٹنگ میں ہوں۔ چوہدری صاحب کے ساتھ یہاں ریستوران میں ....بعد میں بات کرتے ہیں۔ اسے بھی معلوم نہیں ہے کہ میں وہاں پہنچا ہوں"۔ اس نے فخریہ انداز میں کہا تو میں نے پوچھا۔

"کیسے....؟"

"میں نے اس سے نہیں پوچھا کہ فرخ کہاں ہے، یہ اس نے ہی بتایا تھا۔ میں ریستوران میں داخل ہوا۔ وہ سب اس کی تقریر کی طرف مگن تھے۔ میں نے واش روم میں جا کر آپ کو فون کر دیا۔ اب اگر وہاں کوئی کیمرہ ہو گا، اس کی زد میں اگر میں آگیا ہوا تو الگ بات ہے، ویسے ان کو میری آمد کا کچھ معلوم نہیں"۔ اس نے حتمی انداز میں کہا۔

"اوکے "!....میں نے سکون سے کہا اور سامنے دیکھنے لگا۔ ہم شہر سے باہر آگئے تھے پھر کچھ دیر خاموشی کے بعد وہ بولا۔" ویسے سر، میں ایک بات کیوں"۔

"بولو"۔ میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو تشویش زدہ لہجے میں بولا۔

"یہ بندہ اگر آپ لوگوں کے ہاتھ آگیا ہے نا تو اسے آپ آسان مت سمجھئے گا، یہ لوہے کا چنا ہے۔ اس کا باپ اب تک متحرک ہو گیا ہو گا۔ پولیس اسے الگ تلاش

کر رہی ہو گی۔ اس کے ساتھ جو کچھ بھی کریں، لیکن قتل نہیں کرنا اور نہ ہی آج رات سے زیادہ اسے اپنے پاس رکھنا۔ پھر اسے سنبھالنا مشکل ہو جائے گا“۔

”تم ٹھیک کہتے ہو، اب دیکھتے ہیں کاشف کی رائے کیا ہے“۔ میں نے اس کی بات کو سمجھتے ہوئے کہا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا اس کے بیٹے کو اغوا ہوئے تقریباً سات گھنٹے سے اوپر ہو چلے تھے۔ اب تک تو پولیس بھی ان کے ساتھ متحرک ہو گئی ہو گی۔ میں اس بارے میں سوچتا رہا۔ یہاں تک کہ وہ ڈیرہ آ گیا۔ سلیم باہر ہی رک گیا۔ جبکہ میں اندر چلا گیا۔ سامنے ہی کاشف کے ساتھ عدنان تھا اور ماہم مجھ سے پہلے آ چکی تھی۔ وہ میرے ہی انتظار میں کھڑے تھے۔ میں نے جاتے ہی پوچھا۔”فرخ کا باپ تو اسے تلاش کر رہا ہو گا؟“

”ہاں، پورے شہر کی پولیس تلاش کر رہی ہے۔ ہاسٹل پر بھی چھاپہ پڑا ہے ممکن ہے وہ سبزہ زار کی طرف بھی جائیں تمہارے بارے میں پتہ چل گیا ہے کہ تم نے اسے اغوا کیا ہے“۔

”یہ خبر کب ملی اور“.... میں نے پوچھنا چاہا تو ماہم تیزی سے بولی۔

”کچھ دیر پہلے اس کے باپ فخر الدین نے میرے پاپا سے بات کی ہے۔ چونکہ میں بھی وہیں تھی، انہوں نے مجھ سے پوچھا تو میں نے بتا دیا۔ میں نے ساری بات خود

پر لے لی ہے۔ میں نے ہی بتایا ہے کہ وہ مجھے چھ ماہ سے تنگ کر رہا تھا۔ میں نے اسے اغوا کیا ہے اپنے کلاس فیلوز کے ساتھ مل کر۔ وہ حادثے والی ساری بات بتا دی میں نے"۔

"تو پھر بھی تمہارے پاپا نے تجھے یہاں تک آنے دیا؟ تمہاری راہ پر چلتے ہوئے کوئی بھی یہاں پہنچ سکتا ہے"۔ میں نے کافی حد تک پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

"میں کون سا انہیں بتا کر آئی ہوں۔ میں جس گاڑی پر آئی ہوں، وہ بھی میری فرینڈ کی ہے۔ انہیں معلوم ہی نہیں میں کہاں ہوں"۔ وہ اطمینان سے بولی۔

"تمہارے پاپا کا ری ایکشن کیا تھا"۔ میں نے پوچھا۔

"انہوں نے بہت غور سے میری بات سنی ہے۔ وہ کافی حد تک پریشان بھی ہو گئے تھے۔ اب ظاہر بات ہے کہ فخر الدین سے بات کریں گے۔ آگے کیا ہوا مجھے نہیں معلوم، میں نے اپنا فون بھی بند کیا ہوا ہے اور وہ گھر میں پڑا ہے"۔ یہ کہہ کر اس نے کافی حد تک بے چینی سے کہا۔"کہاں ہے وہ ؟"

"تہہ خانے میں "....اس نے بتایا۔

"انہی لڑکوں کے ساتھ "....میں نے پوچھا۔

”نہیں ....وہ کہیں اور پہنچ گئے ہیں۔ آؤ چلیں“۔ اس نے کہا تو ہم تہہ خانے کی جانب بڑھ گئے۔ جہاں مدقوق سی پیلی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ سامنے ہی فرش پر فرخ چوہدری بیٹھا ہوا تھا۔اس نے میری طرف دیکھ اور انتہائی مایوسانہ انداز میں اپنے سر کو جھکا لیا۔ تب میں نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے اپنی انگلی سے اس کا چہرہ اٹھایا اور اطمینان سے کہا۔

”میں تم پر ذرا سا بھی تشدد نہیں کروں گا، اگر تم میری باتوں کا ٹھیک جواب دیتے رہے“۔

”کیا چاہتے ہو تم....؟ “اس نے کھنکھارتی ہوئی آواز میں کہا جس میں کافی حد تک لرزش تھی۔ تب میں نے کہا۔

”یہی سوال میں تم سے کرنا چاہتا ہوں کہ تم نے کیا سوچ کر شروعات کی تھیں .... حالانکہ میری تمہاری کوئی دشمنی نہیں تھی“۔

”میری تمہاری اب بھی دشمنی نہیں ہے۔ یہ تو سب اس کی وجہ سے ہوا“۔ اس نے ماہم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا تو وہ گویا پھٹ پڑی۔

”آج تم ایک بے ضرر کیڑے کی طرح یہاں پڑے ہو۔ چھپ کر ہیجڑوں کی طرح وار کرتے رہے ہو۔ کہاں گئیں تمہاری بڑھکیں ....میں اب جتنا چاہوں تم پر تشدد

کرلوں، میں ایک دو دن میں نہیں، اب میں تمہیں پوری زندگی کے لیے سبق دیناچاہوں گی۔ بہت ستالیا تم نے"....

"ٹھیک ہے تم جو چاہو کرو، اب میں تمہاری قید میں ہوں"۔ یہ کہہ کر وہ دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔ وہ انتہائی مایوس دکھائی دے رہا تھا۔ انہی لمحوں میں کاشف کا فون بج اٹھا۔ اس نے فون کی اسکرین پر دیکھا، پھر قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔

"لو آگیا تیرے باپ کا فون .... پہنچ گیا وہ مجھ تک ....سنو تم سب بھی "....یہ کہہ کر اس نے کال ریسیو کرلی اور اسپیکر آن کر دیا۔

"تم کاشف بات کر رہے ہو "....دوسری طرف سے بھاری آواز میں پوچھ گیا۔

"ہاں !.... میں ہی کاشف ہوں۔ تم کون ہو؟ "اس نے اکھڑ لہجے میں پوچھا۔

"تمیز سے بات کرو، میں فخر الدین بات کررہا ہوں۔ کہاں ہے میرا بیٹا؟"

"تم فخر دین ہو یا بے فخر دین، میرے ساتھ تمیز سے بات کروگے تو میں تمہاری بات سن لوں گا۔ ورنہ میری زبان تم سے بھی بڑی ہے، سمجھے ....رہی تمہارے بیٹے کی بات تو وہ میرے پاس ہے۔ اب بولو....؟ "کاشف بھی ہتھے سے اکھڑ گیا۔

"تمہیں نہیں معلوم کہ تم نے کیا کر دیا ہے ....فوراً میرے بیٹے کو چھوڑ دو۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا "....دوسری طرف سے انتہائی رعب میں کہا گیا۔

”ورنہ کیا کرو گے ....مجھے مار دو گے .... قتل کروا دو گے ....جس طرح پہلے تم نے چند طالب علموں کو مروایا ہے میں انہی میں سے ایک ہوں ....میں اب تک تمہارے بیٹے کو مار چکا ہوتا، لیکن یہ میرے پاس امانت ہے، میں اسے اپنی مرضی سے چھوڑوں گا ....جہاں تمہیں آسانی ہو۔ مجھے بتا دینا، میں وہیں اس کی لاش پھینک دوں گا “....کاشف نے غراتے ہوئے کہا۔

”اتنی بڑی بات مت کہو جو تمہاری اوقات سے زیادہ ہو۔ میں جانتا ہوں تمہیں، ایک گھنٹے بعد میں تم تک پہنچ جاؤں گا۔بلکہ تم اسے میرے پاس خود لے آ ؤ گے ، ایک گھنٹہ ہے تمہارے پاس .... تم جو اس آوارہ لونڈیا کے بل پر “....وہ کہہ رہا تھا لیکن آگے سمجھ نہیں آئی۔ کیونکہ ماہم نے چیختے ہوئے کہا۔

”اوئے بے غیرت عیاش بڈھے .... تیری اس بات پر میں نے کیا کہنا ہے ، چند لمحے ٹھہر میں تجھے بتاتی ہوں“۔ یہ کہہ کر وہ فرخ چوہدری کی طرف بڑھی اور ایک لات اس کے منہ پر رسید کی، جس سے وہ بری طرح کراہا۔”سن .... سن لی اپنے بیٹے کی کر اہ یہ لات میں نے اس کے منہ پر نہیں ، تیرے منہ پر ماری ہے۔ میں ایک گھنٹے بعد تمہارے گھر پہنچنے والی ہوں ....اور تم میرا کچھ بھی نہیں کر سکو گے بے غیرت“....

میں حیران تھا کہ ماہم اس کے باپ کو گالیاں دے رہی تھی اور وہ سر نیہوڑے سن رہا تھا۔ بلاشبہ ان کے درمیان کوئی ایسی بات تھی۔ جس کے باعث وہ اس حالت میں بیٹھا ہوا تھا اور اب تک اس کا خون نہیں کھولا تھا۔ دوسری طرف فون پر خاموشی تھی۔ تبھی فرخ نے کراہتے ہوئے اونچی آواز میں کہا۔

”بابا !.... آپ درمیان نہ پڑیں میں آجاؤں گا۔ میری بات چل رہی ہے۔ ان کے ساتھ“۔

”تم ٹھیک تو ہونا“....

”ہاں بابا میں ٹھیک ہوں، کسی نے مجھے کچھ نہیں کہا“۔ وہ بولا تو ماہم نے تیزی سے کہا۔

”اوئے سن بڈھے، تم اگر اپنے باپ کے ہوئے نا تو ایک گھنٹے تک پہنچو ورنہ میں آجاؤں گی۔ سن لیا نا، کاشف فون بند کرو“....

”نہیں .... نہیں....سنو، میری بات، تم لوگ جو چاہتے ہو، میں وہی کرنے کو تیار ہوں، دولت ....کوئی مطالبہ یا پھر“....

"اوئے یہ بڈھا ڈرامہ کررہا ہے۔ ہمیں تلاش کررہا ہے۔ پولیس والوں کی مدد سے ....بند کرو فون، اب اسے کسی اور جگہ لے جانا ہو گا "....ماہم نے کہا تو کاشف نے فون بند کر دیا۔

"کہاں لے جانا ہے اسے؟ "میں نے ایک خیال کے تحت پوچھا تو کاشف ہنستے ہوئے بولا۔

"بہت ٹھکانے ہیں ....میں نے تو سوچا تھا کہ اسے کچھ نہ کہوں .... لیکن اس کا باپ ہی اس کا دشمن ہے"۔

"تم کیا چاہتے ہو، بولو؟ "وہ جلدی سے بولا۔

"میں نے صرف یہ کہنا تھا کہ ہمارے راستے سے ہٹ جاؤ اور ماہم کی طرف کبھی پلٹ کر بھی نہیں دیکھنا۔ میں نے تمہیں چھوڑ دینا تھا لیکن اب ماہم نے ضد کرلی ہے تو میں کیا کروں ....ماہم بتادو ....کیا چاہتی ہو"۔

"میں اس کی لاش کے ساتھ اس کے گھر جاؤں گی "....اس نے دانت پیستے ہوئے کہا تو فرخ کے چہرے پر پیلاہٹ مزید گہری ہو گئی۔ جس کی پروا نہ کرتے ہوئے بولی۔" یہ وڈیرے کیا سمجھتے ہیں کہ قتل کرنا صرف یہی جانتے ہیں ، اس بے غیرت کی ہمت کیسے ہوئی میرے نام کو اپنے نام کے ساتھ جوڑنے کی۔ اسے تو میں اپنے

ہاتھوں سے قتل کروں گی"۔ ماہم بپھر گئی تھی۔ یہ ایک ایسا طوفان لگ رہی تھی جو تباہی کے بغیر نہیں ٹلتا۔ ایک ہی وقت میں کاشف اور میری نگاہیں ٹکرائیں۔ اس کی نگاہوں میں کچھ ایسا تھا کہ میں سمجھ گیا۔ تب میں نے اسے بازو سے پکڑا اور اپنے قریب کرتے ہوئے کہا۔

"جیسا تم چاہو گی، ویسا ہو گا، لیکن ذرا اس سے دو چار باتیں تو کرلیں"۔

"کیا باتیں کرنی ہیں اس سے"۔ اس نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"تیرے سامنے ہی پوچھتا ہوں"۔ میں نے اس کو تھپکی دیتے ہوئے کہا، پھر فرخ کی طرف متوجہ ہو کر کہا۔" بولو !.... مگر یہ سوچ کر بولنا کہ سچ کہو گے تو ذرا آرام سے رہو گے۔ ورنہ بہت اذیت دوں گا"....

"ابان !.... تم جو چاہو۔ میں وہی ماننے کو تیار ہوں۔ میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں نے ہار مان لی، اب تم جو چاہو پوچھو، جو مرضی کرو"۔ اس نے انتہائی مایوسی سے کہا تو ماہم انتہائی غصے میں لرزتے ہوئے بولی۔

"اس کی بات نہیں ماننا ابان۔ یہ انتہائی درجے کا گھٹیا اور سازشی ہے۔ یہ رہے گا تو گند پھیلتا رہے گا۔ اس دنیا کو اس گند سے پاک کر دینا چاہئے"۔

”ماہم !....دشمنی تمہاری اور میری تھی، ٹھیک ہے تمہارے ساتھیوں نے تمہاری مدد کی، یقین کرو، اب میں تمہارے راستے میں نہیں آؤں گا“۔ فرخ نے کافی حد تک اعتماد سے کہا۔

”اتنا نقصان پہنچا کر بھی ....کاش میرے پاس ریوالور ہوتا .... گن ہوتی ....میں تمہیں اب تک گولی مار چکی ہوتی“۔ وہ تلخی سے بولی۔

”ماہم پلیز ! .... تم ہی اسے مارنا، لیکن مجھے بات تو کرنے دو “....میں نے کہا تو وہ میری طرف شاکی نگاہوں سے دیکھتی ہوئی ایک جانب ہٹ گئ اور میری جانب دیکھ کر بولی۔

”میں جارہی ہوں، لیکن اسے کوئی دوسرا نہیں مارے گا، صرف میں ہی ماروں گی اور اس کی لاش اس کے گھر خود لے کر جاؤ گی “....یہ کہتے ہوئے اس نے کچھ نہ سنا اور تہہ خانے سے نکلتی چلی گئی۔ تب فرخ نے رحم طلب نگاہوں سے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”پوچھو ابان، جو پوچھنا چاہتے ہو“۔

”تمہیں پتہ ہے یہ کاشف اتنی محنت کیوں کر ہا ہے؟ جانتے ہو تم ؟ “میں فرش پر اس کے پاس بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ہاں، یہ کیمپس پر گرفت کرنا چاہتا ہے۔ ویسی ہی حکمرانی جیسے آج کل ہم کر رہے ہیں"۔ اس نے آہستگی سے کہا۔

"نہیں !....میں تمہارے جیسی حکمرانی نہیں چاہتا"۔ کاشف نے غصے میں کہا۔ تو میں نے کہا۔

"اوکے ....اوکے ....کیا میں فرخ سے یہ پوچھ لوں کہ وہ زندگی چاہتا ہے یا کیمپس پر حکمرانی"....

"ہاں، یہ پوچھو "....وہ تیزی سے بولا تو فرخ نے امید کی کرن پاتے ہی فوراً کہا۔

"میں نے چھوڑی ....اب کیمپس یا پھر اس کے اردگرد کبھی نظر نہیں آؤں گا۔ کسی معاملے میں مداخلت نہیں کروں گا۔ اس کے لیے آپ جو چاہیں مجھ سے ضمانت لے لیں"۔

"ٹھیک ہے"۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا اور پھر کاشف کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔" اس سے کیمپس کے سارے رابطے پوچھ لو، اس کے جھوٹ سچ کا پتہ چل جائے گا، جھوٹ بولے تو قتل کر کے لاش ماہم کے حوالے کر دینا۔ اب میں دیکھتا ہوں، اس کا باپ کیا کرتا ہے"۔ پھر پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر تہہ خانے سے نکل کر اوپر آگیا۔

ماہم سامنے ہی صوفے پر بیٹھی ہوئی تھی۔ غصے میں اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ اس کے گال دمک رہے تھے۔ قریب ہی عدنان موجود تھا۔ میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"جاؤ کاشف کے پاس، شاید اسے تمہاری ضرورت پڑے"....

"یہ سنتے ہی وہ فوراً چلا گیا اور میں ماہم کے پاس، اس کے انتہائی قریب جا بیٹھا۔ پھر اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

"تم ایک سمجھ دار لڑکی ہو۔ اسے قتل کرنے سے کچھ حاصل نہیں ہو گا۔ کسی گھٹیا اور سازشی کو مارنا ایک عام سے کتے کو مارنا ایک برابر ہے۔ کیوں اس کا الزام اپنے سر لیں، تم لڑکی ہو۔ ایسے کام وہ کیوں نہ کر لیں، جن کے سر پر پہلے ہی کئی خون ہیں۔ تم ذرا سا صبر کرو۔ سب ٹھیک ہو جائے گا"۔

"اس نے مجھے بہت ستایا ہے، میرے دن رات کا چین برباد کر دیا ہے اس نے .... میں اسے معاف نہیں کر سکتی اور پھر اس کے باپ نے جو گالی دی .... میں برداشت نہیں کر سکتی"۔

"یہ جووقت ہوتا ہے نا ماہم، یہ بڑا ظالم ہوتا ہے۔ عقل مند وہی ہے جو وقت سنبھال جائے۔ جو بھی ظلم کرتا ہے، ایک دن وہ مظلوم کے پاؤں میں ضرور پڑا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

ہوتا ہے۔ صرف وقت کا انتظار کرو "....میں نے اسے سمجھاتے ہوئے اپنے دل کی بات کہہ دی۔ کیونکہ مجھے پورا یقین تھا کہ ایک دن میں نے انہیں اپنے پاؤں کے نیچے لانا ہے۔ بس وقت کا انتظار تھا۔ میرے یوں سمجھانے پر وہ کافی حد تک سنبھل گئی۔ میں نے اس کا ہاتھ تھپ تھپا کر چھوڑ دیا۔ وہ خاموش رہی۔شاید وہ اپنے آپ پر قابو پارہی تھی۔ اسی خاموشی میں کافی وقت بیت گیا۔ یہ خاموشی اس وقت ٹوٹی جب کاشف اور عدنان اوپر آئے۔ اس نے آتے ہی کہا۔

"اس نے سارے رابطہ دے دیئے ہیں۔ جس قدر مجھے معلوم ہے، وہ سب درست ہیں ۔ لگتا ہے اس کا دماغ ٹھکانے لگ گیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اب وہ ہمارے راستے میں نہیں آئے گا"۔

"اب کیا ارادہ ہے "....میں نے پوچھا۔" فخرالدین کا دیا ہوا وقت تو کب کا ختم ہو چکا ۔ وہ تم تک نہیں پہنچا"۔

"جیسا ماہم چاہے"۔ یہ کہتے ہوئے اس نے ریوالور کا سیفٹی کیچ ہٹا یا اور اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

"یہ لو !....اور کر دو اس کا کام ختم"....

”نہیں کاشف ....اگر اسے قتل کیے بغیر ہمارا مقصد حل ہو جاتا ہے تو پھر کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ ایک خون سوار کرنے کی .... اب میں چلتی ہوں، پاپا بہت پریشان ہوں گے“....

”اوکے !....تم جاؤ“۔ کاشف نے سر ہلاتے ہوئے کہا تو وہ فوراً ہی اٹھی اور باہر نکلتی چلی گئی ۔ تبھی کاشف نے عدنان کو اشارہ کیا تو وہ بھی پیچھے لپک گیا۔ میرے پوچھے بغیر بولا۔” تاکہ اسے بحفاظت گھر پہنچا آئے۔ آخر عورت ذات ہے“۔

”ٹھیک ہے ، اب اس کا کیا کرنا ہے؟“اس نے فرخ کے بارے میں پوچھا۔

”جو تمہارا دل چاہے، تیرا شکار ، جو منوانا ہے منوالے۔ میرے خیال میں اسے نہ ہی مارو تو اچھا ہے۔ ایویں خواہ مخواہ اس کی تنظیم اسے ہیرو بنالے گی۔ پھر اس کے نام پر جو ہنگامہ ہو گا، وہ الگ بہت سارے مفادپرست اس کا فائدہ اٹھائیں گے“۔ میں نے کہا اور اٹھ گیا۔ تب وہ بولا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو۔ میں اسے کسی اور ٹھکانے پر لے جارہا ہوں۔ کل تک اس کے بارے میں تصدیق کر کے پھر چھوڑ دیں گے“۔

”میں نے کہانا، جیسے تمہارا دل چاہے۔ جتنا فائدہ حاصل کر سکتا ہے کرلے۔ اب میں چلتا ہوں“۔

”ٹھیک ہے، رابطہ رہے گا اور ہاں اپنا خیال رکھنا، سبزہ زار ان کی نگاہوں میں ہو گا“۔

”اوکے !....میں اپنا خیال رکھوں گا“۔ میں نے کہا اور باہر نکل گیا۔

میں گاڑی میں بیٹھا تو سلیم نے گاڑی بڑھا دی۔ میں نے اسے تفصیل بتائی تو وہ چپ چاپ سنتا رہا۔ پھر اطمینان سے بولا۔

”کاشف کی یہ بات درست ہے کہ آپ سبزہ زار نہ جائیں“۔

”تو پھر کہاں جائیں، رہنا تو وہیں ہے نا“۔ میں نے ہنستے ہوئے کہا۔

”ضروری نہیں کہ وہیں رہا جائے“۔ یہ کہہ کر اس نے فون نکالا اور نمبر ملا کر رابطے کا انتظار کرنے لگا۔ چند لمحے بعد وہ بولا۔

”سر !....ابان صاحب آج آپ کے ہاں رہیں گے، ہم آرہے ہیں“۔ یہ کہہ کر دوسری طرف سے کچھ سنا اور فون بند کر دیا۔

”کسے فون کیا تھا؟ “میں نے پوچھا۔

”زریاب صاحب کو “....اس نے اطمینان سے کہا۔

”یار !....اتنی رات گئے انہیں کیوں تنگ کرنا ہے۔ ہم سبزہ زار ہی“....

”وہ اب تک سوئے نہیں، مسلسل مجھے رابطے میں رکھا ہوا ہے“۔ اس نے دھیمی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”اوکے “!....میں نے سرہلاتے ہوئے کہا تو سلیم نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ تبھی میں نے ماہم کا نمبر ملایا۔ وہ بند تھا۔ ابھی تک وہ گھر نہیں پہنچی تھی۔ میں اس کا نمبر ٹرائی کرتا رہا۔ وہ مسلسل بند تھا۔ یہاں تک کہ میں زریاب انکل کے گھر پہنچ گیا۔ مجھے اچھی طرح یاد تھا کہ جب میں برطانیہ سے آیا تو اس وقت سیدھا یہیں آیا تھا۔ گاڑی دیکھتے ہی چوکیدار نے گیٹ کھول دیا۔ سلیم نے گاڑی پورچ میں روکی ہی تھی کہ زریاب انکل باہر آگئے۔ بہت دنوں بعد میں نے انہیں دیکھا تھا۔ وہ مجھ سے گلے ملے اور میرے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

”سوری بیٹا !....میں سامنے آکر تمہاری مدد نہیں کر پارہا ہوں“۔

”انکل، آپ کیسی بات کر رہے ہیں، اگر آپ کی مدد نہ ہو تو میں یہاں کیسے ٹھہر سکتا ہوں“۔ میں ان سے الگ ہوتے ہوئے بولا۔

”پھر بھی بیٹا !....مجھے ہر وقت تمہارا خیال رہتا ہے“۔ انہوں نے روہانسا ہوتے ہوئے کہا۔

"انکل کوئی بات نہیں، آپ فکر مت کریں"۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی دھیرے سے ہنس دیئے۔

"میں جاتا ہوں سبزہ زار، صبح آپ کو لے جاؤں گا "....سلیم نے کہا تو انکل نے سر ہلا دیا۔ وہ واپس پلٹا اور گاڑی میں بیٹھ کر چل دیا۔ میں اور انکل اندر چلے گئے۔ ہم وہیں ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے ۔ ملازمہ کافی سارے لوازمات کے ساتھ چائے لے کر آگئی۔ ہم چائے بھی پیتے رہے اور ساتھ میں باتیں بھی کرتے رہے۔ میں نے انہیں تفصیل بتائی۔ وہ بھی سارے معاملے سے آگاہ تھے۔ میری باتیں سن کر انھوں نے کہا۔

"تم بیٹا، سکون سے آرام کرو۔ صبح دیکھیں گے کیا کرنا ہے۔ ماہم نے اگر معاملہ اپنے سر لے لیا ہے تو ہم نے اس کی بھر پور مدد کرنا ہے۔ پیچھے نہیں ہٹنا"۔

"اب ماہم کو چھوڑنا تو ممکن نہیں ہے نا"۔ میں نے کہا تو انکل نے معنی خیز نگاہوں سے میری جانب دیکھا۔ تب میں ہنستے ہوئے بولا۔" نہیں وہ نہیں جو آپ سمجھ رہے ہیں"۔

"ٹھیک ہے، اب تم آرام کرو"۔انہوں نے سنجیدگی سے کہا اور اٹھ گئے۔ میں بھی اٹھا اور اوپری منزل میں اس کمرے کی جانب بڑھ گیا۔ جہاں میں پہلے دن ٹھہرا تھا۔

ٹوٹا بدن، گہری رات، پُرسکون ماحول، سناٹا اور سامنے بڑا بیڈ ہو تو سو جانے کے لیے جسم بے تاب ہو جاتا ہے۔ مگر نیند میری آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ میں نے بیڈ پر لیٹتے ہی پھر ماہم کو ٹرائی کیا۔ اس بار بیل چلی گئی۔ چند لمحوں میں ماہم کی آواز سنائی دی۔

"کہاں ہو ابان....؟"

"میں خیریت سے ہوں۔ مجھے تمہارے گھر پہنچ جانے کی فکر تھی"۔

"ہاں !....میں گھر ہی میں ہوں۔ عدنان واپس کاشف کے پاس چلا گیا ہے اور میری توقع کے مطابق، پاپا میرے لیے بہت پریشان تھے۔ وہ اب بھی جاگ رہے ہیں"۔

"وہ کیوں، اب کیوں....؟ "میں نے جلدی سے پوچھا۔

"وہ فخرالدین سے رابطہ میں ہے اور ڈی ایس پی ان کے پاس بیٹھا ہوا ہے وہ فرخ کا پوچھ رہے ہیں"۔ ماہم نے بتایا۔

"فخرالدین نے ہی ان پولیس والوں کو بتایا ہے"۔ میں نے پوچھا۔

”ہاں!.... ابھی کچھ دیر پہلے میرے گھر آنے کے بعد“۔ اس نے بتایا۔

”تم سے پوچھا ان پولیس والوں نے “....میں نے پوچھا۔

”ان کی جرات کہ مجھ سے بات کر سکیں، پاپا نے صاف انکار کر دیا ہے کہ ہم فرخ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ وہ کہیں اور تلاش کریں۔ اب دیکھیں کیا حل نکلتا ہے“۔ اس نے سکون سے کہا۔

”تم نے کاشف وغیرہ کو بتا دیا“۔ میں نے پوچھا۔

”ابھی نہیں !....ابھی انہیں بتانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ یہاں کوئی معاملہ طے ہو جاتا ہے تو کوئی صورتِ حال ہمارے سامنے آئے گی۔ تبھی بتا پاؤں گی“۔

”اوکے ! .... ٹھیک ہے، تمہارا کیا خیال ہے، تمہارے پاپا کیا چاہیں گے“۔

”کہانا، میں کچھ نہیں کہہ سکتی ، میں ....ایک منٹ ہولڈ کرو ....ہاں کیا بات ہے“۔ اس نے روانی میں کہا اور کسی کی بات سننے لگی۔ میں خاموشی سے سنتا رہا۔” اچھا ٹھیک ہے“۔

”کیا ہوا؟ “میں نے پوچھا۔

”پاپا بلا رہے ہیں۔ ملازمہ تھی۔ میں ابھی بتاتی ہوں۔ آپ یہی بات ان کو بتا دیں“۔ اس نے تیزی سے کہا اور پھر فون بند کر دیا۔ میں نے محسوس کیا کہ میرے خون

کی روانی تیز ہو گئی ہے۔ اب تمام تر کھیل ماہم کے پاپا اسلم چوہدری پر آن پڑا تھا۔ اب دیکھنا تھا وہ کیا فیصلہ کرتا ہے۔

میں اب سو نہیں سکتا تھا، مجھے ماہم کے فون کا انتظار تھا۔ اس سے مجھے معلوم ہونا تھا کہ اسلم چوہدری کیا کرتا ہے۔ میں نے فون کر کے کاشف کو اطلاع دے دی۔ وہ اپنی جگہ چھوڑ چکا تھا اور کہیں دوسری جگہ تھا۔ وہ مطمئن تھا کہ فیصلہ جو بھی، اس تک کوئی نہیں پہنچ سکتا ۔ میں کمرے میں پڑا لمحہ لمحہ گزرتے ہوئے ماہم کے فون کا انتظار کر رہا تھا۔ میں سوچنے لگا۔ صورتِ حال اچانک ہی بدل گئی ہے، ان حالات میں ماہم اچانک ہی میرے نزدیک کیا، نزدیک ترین آ گئی تھی۔ کچھ دیر پہلے میں نے اسے شدید غصے میں دیکھا تھا۔ نہ جانے وہ کب سے پلاننگ کر رہی تھی۔ ایک لڑکی ذات ہونے اور دوسرا کافی حد تک کمزور ہونے کے باعث وہ فرخ کا مقابلہ تو کرتی چلی آ رہی تھی لیکن اسے زیر نہیں کر پائی تھی۔ اب جبکہ وہ اسے زیر کر چکی تھی۔ مجھے یہ لگتا تھا کہ وہ اسے معاف کرنے کے موڈ میں نہیں تھی۔ وہ بلاشبہ اسے قتل کر دیتی، اگر میں اسے سنبھال نہ لیتا تو وہ کچھ نہ کچھ کر دیتی۔ کچھ دیر پہلے کی حالت کو دیکھتے ہوئے، میں اندازہ نہیں کر پا رہا تھا کہ وہ اسلم چوہدری کے فیصلے پر کس حد تک اثر انداز ہو سکتی ہے۔ وہ اگر اس کا باپ تھا تو

ایک سیاست دان بھی تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے حریف تھے، لیکن بظاہر ان میں رابطہ بھی تھا۔ بات کھل گئی تھی کہ فرخ کے اغوا میں ماہم ملوث ہے یہ فخرالدین کو بھی پتہ تھا اور اسلم چوہدری کو بھی۔ یہ بات تو طے تھی کہ وہ اپنے فیصلے میں سیاست کو ضرور مدِ نظر رکھے گا۔ میں اب تک اسلم چوہدری سے نہیں ملا تھا اور نہ ہی کبھی اس سے بات ہوئی تھی۔ میں نہیں جانتا تھا کہ اس کی ذہنیت کیا ہے اور خصوصاً معاملہ جب بیٹی کا ہو تو اس کا ردِ عمل کیا ہو سکتا ہے۔ اب اس نے جو فیصلہ کرنا تھا ، اسی سے مجھے اندازہ ہو جانے والا تھا کہ وہ کیا چاہتا ہے اس کی ذہنیت کس رُخ پر جھکتی ہے۔ مجھے معلوم ہو جانا تھا۔ گزرنے والا ہر لمحہ میری بے چینی بڑھانے کے لیے کافی تھا۔ مجھے شدت سے ماہم کے فون کا انتظار تھا۔ میں نے گھڑی پر نگاہ ڈالی، رات کا دوسرا پہر گزر جانے والا تھا۔ میں ماہم کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ ایک خیال میرے دماغ میں رینگ گیا۔ فیصلہ جو بھی ہو۔ میرا اس میں کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ مجھے اصل میں یہی سوچنا تھا ، حالات اور واقعات مجھے ماہم کے بہت زیادہ نزدیک لے آئے تھے، لیکن کیا واقعی وہ میرے نزدیک ہو گئی ہے یا پل پل رنگ بدلتی ماہم اپنی ہی کوئی گیم کر رہی ہے۔ کیا وہ مجھے استعمال

کرکے الگ ہو جائے گی؟ کیا وہ کیمپس میں رہے گی؟ اگر وہ اپنی گیم کر کے کیمپس ہی میں نہ رہی تو پھر میرا مقصد کدھر جائے۔

اسلم چوہدری نے اپنی بیٹی کو بچانے کے یہ سارا مدعا کسی اور پر ڈال دیا تو....؟ یہ اور ایسے ہی کئی سوال میرے ذہن میں گردش کرتے چلے گئے۔ میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ میں جو بڑے ٹھنڈے انداز سے اپنے مقصد کے حصول میں لگا ہوا ہوں اور دوسرے ہی معاملات میں پھنستا چلا جارہا ہوں، ان سے نکلنا ہو گا۔ میں انہی سوچوں میں غلطاں تھا کہ میرا سیل فون بج اٹھا۔ دوسری طرف ماہم تھی۔ میں نے جلدی سے کال ریسیو کرلی۔

”ہاں لوبوماہم“!....

”پاپا کی پولیس والوں سے اور فخرالدین سے طویل بات ہوئی ہے۔ پاپا چاہتے ہیں کہ فرخ کو واپس کر دیا جائے لیکن اس کے لیے کچھ شرائط منوالی جائیں“۔

”وہ کیا شرطیں ہیں، کچھ کہا تمہارے پاپا نے.... ؟“میں نے پوچھا۔

”نہیں ، وہ چاہتے ہیں کہ میرے کیمپس فیلو ہی فیصلہ کریں“۔ اس نے جھجکتے ہوئے کہا۔

"میں سمجھ نہیں سکا تم کہنا کیا چاہتی ہو؟ "میں الجھتے ہوئے بولا۔

"پاپا چاہتے ہیں کہ آپ، کاشف اور عدنان جو فیصلہ کریں، انہیں وہی قبول ہو گا، لیکن وہ آپ سب سے پہلے ملنا چاہتے ہیں تا کہ پہلے خود میں یہ طے ہو جائے اور پھر فرخ کو فخرالدین کے حوالے کیا جائے، باقاعدہ کچھ معززین کے سامنے تاکہ انہیں احساس ہو کہ فرخ کیا کچھ بے غیرتی کرتا رہا ہے اور کس مقصد کے لیے اسے اغوا کیا گیا تھا"۔

'تو پھر....؟ "میں نے جلدی سے پوچھا۔

"یہی کہ صبح آپ سب یہاں پاپا کے پاس آئیں اور ان سے ملیں "....ماہم پُر جوش لہجے میں بولی۔

"بس یہی بات یا کچھ اور"....

"یہی بات ہوئی ہے اور اب میں اپنے کمرے میں"۔ اس نے اطمینان سے کہا۔

"ٹھیک ہے، میں صبح بتاؤں گا، تم آرام کرو"۔ میں نے کہا اور چند الوداعی جملوں کے بعد فون بند کر دیا۔ میں نے جو سوچا تھا، وہی ہوا۔ اسلم چوہدری اس معاملے میں بھی اپنی سیاسی دکان چمکانے کی فکر میں تھا، اب مجھے کیا کرنا ہے یہ تو بعد کی بات تھی مگر میرے بدن میں سنسنی ہونے لگی تھی۔ وہی اسلم چوہدری جسے نیچا

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

دکھانے کے لیے میں اتنی دور سے یہاں آن پہنچا تھا۔ وہ میرا منتظر تھا، میرا اس کے ساتھ رویہ کیا ہونا چاہئے، میں نے یہ بھی فیصلہ کرنا تھا۔ میں نے سیل فون ایک طرف رکھا اور اسی سوچ میں ڈوب گیا۔ میرے لیے وہ ابھرنے والی صبح بڑی سنسنی خیز تھی۔

میرا اور اسلم چوہدری کا آمنا سامنا ہوجانے والا تھا، لیکن مجھے پہچان جائے گا یا پھر میں بھی اس کے لیے محض ماہم کا ایک کلاس فیلو ہوں؟ اگر وہ پہچان گیا؟ اگر اس نے نہ پہچانا ....یہ جو" اگر" تھا، اس سے بے شمار سوال میرے ذہن میں کلبلانے لگے۔ ہاں یا ناں سے متعلق دونوں طرح کی صورتِ حال میرے سامنے واضح ہونے لگی۔ ایک لمحے کے لیے تو مجھے یہ سب فضول لگا، لیکن بعد میں جب میں نے غور کیا تو مجھے اپنے لائحہ عمل کے لیے کئی پہلو دکھائی دینے لگے۔ ایک طرح سے اعتماد کے ساتھ ساتھ میرے اندر حوصلہ بھی در آیا۔ پہلی بار محسوس ہوا کہ اب مجھے کسی کے سہارے کی ضرورت نہیں، خود اپنے فیصلوں پر عمل کرنا ہو گا۔ یہ سب کیسے ہوتا۔ وقت اور حالات اس کا رخ متعین کر دینے والے تھے۔ رات گہری ہوتی چلی جارہی تھی۔ یہاں تک کہ دوسرا پہر بھی گزر گیا اور میری آنکھوں میں نیند کا نشان تک نہیں تھا۔ میں سوچوں کے جال سے نکلا تو سونے کی کوشش کرنے

کے لیے بیڈ پر لیٹ گیا۔ انہی لمحات میں کاشف کی کال آگئی۔ میں نے اس کال کو ریسیو کر لیا۔

”مجھے پورا یقین تھا کہ تم سوئے نہیں ہو گے“۔ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”ظاہر ہے معاملہ ہی کچھ ایسا ہے ، اس پر سوچنا تو ہے“۔ میں نے یونہی گول مول بات کر دی۔

”یہ جو ماہم کا باپ ہے نا اسلم چوہدری اور فخرالدین یہ دونوں سیاست دان ہیں۔ ان میں اچھا تعلق چاہے ہو یا نہ ہو لیکن ایک بات طے ہے کہ یہ لوگ اپنی سیاسی ساکھ بچانے کی خاطر کسی کو بھی رگید سکتے ہیں“۔ اس نے غصے والے لہجے میں کہا تو میں نے پوچھا۔

”میں سمجھا نہیں، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”یہ سیاست دان جو ہوتے ہیں،عوام سے ہٹ کر ان کے اپنے مقاصد ہوتے ہیں۔ ان کی اپنی ایک دنیا ہے، جہاں وہ اپنے ہی حمام میں ایک دوسرے کے سامنے ننگے ہیں۔ جب بات ان کی کمزوریوں کی ہوتی ہے تو یہ ایک دوسرے کو سہارا دے جاتے ہیں۔ خصوصاً جاگیر دار عوام کے سامنے جتنے مرضی دشمن دکھائی دیں لیکن

آپس میں نہ صرف ان کی رشتے داریاں ہوتی ہیں بلکہ اندر ہی اندر ایک دوسرے کے مفادات کا خیال رکھتے ہیں"۔ وہ اسی لہجے میں بولا۔

"یار تم کہنا کیا چاہتے ہو، کھل کر کہو"۔ میں نے کسی حد تک اکتاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"میرے کہنے کا مطلب یہ ہے ابان کہ ممکن ہے ان دونوں میں کوئی خاص معاملہ طے پا گیا ہو اور وہ اس میں ہمیں رگڑ دیں۔ اغوا برائے تاوان کا کوئی مقدمہ ہم پر ڈال دیا جائے اور ہم پھنس جائیں"۔ اس نے انکشاف کرنے والے انداز میں کہا تو میں نے اس کی رائے جاننے کے لیے پوچھا۔

"تو پھر کیا خیال ہے تمہارا، ہمیں کیا کرنا چاہئے"۔

"اب میں نہیں جانتا کہ تم نے کیا سوچا ہے مگر مجھے جو سمجھ میں آتا ہے، وہ میں تمہیں بتا دیتا ہوں"۔ یہ کہہ کر وہ ایک لمحے کے لیے رکا، میں خاموش رہا تو وہ بولا۔" ہم یہ سارا معاملہ ماہم پر ڈال کر خود الگ رہتے ہیں۔ سامنے ہی نہیں آتے۔ ہمارا مقصد تو حل ہو چکا ہے۔ ماہم کے ذریعے ہی انہیں یہ باور کرا دیتے ہیں کہ فرخ دوبارہ کبھی کیمپس کے معاملات میں نہیں آئے گا"۔ اس نے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو میں نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

”مگر میں کچھ اور سوچ رہا ہوں“۔

”وہ کیا ؟ “اس نے جلدی سے پوچھا۔

”وہ یہ کہ ہماری پشت پر بھی تو کوئی سیاسی پارٹی، یا کوئی سیاست دان ہونا چاہئے۔ ہم کیمپس کے اندر جتنی بھی طاقت رکھیں، ہمیں اپنی پشت پناہی کے لیے کوئی نہ کوئی تو چاہئے۔ کیوں نہ ہم یہ آفر اسلم چوہدری کے سامنے رکھ دیں، وہ ہماری “.... میں نے کہنا چاہا تو وہ میری بات کاٹتے ہوئے بولا۔

”اگرچہ تمہارا خیال بالکل درست ہے۔ تم صحیح ٹریک پر سوچ رہے ہو، لیکن تم کیا سمجھتے ہو کہ ہم یونہی اتنا کچھ کرتے پھر رہے ہیں۔ ہماری پشت پر بھی بہت سارے لوگ ہیں۔ اسلم چوہدری اس میں کوئی شے ہی نہیں ہے۔ اس سے بھی جگادری لوگ ہمارے سر پرست ہیں۔ اصل مسئلہ یہ ہے کہ ان لوگوں سے بچ کر ہمیں کام کرنا ہے۔ ان کے جال میں نہیں پھنسنا“۔

”اوکے !....جیسا تم چاہو، اب ایسا کرو، اسلم چوہدری کے ساتھ جو بھی معاملہ کرنا ہے، وہ تم ہی کر لو“۔ میں نے اسے بتایا۔

”نہیں !....ہمیں اسلم چوہدری کے ساتھ براہِ راست بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہے اور نہ ہی اس نے ہم سے بات کی ہے، ہمارے ساتھ تو ماہم بات کر رہی

ہے، وہی رابطے میں ہے۔ اب جو بھی ماہم کو سمجھانا ہے یا اسے بتانا ہے وہ تم ہی سمجھا سکتے ہو، کیونکہ وہ ہم سب سے زیادہ تمہاری بات مانتی ہے"۔ کاشف نے اس بار قدرے خوشگوار لہجے میں کہا۔

"اسے کیا سمجھانا ہے اور کب.... ؟"میں نے حتمی انداز میں پوچھا۔

"ماہم کو یہاں اپنے پاس بلواؤ یا فون پر ، جس طرح بھی تم مناسب سمجھو، باقی میں بتا دیتا ہوں کہ اس سے کیا کہنا ہے"۔ کاشف نے کہا اور پھر وہ مجھے اسلم چوہدری سے معاملہ کرنے کے پہلو سمجھانے لگا۔ ساری بات بتا کر اس نے فون بند کر دیا تو میں نے ماہم کو فون کر دیا۔ اس نے فوراً ہی فون ریسیو کر لیا۔

"تم ابھی تک جاگ رہی ہو"۔ میں نے حیرت سے پوچھا۔

"ان حالات میں نیند کیسے آسکتی ہے"۔ اس نے خمار آلود لہجے میں کہا۔

"نیند نہیں آرہی ، یا تم سونا ہی نہیں چاہ رہی ہو"۔ میں نے یونہی کہہ دیا۔

"ہاں .... آپ ٹھیک سمجھ رہے ہو۔ جب تک یہ فرخ کا معاملہ حل نہیں ہو جاتا، ذہنی دباؤ تو رہے گا نا"....وہ تیزی سے بولی۔

"میرے خیال میں اسے اب طویل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ فرخ کو بہت سزا مل چکی ہے۔ میرے خیال میں دشمن کو زندہ رہنا چاہئے اس سے قوت ملتی ہے۔اس

نے ایک بار اپنا گھٹیا پن دکھا دیا، دوسری بار دکھائے گا تو پھر اسے ختم کرنا پوری طرح جائز ہو گا"۔ میں نے اسے سمجھایا۔

"میرے خیال میں وہ ایسا نہیں ہے کہ دوبارہ ہمارے راستے میں نہ آئے، وہ کوئی نہ کوئی سازش کرنے کی ، ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش ضرور کرے گا"۔ ماہم نے اکتاتے ہوئے انداز میں کہا تو میں نے بڑے ملائم لہجے میں اس سے کہا۔

"دیکھو !....کتے کے بھونکنے یا کاٹ لینے پر اگرچہ وقتی طور پر درد ہوتا ہے، غصہ بھی آتا ہے لیکن کیا کریں کتے کا، ہاں اگر کتا باؤلا ہو جائے تو اسے مارنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اس کے کاٹنے سے خود بچنا ہے اور اس کے بھونکنے کی پروا نہیں کرنی چاہئے۔ کیونکہ اگر ہم اس کے بھونکنے پر توجہ دینا شروع کر دیں تو اپنا ہی وقت ضائع کریں گے"۔

"آپ کہنا کیا چاہتے ہو، مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا ہے"۔ وہ اسی اکتائے ہوئے لہجے میں بولی۔

"غور کرو گی تو سمجھ جاؤ گی، فرخ چوہدری بزدل لوگوں میں سے ایک ہے۔ وہ اپنی فطرت سے مجبور ہو کر بھونکے گا تو ضرور لیکن دوبارہ سامنے نہیں آئے گا اور اگر سامنے آگیا تو پھر اس کی موت ہی اسے گھیر کر لائے گی۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں

کہ کسی شرط شرائط کے بغیر اسے چھوڑ دیا جائے۔ مارنے سے خوف زدہ کر دینا بہتر ہے"۔

"لیکن اگر وہ قانونی چارہ جوئی میں پڑ جاتے ہیں تو "....اس نے پوچھا۔

"پھر تو وہی سامنے آنے والی بات ہے نا"....میں نے تیزی سے کہا۔

"اوکے !....میں پاپا سے بات کر کے کاشف سے کرتی ہوں۔ آپ سو جاؤ۔" ماہم نے کہا اور الوداعی جملوں کے بعد فون بند کر دیا۔ میں نے سیل فون ایک طرف رکھا تو نہ جانے کیوں میرے اندر ایک اطمینان اتر آیا۔ شاید میں رولنگ سٹون بننے سے بچ گیا تھا۔

چند دنوں تک کیمپس میں خاصی ہنگامہ آرائی رہی۔ دوبار اچھی بھلی فائرنگ ہوئی۔ ہاسٹلوں پر پولیس کے چھاپے پڑے ۔ کئی لڑکے گرفتار ہوئے۔ اسد، عدنان اور کاشف نے اپنے بہت سارے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کیمپس میں اپنی گرفت بنانا شروع کر دی ہوئی تھی۔ پڑھائی کا تو کہیں دور دور تک خیال نہیں تھا۔ دن رات یہی کوشش تھی کہ کم سے کم نقصان پر زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل کر لیا جائے۔ میں اسد پر حیران تھا۔ وہ اک عام سا دکھائی دینے والا لڑکا، جب اندر سے حوصلہ مند ہوا تو اس کی جراءت کیا سے کیا ہو گئی۔ بعض اوقات انسان کو اپنی صلاحیتوں

کے بارے میں پتہ ہی نہیں چلتا۔ وہ خوابیدہ صلاحیتیں خود انسان سے مخفی رہتی ہیں ۔ جن کے بارے میں اگر انسان کو خود معلوم ہو جائے تو وہ حیرت انگیز کمالات دکھا سکتا ہے۔ انہیں بیدار ہونے کے لیے کسی بیرونی شاک کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی طوفان، کوئی زلزلہ یا پھر سیلاب اسے جھنجھوڑ دے تو خوابیدہ صلاحیتیں خود آنکھوکھول دیتی ہیں۔ پھر کمزور انسان خود اپنے دشمن تلاش کرنے لگتا ہے۔ ان میں بھی وہ معیار چاہتا ہے یعنی سازشی، منافق اور گھٹیا دشمن اس کی نگاہ ہی میں نہیں جچتا۔ وہ انہیں کتے کی بھونک سمجھ کر نظر انداز کر دیتا ہے۔ قلندرِ لاہوری حضرت اقبال نے جہاں دیگر فلسفے بیان کیے ہیں، وہاں ان کا ایک فلسفہ یہ بھی ہے کہ انسان کو خطرات میں گھرے رہنا چاہیئے، یہی خطرات اسے عام انسان سے خاص بناتے ہیں۔ پھر گھٹیا دشمن اسے بونے دکھائی دیتے ہیں۔ اسد کو دیکھ کر مجھے یہی احساس ہوتا چلا گیا تھا۔ اس نے دن اور رات کو تج دیا تھا۔ وہ وقت کی قید سے آزاد تھا۔ وہ جو اپنی فیس کے لیے فکر مند رہتا تھا، اب ہر وقت گاڑی اس کے نیچے ہوتی تھی۔ وہ جدھر بھی جاتا، ایک قافلہ اس کے ساتھ روانہ ہوتا، کیمپس میں کوئی ایسا بندہ نہیں تھا، جو اسے نہیں جانتا تھا۔ ہنگامہ آرائی سے حالات کشیدہ ہوتے

چلے جارہے تھے اور میں کسی بڑے طوفان کی بو سونگھ رہا تھا۔ کیونکہ فرخ چوہدری کو چھوڑ دینے کے بعد انتہائی خاموشی رہی تھی۔

وہ ایک روشن صبح تھی۔ جب میں چار دنوں بعد کیمپس گیا تھا۔ رات تنویر نے فون کر کے مجھے بتا دیا تھا کہ ڈاکٹر نے اسے صبح ڈسچارج کر دینا ہے۔ میں کیمپس اس لیے آگیا کہ وہیں سے اپنے کلاس فیلوز کے ساتھ اسے لینے ہسپتال جاؤں گا۔ میں ڈیپارٹمنٹ پہنچا تو چند ہی کلاس فیلو تھے یا پھر سینئر کلاس کے تھوڑے سے لوگ۔ ذرا سے فاصلے پر ماہم چند لڑکیوں کے ساتھ دائرے میں کرسیوں پر بیٹھی ہوئی تھی۔ شاید انہوں نے اپنی گفتگو ختم کر دی تھی کیونکہ وہ سبھی میری طرف دیکھ رہی تھیں۔ ماہم میری طرف دیکھ کر ہاتھ ہلانے لگی۔ میں اس کے قریب چلا گیا تو ایک لڑکی نے خوشدلی سے کہا۔

"آپ کو صحت مند دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے"۔

"لیکن ایک بیمار اب بھی ہسپتال میں پڑا ہمارا انتظار کر رہا ہے"۔ میں نے ماہم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو کافی حد تک شوخ دکھائی دے رہی تھی۔ میری بات سنتے ہی وہ کھڑی ہو گئی اور بولی۔

"چلو چلیں۔ ابھی کچھ دیر پہلے مجھے اس کا فون آیا تھا۔ میں انتظار کر رہی تھی کہ آپ آجاؤ، تو پھر اکٹھے ہی چلتے ہیں"۔

"چلو"!....میں نے واپس پلٹتے ہوئے کہا تو وہ بھی میرے ساتھ چل دی۔ ہم سیڑھیاں اتر کر پارکنگ میں آگئے۔ تبھی اسد کی کال آگئی جسے میں نے ریسیو کر لیا۔

"ابھی آئے ہی ہو اور جا بھی رہے ہو"۔ اس نے تیزی سے کہا۔

"تم کہاں ہو؟ "میں نے پوچھا۔

"میں ہاسٹل ہی میں ہوں، لیکن مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ تم ڈیپارٹمنٹ میں آئے تھے اور واپس بھی"....

"بڑا تیز نیٹ ورک ہے تیرا "....میں نے ہنستے ہوئے کہا تو وہ بھی قہقہہ لگا کر ہنس دیا۔" تنویر کو لینے جارہا ہوں ہسپتال سے"۔

"صرف پانچ منٹ رکو، میں بھی آرہا ہوں، اکٹھے چلتے ہیں"۔ اس نے تیزی سے کہا اور فون بند کر دیا۔ مجھے اس کی معلومات پر یا اس کے نیٹ ورک پر اتنی حیرت نہیں ہوئی۔ کیونکہ جو کچھ وہ کر رہے تھے، یہ تو اس کا لازمی حصہ تھا۔

ہم ایک قافلے کی صورت کیمپس سے نکلے تھے۔ ہمارا رخ ہسپتال کی طرف تھا۔ نہ جانے میں کیوں پریشان تھا کہ میرے اردگرد اتنا رش نہیں ہونا چاہئے۔ میں اپنی گاڑی میں اکیلا تھا اور اسی طرح ماہم بھی اکیلی تھی۔ ہم خیر سے ہسپتال پہنچ گئے۔ تنویر ڈسچارج ہو چکا تھا اور سامان سمیٹ کر بیٹھا ہوا تھا۔ ہم اسے لے کر باہر آگئے۔ جب وہ میری گاڑی میں بیٹھنے لگا تو اسد نے حیرت سے کہا۔

"اوئے تنویر کدھر، میرے ساتھ آؤ۔ ہم نے سیدھے ہاسٹل جانا ہے"۔

"یہ میرے ساتھ سبزہ زار جائے گا، وہاں اس کی اچھی طرح دیکھ بھال "....میں نے کہا تو اسد نے میری بات قطع کرتے ہوئے تیزی سے کہا ۔

"میں مانتاہوں کہ سبزہ زار میں اس کی بہت اچھی دیکھ بھال ہو گی، مگر وہاں اس کا دل نہیں لگے گا، ہاسٹل میں اتنی رونق ہے اور میرے خیال میں بہت سارے لوگ اس کی دیکھ بھال کو ہوں گے۔ تم پریشان نہ ہو"۔ اسد نے مجھے تفصیل سے سمجھاتے ہوئے کہا تو میں کاندھے اچکا کر خاموش ہو گیا۔ کیونکہ میرے کچھ کہنے سے پہلے تنویر آگے بڑھ کر اسد کی گاڑی میں جا بیٹھا تھا۔ تبھی ماہم نے آہستگی سے کہا ۔

"ٹھیک ہے ابان، اسے جانے دو تنویر کی مرضی اسی میں ہے"۔

"میں نے جانے دیا، اور کوئی حکم"۔ میں نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تو وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔ یہی قافلہ پھر دوبارہ ہسپتال سے واپس اس شاہراہ پر تھا جو کیمپس کی طرف جاتی تھی۔ ڈیپارٹمنٹ کے پاس آ کر ماہم اس جانب مڑ گئی اور میں ہاسٹل کی طرف چلا گیا۔ تنویر کو سہارا دے کر ایک کمرے تک پہنچایا گیا۔ وہ کمرہ صرف اس کے لیے مخصوص کر دیا گیا تھا،جہاں بیڈ کے ساتھ کرسیاں میز اور اس پر کمپیوٹر، ایک کونے میں ٹیلی ویژن اور دیگر ضروریات کی تمام اشیاءوہاں سجادی گئیں۔ میں کچھ دیر وہاں بیٹھا گپ شپ کرتا رہا۔ پھر واپس ڈیپارٹمنٹ آگیا۔ جہاں ماہم میرا انتظار کر رہی تھی۔ ہم دونوں کا ریڈور میں آمنے سامنے کرسیاں دھر کر بیٹھ گئے۔ میں اسے ہاسٹل میں تنویر کی سہولیات کے بارے میں بتا چکا تو وہ بولی۔

"اب آپ کا کیا پروگرام ہے"۔

"جیسے تم کہو، کیونکہ میرا تو پڑھنے کا موڈ نہیں ہے"۔ میں نے جان بوجھ کر اکتاتے ہوئے انداز میں کہا۔

"تو چلو، پھر کہیں نکل چلتے ہیں"۔ ماہم نے تیزی سے کہا۔

"کہاں جانا ہے، یہیں بیٹھ کر گپ شپ کرتے ہیں۔ کچھ دیر"۔ میں نے اس کی رائے جاننے کے لیے کہہ دیا۔

”میں اصل میں آپ کو بتانا چاہ رہی تھی کہ وہ فخرالدین، پاپا کے پاس آیا تھا رات اور کافی دیر بیٹھنے کے بعد گیا ہے۔ ان کے درمیان کیا باتیں ہوئی ہیں، یہ تو میں نہیں جانتی، لیکن پاپا نے آج صبح مجھ سے یہ کہا ہے کہ میں کاشف اور ابان سے ملنا چاہتا ہوں“۔ وہ عام سے انداز میں کہہ گئی تو میں چوکنا ہو گیا۔ جب بات ہی ختم ہو گئی تھی تو پھر وہ ملاقات کیوں چاہتا ہے؟اب بات یہ تھی کہ اسلم چوہدری اور فخرالدین کی ملاقات کیوں ہوئی؟فطری طور پر ان دونوں میں مخالفت بڑھ جانی چاہئے تھی۔ میں نے یہ سب لمحوں میں سوچا اور بناکسی ردعمل کے عام سے لہجے میں کہا۔

”جب چاہے پروگرام بنا لینا، چلے جائیں گے“۔

”آپ کو نہیں لگتا کہ فخرالدین کوئی بھی سازش کر سکتا ہے،کوئی “....ماہم نے کہنا چاہا تو میں نے اس کی بات قطع کرتے ہوئے کہا۔

”جو بھی ہو گا، سامنے آجائے گا، ویسے بھی یہ سارا معاملہ تمہارا ہی تھا۔ حق تو یہی بنتا ہے کہ تم خود اس معاملے کو دیکھو، اب تمہارا پاپا ہی ہمارے خلاف سازش کرے گا، تو کل پھر کوئی بھی تمہارا ساتھ نہیں دے گا اور نہ ہی تمہارے کام کرے گا“۔

”وہ تو میں دیکھ لوں گی، بلکہ یہ سب دیکھ رہی ہوں“۔ اس نے تیزی سے کہا، پھر نہ جانے اس کو کیا ہوا، اس نے آہستگی سے میرا ہاتھ پکڑا اور اسے ہلکے سے دباتے ہوئے بڑے جذباتی انداز میں بولی۔” ابان !....اگر سب لوگ میرا ساتھ چھوڑ جائیں۔ تو پھر آپ کا رویہ کیا ہو گا؟“

”میں تب بھی تمہارا ساتھ دوں گا“۔ میں نے ایک لمحہ ضائع کیے بغیر فوراً کہہ دیا۔

”کیوں....؟ “اس نے جذباتی لہجے میں میں میرے چہرے پر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اس لیے کہ تم میری دوست ہو۔ میں تمہیں اپنا دوست مان چکا ہو۔ اب تمہارے دل میں کیا ہے؟ مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ میں گمان بھی نہیں کر سکتا کہ تم میرے لیے برا سوچ سکتی ہو۔ یا تمہارے دل میں میرے لیے کچھ غلط ہے“۔

”ابان !....تم بہت پیارے ہو“۔ اس نے جذبات میں پو ر پور بھیگتے ہوئے کہا۔

”میں پیارا اس لیے ہوں کہ تم بہت پیارا سوچتی ہو“۔ میں نے بھی اس کے جذبات کو ہوا دے دی۔ تب وہ تیزی سے اٹھتے ہوئے بولی۔

”چلو اٹھو، سبزہ زار چلتے ہیں۔ وہاں بیٹھ کر سکون سے باتیں کریں گے“۔

"چلو "....میں بھی اٹھ گیا۔ ہم دونوں چلتے ہوئے ڈیپارٹمنٹ کے باہر آ گئے۔سامنے رابعہ آتے ہوئے دکھائی دی۔ اس کی چال میں تیزی تھی۔ ہمیں دیکھتے ہی وہ رک گئی۔

"خدا خیر کرے "....میں نے اسے یوں رکتے دیکھ کر بے ساختہ کہا۔ تبھی ماہم بولی۔

"لگتا نہیں ہے، اس کا چہرہ بتا رہا ہے کہ کوئی بات ہے ضرور"۔

"چلو بات کر کے دیکھتے ہیں"۔ میں نے کہا اور اسی کی طرف چل دیا۔ ہم اس سے چند قدم ہی فاصلے پر تھے کہ رابعہ نے ماہم کی جانب انتہائی غصے میں دیکھتے ہوئے میری طرف منہ کر کے کہا۔

"ابان !....مجھے نہیں لگتا تم اتنے بے وقوف ہو کہ ماہم کی چالوں کو نہیں سمجھ سکے۔ میں تمہیں خبردار کر رہی ہو، اس سے بچ جاؤ اور چھوڑ دو اس کا ساتھ"....

"رابعہ !.... یہ تم کیا کہہ رہی ہو، ہوش میں تو ہو؟ "میں نے انتہائی حیرت سے پوچھا، کیونکہ مجھے توقع نہیں نہیں تھی کہ وہ اسے یوں لتاڑ دے گی۔

"تم نہیں جانتے ابان !....یہ تمہارے ساتھ ہی نہیں بلکہ یہاں کیمپس میں کسی کے ساتھ بھی مخلص نہیں ہے۔ اسے فقط اپنی غرض ہے جس کے باعث یہ ہم سب

کو استعمال کرنے کی کوشش رہی ہے"۔ رابعہ نے بلا تردد بے خوفی سے اپنی بات کہہ دی۔

"تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے؟"میں نے انتہائی تحمل سے پوچھا کیونکہ میں سرے سے رابعہ کی بات کو جھٹلا نہیں سکتا تھا۔ ایسے خیال تو مجھے بھی آتے رہے ہیں۔

"افسوس تو اس بات کا ہے ابان، یہ بات اس ماہم کو کہنی چاہیئے تھی جبکہ تم اس کی وکالت کر رہے ہو"۔ اس نے انتہائی دکھی لہجے میں کہا تو مجھے ایک جھٹکا لگا، میں نے غور سے رابعہ کو دیکھا، پھر ماہم کے چہرے پر نگاہ ڈالی وہ ستے ہوئے چہرے سے مسلسل رابعہ کو حیرت سے تکے چلی جارہی تھی۔ میں نے انتہائی نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر تحمل سے کہا۔

"رابعہ آؤ پلیز !....ہم کہیں بیٹھ کر سکون سے بات کرتے ہیں"۔ یہ کہتے ہوئے میں نے کیمپس کینٹین کی جانب اشارہ کیا وہ کچھ کہے بغیر میرے ساتھ چل دی۔ میں نے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ ماہم ہمارے پیچھے پیچھے آرہی تھی۔ سبز لان کے ایک گوشے میں کرسیاں ڈلوا کر ہم بیٹھے تو وہ بھی ہمارے قریب آبیٹھی۔ میں نے رابعہ کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا۔" بولو، کیا کہنا چاہتی ہو"۔

"تمہارا سیل فون کہاں ہے؟ "اس نے سوال کیا تو میں نے اپنی جیبیں ٹٹولیں، پھر سوچتے ہوئے کہا۔

"ممکن ہے کار میں رہ گیا ہو"۔

"نہیں، تم اپنا سیل فون تنویر کے کمرے میں بھول آئے تھے۔ جسے ابھی تھوڑی دیر قبل اسد مجھے دے گیا ہے اور کہا ہے کہ میں تم سے بات کروں"۔ اس نے کہا تو میں نے فوراً ہی کئی سوال اس سے پوچھنا چاہے، لیکن اس نے ہاتھ کے اشارے سے مجھے روکا اور میرا سیل فون اپنے پرس میں سے نکال کر کہا۔" اس پر ابھی کچھ دیر پہلے فرخ چوہدری کی کال آئی تھی۔ اسد نے فون ریسیو کیا۔ فرخ کو شاید پتہ نہیں چل سکا کہ دوسری طرف فون پر کون ہے۔ وہ باتیں کرتا رہا اور اسد نے وہ ساری باتیں ریکارڈ کرلیں۔ لو یہ سنو"!یہ کہہ کر اس نے گفتگو سنوانا شروع کر دی۔

فرخ چوہدری یہ باور کرانا چاہا رہا تھا کہ اس کے باپ فخرالدین اور اسلم چوہدری میں طے پا گیا ہے کہ وہ آئندہ ماہم کے معاملے میں نہیں آئے گا۔ اگر پہلے معلوم ہو جاتا تو وہ سختی سے فرخ کو روک دیتے اور مل بیٹھ کر یہ مسئلہ حل کر دیتے۔ اس نے یہ یقین دلانے کی کوشش کی کہ اب وہ جو باتیں کر رہا ہے صرف اس

لیے کہ آئندہ ماہم سب لوگوں کو استعمال کرے گی۔ اسلم چوہدری اور فخرالدین میں یہ طے پا گیا ہے کہ اگلا الیکشن وہ مل کر لڑیں گے۔ ایک چھوٹی سیٹ پر اور دوسرا بڑی سیٹ پر۔ جہاں تک کیمپس کا معاملہ ہے، وہاں کاشف وغیرہ کی گرفت نہیں ہونے دینی کیونکہ وہ مخالف پارٹی کے لوگ ہیں۔ فرخ سامنے نہیں آئے گا لیکن اب یہ ساری مہم ماہم چلائے گی۔ فرخ اس لیے سب کو خبر دار کر رہا تھا کہ وہ نہیں چاہتا کہ اب آپ لوگوں سے کوئی دشمنی ہو اس کو کیمپس کے معاملات میں نہ دلچسپی ہے اور نہ ہی تعلق۔ اس کی ساری بات کا مطلب یہ تھا کہ اب اسلم چوہدری اور فخرالدین تمام تر سیاسی کھیل اکٹھے کھلیں گے۔ فرخ چوہدری باہر کے معاملات دیکھے گا اور ماہم کیمپس کے معاملات کو اپنے انداز میں درست کرے گی۔ کل کلاں اگر ہمیں کوئی شکایت ہوتی ہے تو اس کی تمام تر ذمے دار ماہم ہو گئی۔ تقریباً سولہ منٹ کی گفتگو سن کر جب میں نے ماہم کی طرف دیکھا تو وہ تیزی سے حتمی انداز میں بولی۔

”یہ فرخ کی صریحاً کوئی نئی چال ہے“۔

"اس کی یہ باتیں ہوا میں تو نہیں کی گئیں، تم دونوں کے والد نے طے کیا ہے"۔ رابعہ نے تیزی سے کہا جس میں کافی حد تک غصہ بھی شامل تھا۔ اس پر ماہم نے خلاف توقع بڑے نرم اور تحمل بھرے انداز میں کہا۔

"یہ ٹھیک ہے کہ میرے پاپا کی فخرالدین سے ملاقات ہوئی ہے، مگر اس میں کیا طے ہوا کیا نہیں، اس بارے میں بالکل نہیں جانتی کیا تم لوگوں کو یہ بات عجیب نہیں لگتی کہ وہ ایک ہی دن میں طے شدہ معاہدہ توڑ کر اپنی ساکھ محفوظ کر رہے ہیں ۔ میں اب بھی کوئی حتمی بات نہیں کروں گی، میں پہلے تحقیق کرلوں پھر یہ سارا ڈرامہ سامنے لے آؤں گی"۔

"یہ تو اچھا ہوا کہ اسد نے یہ کال ریکارڈ کر لی، ورنہ تم کہاں مانتی، جیسے اب کال سن کر بھی نہیں مان رہی ہو۔ خیر !....تم ابان، اگر چاہو تو ماہم سے تعلق رکھو، مگر خدا کے لیے اسد لوگ زندگی اور موت کی بازی لگائے بیٹھے ہیں۔ میں جانتی ہوں کہ دشمن کبھی نہیں مار سکتا، جب تک دشمنوں کے ساتھ دوست نہ مل جائیں۔ جو جتنا گہرا دوست ہو گا، وہ سب سے بڑا دھوکا دے گا"۔ وہ تیزی سے کہتی چلی گئی تھی۔

”رابعہ ....دوست دھوکا نہیں دیتے۔ منافق دھوکہ دیتے ہیں۔ کیونکہ وہ کبھی دوست ہوتے ہی نہیں ہیں“۔ ماہم نے آہستگی سے کہا تو میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”کسی منافق کے دھوکے کی وجہ سے جو نقصان ہو جائے یا کوئی بندہ اذیت سے گزرے تو میرا خیال ہے وہ ٹھیک ہے۔ اس کے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہئے۔ وہ کیوں نہیں اپنے اردگرد منافق لوگوں کو پہچان سکا۔ اسے سزا ملنی چاہئے کہ اس نے منافق اور بے غیرت لوگوں کو اپنے قریب ہی کیوں بیٹھنے دیا۔ بندے کو اتنی تو پہچان ہونی چاہئے“۔

”یہی میں کہہ رہی ہوں“۔ رابعہ نے تیزی سے کہا۔” اگر کسی منافق کے بارے اشارہ مل جائے تو فوراً اس سے تعلق ختم کر لیا جائے، اس میں بھلائی ہے“۔

رابعہ کے یوں کہنے پر ماہم نے ایک گہری سانس لی اور پھر تیزی سے اٹھ کر چل دی۔ہم اسے دیکھتے رہے۔ وہ سیدھی پارکنگ میں گئی، وہاں سے گاڑی نکالی اور تیزی رفتاری سے نکل گئی۔ تب میں نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔

”شکریہ رابعہ !....لیکن یہ ممکن ہے کہ یہ بھی تو فرخ کی چال ہو۔ ہمیں بہت دیکھ بھال کر قدم اٹھانا چاہئے“۔

”میں سمجھتی ہوں۔ اسی لیے میں نے ماہم کو تھوڑی چبھن دی ہے۔ اگر اس نے اس چبھن کی تکلیف محسوس کی تو وہ یقینا اس کا حل خود ہی نکال کر لائے گی، ورنہ ہم سے دور ہو جائے گی۔ کوئی چاہے دشمن بن کر سامنے رہے ، لیکن یہ معلوم تو ہونا کہ وہ دشمن ہے۔ منافق برداشت نہیں ہوتا“۔ وہ تیزی سے کہتی چلی گئی۔

”اوکے !....میں اس سے بات کر لوں گا۔ اگر وقت ملے تو سبزہ زار آجانا اسے لے کر“۔ اس نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ دھیرے سے مسکراتے ہوئے بولی۔

”تم خود ہی کہہ دینا ، اسے میں آجاؤں گی“۔

یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گئی۔ ہم دونوں کینٹین سے اٹھ گئے۔

اس شام کیمپس کے آڈیٹوریم میں ایک دوسرے ڈیپارٹمنٹ کے طلبہ و طالبات کی ایک تقریب تھی۔ اس ڈیپارٹمنٹ کے زیادہ تر لوگ اسد کے حق میں تھے۔ انہوں نے اسے خصوصی طور پر بلوایا ہوا تھا۔ میں نے سبز زار جاتے ہی اس سے فرخ کی کال بارے میں طویل بات کی تھی۔ تب اس نے شام کے وقت آنے کا کہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ تھوڑی سی دیر اس تقریب میں جائے گا اور پھر وہاں سے سبزہ زار آجائے گا۔ وہ چاہتا تھا کہ ساتھ میں رخشندہ کو بھی لے آئے تاکہ اس

معاملے پر سنجیدگی سے غور کر لیا جائے۔ میں مغرب سے ذرا پہلے تیار ہو کر ان کے انتظار میں بیٹھ گیا تھا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ ان کے ساتھ کاشف ضرور آئے گا۔ میں اپنے طور پر ماہم کے بارے میں سوچتا رہا تھا۔ کینٹین سے اٹھ کر جانے سے لے کر اب تک اس کی کوئی کال تک نہیں آئی تھی۔ میں امید و بیم کی کیفیت میں آ گیا۔ فرخ چوہدری اتنا بڑا جھوٹ بول نہیں سکتا تھا۔ اگر وہ درست کہہ رہا تھا تو پھر ماہم کی پوزیشن انتہائی درجے کی مشکوک ہو جاتی تھی۔ ایسے حالات میں مجھے ماہم سے انتہائی درجے کا محتاط ہو جانا چاہیئے تھا۔ ورنہ میں کسی بھی وقت اس کے سامنے کھل سکتا تھا اور میرا سارا منصوبہ دھرے کا دھرا رہ جاتا۔ مجھے نہ تو کیمپس پر آفت سے کوئی مطلب تھا اور نہ ہی ان کی سیاست سے کوئی غرض تھی۔ مجھے تو صرف اپنا مقصد چاہیئے تھا، جو نزدیک آتے آتے اچانک بہت دور ہو گیا تھا۔ میں نے ماہم کے تعلق اور قربت کو جس قدر آسان سمجھا تھا۔ اب اتنی ہی مشکل سطح پر آ گیا تھا۔ درمیان میں اگر یہ کیمپس کی سیاست نہ آتی تو شاید ہم قربت کی کس اور ہی راہ پر چل رہے ہوتے۔ ماہم کا حصول میرے لیے بہت مشکل دکھائی دے رہا تھا۔ اس پر مجھے دلی طور پر افسوس ہو رہا تھا۔ اس وقت میں انہی سوچوں میں

کھویا ہوا تھا کہ سلیم میرے پاس آگیا۔ وہ بڑے خوشگوار موڈ میں تھا۔ اس لیے مسکراتے ہوئے بولا۔

”سنائیں سر جی، بڑے خاموش ہیں۔ کچھ سوچ رہے ہیں کیا؟“

میں اس کے سوال کے جواب میں فرخ چوہدری کی کال بارے بتا دینا چاہتا تھا مگر نہ جانے کیوں میں خاموش ہو گیا۔ میرا دل نہیں چاہا کہ میں اس بابت اسے فوری طور پر بتا دوں۔ اس لیے میں بھی مسکراتے ہوئے بولا۔

”بس یار یونہی اکیلا بیٹھا تھا۔ اب اگر میں خود سے باتیں کروں گا تو لوگ مجھے پاگل ہی کہیں گے نا“۔

میرے یوں کہنے پر وہ ہنس دیا۔ پھر ہم یونہی ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگے۔ تبھی میرے ذہن میں ایک خیال آیا تو میں نے اس سے پوچھا۔

”یار ایک بات تو بتاؤ، تم ماہم کے سامنے کیوں نہیں جاتے ہو۔ کیا وہ تمہیں پہچان لے گی اور اگر وہ پہچان لے گی تو تمہارا اس کے ساتھ ایسا کیا“....میں نے کہنا چاہا تو وہ میری بات قطع کرتے ہوئے بولا۔

”سر جی، وہ نہیں جانتی کہ میں کون ہوں اور نہ ہی یہ پہچان وغیرہ کا کوئی مسئلہ ہے سمجھ لیں کہ میں محتاط ہوں۔ جب تک میں اس سے چھپ سکتا ہوں، اتنا ہی اچھا ہے“۔

”کیوں؟ “میں نے اصرار کرتے ہوئے پوچھا۔

”سرجی، بعض اوقات مجھے اس کے پیچھے بھی جانا ہوتا ہے بلکہ کچھ عرصہ تو میں باقاعدہ اس کی حرکات و سکنات کو دیکھتا رہا ہوں۔ ممکن ہے وہ مجھے دیکھ چکی ہو ، جانتی ہو، یا اس حوالے سے مجھے پہچانتی ہو وہ جو میں نے اس کے بارے میں آپ کو معلومات دی تھیں، اس کی یہی وجہ تھی۔ یہ بھی ممکن ہے وہ مجھے نہ پہچانتی ہو۔ بس میں محتاط ہوں اور کوئی بات نہیں ہے“۔

اس سے پہلے کہ میں کوئی بات کرتا، میرا سیل فون بج اٹھا۔ وہ رابعہ کی کال تھی۔ کال ریسیو کی تو دوسری طرف وہ تقریباً چیختے ہوئے بولی۔

”ابان!.... اگر ہو سکے تو فوراً پہنچو“۔

”کہاں اور کیوں ....کیا ہو گیا؟ “میں نے پوچھا تو وہ تیزی سے کہتی چلی گئی۔

”اسد نے جس تقریب میں جانا تھا۔ اس پر کافی تنازع اٹھ گیا ہے۔ تقریب والے لوگ میوزک وغیرہ بجانا چاہتے تھے لیکن مخالف تنظیم نے اس ایشو کو اٹھا کر طلبہ

کو بھڑکا دیا ہے۔ وہ لوگ آڈیٹوریم پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں، ممکن ہے معاملہ بہت زیادہ بگڑ جائے، تم فوراً پہنچو۔ یہاں سب ایک دوسرے کو کال کر رہے ہیں“۔

”اوکے !....میں پہنچتا ہوں“۔ میں نے کہا اور فون بند کر کے کھڑا ہو گیا۔ ظاہر ہے اب مجھے سلیم کو بتانا تھا ، وہ ساری بات سن کر بولا۔

”سر جی، آپ گاڑی نکالیں میں بھی آپ کے ساتھ چلتا ہوں“۔ یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے اندر کی جانب چلا گیا۔ میں نے چند لمحے سوچا اور گاڑی نکالنے لگا۔ جب تک میں گاڑی گیراج سے گیٹ تک لایا سلیم آگیا۔ اس کے ہاتھ میں ری پیٹر گن تھی۔ میرے ساتھ پسنجر سیٹ پر بیٹھتے ہی میں نے گاڑی بڑھا دی۔ راستے میں اس نے ایک ریوالور ڈیش بورڈ میں رکھ دیا جہاں پہلے ہی میرا کولٹ ریوالور پڑا ہوا تھا۔

”سر جی، یہ اپنا ریوالور اپنے پاس رکھیں۔ یہ یہاں ضرورت کے لیے رکھا ہے۔ میں وہاں پر آپ کا گن مین ہوں گا“۔ اس پر میں نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بلکہ پوری توجہ سے گاڑی بڑھاتا ہوا کیمپس جا پہنچا۔ میں نے راستے میں اسد سے پوچھ لیا تھا کہ وہ کہاں پر ہیں۔ میں ان کے پاس جا پہنچا۔ وہ سب ہاسٹل کے باہر اکٹھے ہو رہے تھے۔ سلیم انہی میں کہیں غائب ہو گیا تھا۔

”انہوں نے جان بوجھ کر یہ ہنگامہ کیا ہے۔ مجھے ان کی طرف سے کل ہی سے خبریں مل رہی تھیں“۔ اسد نے مجھے بتایا۔

”تو اب تم کیا کرنا چاہتے ہو؟ “میں نے پوچھا۔

”ان لوگوں نے آڈیٹوریم پر قبضہ کیا ہو ا ہے۔ کسی کو اندر نہیں جانے دے رہے ہیں۔ جو لوگ وہاں تھے، انہیں بھی بھگا دیا ہے۔ ان سے ڈیپارٹمنٹ والوں کی بات چل رہی ہے۔ مان گئے تو ٹھیک ورنہ وہ قبضہ تو چھڑانا ہے“۔ اسد نے حتمی انداز میں کہا۔

”اوکے !....لیکن اندھیرا ہو جانے سے پہلے پہلے “....میں نے کہا تو وہ بولا۔

”پانچ منٹ مزید انتظار کرنا ہے۔ ابھی ان کی کال آتی ہو گی اور کاشف بھی اس انتظار میں دوسری طرف موجود ہے“۔

اس نے مجھے معلومات دیں ۔ تو میں کافی حد تک مطمئن ہو گیا۔ انہوں نے پلان کر لیا ہوا تھا۔ یہ تصادم ہونا ہی تھا۔ وہ جو چند دن سے خاموشی چھائی ہوئی تھی، وہ اپنے منطقی انجام تک آپہنچی تھی۔

بے چینی پورے عروج پر تھی۔ ہاسٹل کے باہر لڑکوں کا ہجوم تھا، ایک نگاہ میں انہیں گنا نہیں جا سکتا تھا۔ ان میں سے زیادہ لڑکوں کے پاس اسلحہ تھا۔ اگرچہ اس

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

وقت ہماری وقتی جیت کے لیے وہ ہمیں بہت اچھے لگ رہے تھے مگر اس کے ساتھ میرے ذہن میں ایک دکھ بھری یہ سوچ بھی گردش کر رہی تھی کہ یہ لوگ تو علم حاصل کرنے یہاں آتے ہیں۔ ان کا لڑائی جھگڑے، اسلحہ بارود سے کیا واسطہ؟ کس نے انہیں ایسا کرنے پر مجبور کر دیا ہے یہ صرف اور صرف اس گندی سیاست کا شاخسانہ ہے جس کی بنیاد ہی منافقت اور سازش پر تیار ہوتی ہے۔ کسی بھی ملک کا انسانی وسائل انہی نوجوانوں سے نکلتا ہے۔ جنہیں ایسی مادرِ علمی میں تعلیم و تربیت سے سنورا اور نکھارا جاتا ہے، میرے وطن میں سیاست نے اس نوجوان کو نگل لیا ہے۔ اسے زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کی بجائے، ذہنی اذیت، برائی، کرپشن اور معاشرتی بوجھ کی اَن دیکھی زنجیروں میں جکڑ دیا ہوا ہے۔ وہ ساری عمر یونہی پابہ زنجیر رہتے ہیں، کبھی آزاد نہیں ہو سکتے۔ مذہبی شدت پسندی ایک ایسا عمل ہے،جس سے ہماری نوجوان نسل اگر دین کے قریب جاتی ہے، اسے اپناتی ہے تو وہ سب فرقہ بندی میں بٹ کر ایک دوسرے کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ایک دوسرے کے دشمن بنے رہتے ہیں۔ مذہبی ٹھیکیداروں نے اس انسانی وسائل کو بری طرح استعمال کیا ہے۔ فرقہ بندی میں پھنساکے اور خوف زدہ فضا میں ڈال کر انہیں اپنی راہ پر چلنے کے لیے مجبور کر دیا ہواہے۔ ان کی اپنی سوچ رہتی ہی نہیں۔

وہ پھر انہی مذہبی ٹھیکیداروں کی سوچ پر آنکھیں بند کر کے عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اس ردِ عمل میں نوجوانوں کا ایک دوسرا گروہ ہے جو اس شدت پسندی اور الجھنوں کی تاب نہ لاتے ہوئے دین سے دور ہوتا چلا جارہا ہے۔ وہ اپنی دنیا میں مست ہی نہیں خود کو ان کا متحارب خیال کرتا ہے۔یہی وہ نکتہ ہے جہاں سے لڑائی جھگڑے کی فضا پیدا ہوتی ہے۔ ہم اپنی قوت خود پر ہی خرچ کر کے بے دست و پا ہوئے بیٹھے ہیں۔

اب یہی معاملہ جو ہمیں درپیش تھا اس کی بنیاد میں بھی فقط یہی وجہ تھی۔ مذہبی تنظیم کے افرد نے آڈیٹوریم پر اس لیے قبضہ کر لیا کہ یہاں میوزک کا پروگرام نہیں ہونا چاہئے، جبکہ دوسرے ردِ عمل کے طور پر ہتھیار اٹھا کر کھڑے تھے۔ اصل سوال یہی تھا کہ آخر وہ کون لوگ ہیں جو انہیں اس سطح پر لے آئے ہیں کہ وہ آمنے سامنے اسلحہ تان کر کھڑے ہو جائیں۔ میں یہ معاملہ پوری طرح سمجھ رہا تھا کہ یہ فقط کیمپس پر گرفت کرنے کی جنگ ہے اور دونوں فریقین نے عام لڑکوں کے جذبات سے کھیل کر انہیں اپنے مقصد کے لیے استعمال کر لیا ہوا تھا۔ ان میں سے جو بھی جیت جاتا یا ہار جاتا، بنیادی طور پر نقصان کس کا ہے؟ ہم اگر ایک لمحے کے لیے سوچیں تو کیا شدت پسندی، ہمیں اس مقام تک نہیں لے آئی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

چاہے وہ مذہبی ہے یا غیر مذہبی؟ لہو کس کا بہنا تھا اور بہہ گیا ہوا لہو انہی سڑکوں پر جم کر خشک ہو جاتا اور پھر گزرتے ہوئے ہر لمحے کے ساتھ بے وقعت ہو جاتا۔ ایسا رائیگاں ہولہو کتنا بہہ گیا ہے، کیا ہم نے کبھی سوچا؟

اسد کا فون بج گیا تو نہ جانے میرے بدن میں سنسنی کی لہر کیوں دوڑ گئی۔ بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا کہ اللہ خیر کرے۔ وہ چند لمحے سیل فون کان سے لگائے سنتا رہا۔ پھر فوراً ہی فون بند کر کے اپنے اردگرد کھڑے لڑکوں سے بولا۔

"چلو !.... حملے کا وقت آگیا ہے؟" یہ کہتے ہوئے وہ تیزی سے اپنی کار کی جانب بڑھ گیا۔ اس کی تقلید میں دوسرے بھی کاروں ، جیپوں اور موٹر بائیک پر سوار ہو کر نکل پڑے۔ وہ تقریباً چالیس پچاس لڑکے ہوں گے۔ سبھی آڈیٹوریم کی جانب تیزی سے جارہے تھے۔ مجھ سے آگے کچھ گاڑیاں تھیں اور کئی موٹر بائیک تھے۔ چند منٹوں میں وہ فاصلہ طے ہو جانا تھا۔ آڈیٹوریم کے سامنے کافی سارا کھلا میدان تھا۔ وہ سارے وہیں جا کر رک گئے۔ سامنے بہت سارے لوگ کھڑے تھے۔ کچھ افراد چھت پر گنیں تانے ہوئے تھے۔ میں سمجھ نہیں پارہا تھا کہ یہ اسد کرنا کیا چاہ رہا ہے۔ ہمارے رکتے ہی لڑکیوں کا ایک گروپ دائیں جانب سے نکلا اور آڈیٹوریم کے دروازے کی جانب بڑھا۔ اس کی قیادت رابعہ کر رہی تھی۔ اس وقت مجھے

حیرت کا ایک جھٹکا لگا جب میں نے اس کے ساتھ ذرا فاصلے پر ماہم کو جاتے ہوئے دیکھا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں تنی ہوئی تھیں۔ میں اگلے ہی لمحے ریوالور اپنے ہاتھوں میں لیے گاڑی سے باہر آگیا۔ میں نے جیسے ہی زمین پر قدم رکھا۔ تبھی میری دائیں جانب سے آواز آئی۔

"سر آپ اندر بیٹھو، جب ضرورت ہو گی تو باہر آجایئے گا"۔

میں نے آواز کی سمت دیکھا تو وہ ایک موٹر بائیک کی پچھلی نشست پر گن لئے ہوئے بیٹھا تھا۔ اس کے آگے جو بیٹھا تھا وہ قطعاً بھی کیمپس کا طالب علم نہیں تھا۔ میں نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"تم کہاں چلے گئے تھے"....

"کہیں بھی نہیں، آپ کے ساتھ ساتھ تھا اور دوسری بات ذرا سا بھی کچھ ایسا ویسا محسوس کریں تو فوراً نکل جایئے گا۔ کسی کا بھی انتظار کیے بغیر، رسک نہیں لینا"۔

لفظ ابھی اس کے منہ ہی میں تھے کہ رابعہ دروازے تک جا پہنچی۔ وہاں بھی چند لڑکیاں کھڑی ہوئی تھیں۔ انہوں نے رابعہ اور اس کی ساتھی لڑکیوں کو روک لیا۔ ان میں تیز تیز تکرار ہونے لگ گئی تھی۔ اسی دوران نہ جانے کب کس نے اوپر سے ہوائی فائرنگ شروع کر دی۔ پھر ایک دم سے ہڑبونگ مچ گئی۔ لڑکیاں چیختی

ہوئی ایک جانب نکل گئیں۔ جب کہ ہماری اور مذہبی تنظیم کے لوگوں کے درمیان فائرنگ کا تبادلہ ہونے لگا۔ میں نے گاڑی کی اوٹ لی اور گولیاں چلانے لگا۔ میں حیران تھا کہ اوپر سے فقط ایک بار ہی فائرنگ ہوئی، پھر اس کے بعد خاموشی چھا گئی تھی۔ سامنے والے لڑکے برآمدے اور آڈیٹوریم کے اندر تھے۔ فائرنگ زوروں پر ہونے لگی تھی۔ تقریباً تین یا چار منٹ کے عرصے کے دوران آڈیٹوریم کے اندر فائرنگ شدید ہو گئی۔ اس کے ساتھ بہت ساری چیخیں بھی بلند ہوئیں۔ میں ایک لمحے میں سمجھ گیا۔ کاشف نے جو پلاننگ کی ہوئی تھی، وہ کامیاب ہو گئی تھی۔ وہ پہلے ہی کہیں چھت کے قریب تھا۔ جیسے ہی اوپر سے فائرنگ ہوئی، وہیں انہوں نے ان چند لوگوں کو قابو کر لیا جو وہاں موجود تھے۔ پھر وہیں سے نیچے اتر کر اندر سے ان کے عقب میں آگئے تھے۔ اب مذہبی تنظیم والوں کے پاس دو ہی آپشن تھے ، بھاگ جائیں یا اپنی جان دے دیں۔ انہوں نے پہلا آپشن ہی قبول کیا اور لمحوں میں فائرنگ ختم ہو گئی۔ وہ اپنے زخمیوں کو لیتے ہوئے وہاں سے ہٹ گئے تھے۔ ان کو بھاگتے دیکھ کر اسد کے ساتھ آئے لڑکے شیر ہو گئے۔ وہ سب آڈیٹوریم کی جانب بھاگے۔ اسد ان میں سب سے آگے تھا۔ میں اس کے کور کے

لیے فوراً آگے بڑھ گیا۔ کئی جذباتی لڑکے اوپر چلے گئے اور وہاں سے تین زخمی لڑکوں کو نیچے لے آئے۔

"بھاگ سکتے ہو تو بھاگ جاؤ، ورنہ میں تمہیں گولی مار دوں گا"۔ اسد نے دانت پیستے ہوئے انتہائی غصے میں کہا۔ مگر وہ لڑکے وہاں سے جا نہیں سکتے تھے۔ انہوں نے بے بسی سے اسد کی طرف دیکھا۔ تب میں تیزی سے آگے بڑھ کر بولا۔

"نہتے پر وار کرنا بزدل لوگوں کا کام ہے۔ انہیں ہسپتال تک پہنچانا ہمارا فرض ہے"۔

"فرض !....ان کی گولی ہمارا سینہ چھید جاتی تو وہ کیا تھا"۔ اسد نے نفرت سے کہا۔

"اور اب بھی یقین نہیں کہ انہیں ہم یہاں سے لے کر جائیں اور راستے میں موجود ان کے لوگ ہمیں گولی مار دیں"۔ وہیں کسی نے کہا تو میں نے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"میں لے جاتا ہوں انہیں، مجھ پر گولی چلاتے ہیں نا، تو چلائیں"۔ جیسے ہی میں نے کہا تو اسد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ میں نے ایک لڑکے کو سہارا دے کر اٹھایا۔ تو میری تقلید میں دونوں لڑکوں کو بھی گاڑی میں ڈال دیا گیا۔ تبھی ہم انہیں لے کر کیمپس میں موجود ہسپتال میں جا پہنچے۔ ہم وہاں زیادہ دیر نہیں ٹھہرے انہیں ہسپتال کے عملے کے سپرد کیا اور پلٹ گئے۔ واپس آئے تو ماحول بالکل بدل چکا

تھا۔ کاشف کے ساتھی آڈیٹوریم کی چھت پر تھے۔ اسد میدان کے عین درمیان میں کھڑا تھا اور اندر میوزک بہت زوروں کا بج رہا تھا۔

”کیا اب پروگرام ہو گا؟ “میں نے یونہی پوچھا۔

”ضرور ہو گا، سب لوگ آرہے ہیں اور جب تک یہ پروگرام ختم نہیں ہو جاتا ہم یہیں ہیں“۔ایک جذباتی سے لڑکے نے کہا تو سلیم میرے پیچھے سے منمنایا۔

”سر جی، اب ہمارا یہاں کام نہیں ہے۔ اب ہمیں یہاں سے نکل جانا چاہئے اس قدر خوف کی فضا میں لوگ نہیں آئیں گے۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے تتر بتر ہو جانا ہے۔ ہم اپنے ٹھکانے پر پہنچیں“۔

”بات تمہاری معقول ہے۔ تم گاڑی کے پاس چلو،میں آیا“۔ میں نے آہستگی سے اسے سمجھایا اور اسد کے پاس چلا گیا۔ وہ اپنی جیت پر جس قدر خوش تھا، اس سے زیادہ پریشان تھا کہ اب اپنی اس جیت کو سنبھالنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ میں نے اسے تسلی دی اور وہاں سے پلٹ پڑا۔ اس وقت میرے گمان میں یہی تھا کہ لڑکیاں اندر ہال میں ہیں اور ان میں ماہم ضرور ہو گی، اس کا یہاں ہونا مجھے عجیب سا لگ رہا تھا۔ تاہم مجھے رابعہ کی جرائ ت کا بھی اندازہ ہو گیا تھا۔ میں یہی سوچتا ہوا اپنی گاڑی کے پاس آگیا۔ اس وقت میرا واپس جانے کو جی نہیں کر رہا تھا، لیکن سلیم

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا گاڑی سٹارٹ کر چکا تھا۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا تو سلیم نے گیئر لگا دیا۔ راستے میں مجھے اچانک تنویر کا خیال آیا۔ ممکن ہے اس ہنگامے کے بعد کیمپس بند ہو جائے یا پھر ہاسٹل پر چھاپہ پڑے تو اس کا کیا ہو گا؟ ابھی ہم کیمپس کے اندر ہی تھے۔ میں نے سلیم کو ہاسٹل کی طرف گاڑی موڑنے کا کہہ دیا۔ کچھ دیر بعد ہم ہاسٹل کے اندر تھے۔ تنویر اکیلا بیٹھا پریشان ہو رہا تھا۔ مجھے دیکھتے ہی بولا۔

”اچھا کیا تم آگئے ہو یار، پتہ نہیں اب کیا ہو گا“۔

”صرف یہ ہو گا کہ تم میرے ساتھ جارہے ہو سبزہ زار ، جلدی نکلو، جو سامان لے سکتے ہو لے لو“۔

”میں بھی یہی سوچ رہا تھا، وہ سامنے بیگ پڑا ہے وہ اٹھا لو اور بس“.... تنویر نے کہا اور اٹھ گیا۔ سلیم سامان لے گیا اور میں تنویر کو سہارا دے کر گاڑی تک لے آیا۔ اس کے ساتھ ہی ہمارا رخ سبزہ زار کی طرف تھا۔ اس وقت میرے ذہن میں خیال آیا کہ رابعہ کو تو ہاسٹل جانے کے لیے کہوں۔ مگر پھر ارادہ ترک کر دیا۔ وہ خود سمجھ دار تھی۔

111

تنویر کمرے میں سکون سے لیٹ گیا تھا۔ ہم کھانا کھا چکے تھے۔ ہم اسد کے ساتھ مسلسل رابطے میں تھے۔ میری توقع کے مطابق وہ پروگرام نہیں ہوا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد وہاں بھاری نفری کے ساتھ پولیس آگئی تھی اور سب لوگ تتر بتر ہو گئے تھے۔ جس کا جدھر سینگ سمایا وہ ادھر چلا گیا۔ اسد کب کا کاشف وغیرہ کے ساتھ نکل گیا تھا۔ جبکہ مجھے رابعہ کا فون ہی نہیں مل رہا تھا۔ وہ مسلسل بند تھا ۔ اردگرد سے اطلاعیں آنا شروع ہو گئیں تھیں کہ پولیس ریڈ میں ہاسٹل پر زیادہ توجہ ہے۔ تنویر اس بات پر بہت خوش تھا کہ میں اسے وہاں سے نکال لایا ہوں۔ ہم دونوں ہی اپنے ساتھیوں سے رابطے میں تھے۔ کوئی مل رہا تھا اور کوئی نہیں مل رہا تھا۔ جس کے باعث کافی حد تک پریشانی تھی۔ رات کا پہلا پہر اسی پریشانی میں گزر گیا۔ میں اور تنویر مختلف آپشنز پر بات کرتے رہے۔ سلیم نہ جانے کہاں نکل گیا تھا۔ ایسے میں کال بیل بجی کچھ دیر بعد جندوڈا نے آکر بتایا۔

”سائیں !....کچھ لڑکیاں اندر آنا چاہ رہی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ آپ سے ملنا ہے“۔

”کچھ لڑکیاں، نام پوچھا ان سے.... ؟ “میں نے پوچھا۔

"رابعہ ....اور ".... اس نے کہنا چاہا تو میں جلدی سے اٹھا اور گیٹ کی جانب بڑھا۔ چند لمحوں میں وہاں تھا۔ رابعہ کے ساتھ چند لڑکیاں کھڑی تھیں ۔ میں نے انہیں دیکھتے ہی کہا۔

"آؤ اندر آؤ رابعہ"....

میں یہ کہہ کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ اندر آ گئیں۔ گیٹ جندوڈ نے لگا دینا تھا۔ وہ میرے پیچھے پیچھے آنے لگیں۔ ہم ڈرائنگ روم میں آ گئے۔ پھر جیسے ہی میں نے ان سب پر نظر ڈالی تاکہ یہ کہوں کہ وہ بیٹھیں، میری نگاہ ماہم پر پڑی جو سب سے آخر میں حیرت سے میری جانب دیکھ رہی تھی۔ میں حیران رہ گیا کہ اس کا رویہ ایسا کیوں ہے؟ وہ رابعہ ہی تھی جس نے اسے انتہائی نفرت سے برا کہا تھا اور اسی رابعہ کے ساتھ وہ یہاں تک آ گئی تھی۔ یہ کیا معمہ ہے؟ کیا لڑکیاں سمجھ میں نہیں آتیں یا لڑکیوں کی سمجھ نہیں آتی۔وہ سب صوفوں پر بیٹھ گئیں تھیں۔ ماہم بھی ایک جانب ٹک گئی۔ جندوڈا ایک کونے میں منتظر تھا کہ میں اسے کوئی حکم احکام دوں۔

"رابعہ !....مجھے یقین ہے کہ تم لوگوں نے کھانا نہیں کھایا ہو گیا۔ میں "....میں نے کہنا چاہا تو ماہم نے میری بات ٹوکتے ہوئے کہا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

"میں نے ریستوران میں آرڈر کر دیا ہے۔ کسی کو بھی بھیج کر وہاں سے منگوا لیا جائے۔ جندوڑا جا"....ؤ

"جی "....یہ کہتے ہوئے اس نے میر ی جانب دیکھا۔ میں خاموش رہا تو وہ وہاں سے چل دیا۔ تو میں نے رابعہ سے پوچھا۔

"تمہارا فون کہاں ہے؟"

"وہیں کہیں گر گیا ہے، اس لیے اسد سے بھی رابطہ نہیں ہو پارہا تھا۔ اب ہوا ہے، بتا رہا تھا کہ وہاں کیمپس میں افراتفری کا عالم ہے، پولیس ریڈ کے باعث سب بھاگ رہے ہیں"۔

"کیا انہوں نے لڑکیوں کے ہاسٹل پر بھی "....میں نے ایک دم سے پوچھا۔

"نہیں، ادھر تو نہیں، مجھے بھی کوئی اتنا خوف نہیں تھا، لیکن اسد نے احتیاطاً کہا ہے میں ادھر تمہارے پاس چلی آؤں تو میں آگئی"۔ اس نے پُرسکون لہجے میں بتایا تو میں نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"اچھا کیا، اب کھانا آجانے تک آپ سب فریش ہو جاؤ، جو کمرے اچھے لگتے ہیں ، انہیں ٹھیک کر کے آرام کرو۔ صبح باتیں ہوں گی"۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا تو وہ بھی ساری اٹھ گئیں۔ صرف ماہم وہاں پر بیٹھی رہی۔ میں اسے نظر انداز کرتا ہوا

اوپری منزل کی طرف چلا گیا۔ مجھے پورا یقین تھا کہ وہ میرے پیچھے ضرور آئے گی ورنہ میں تنویر کو جا کر ساری صورتِ حال بتاتا۔ میں نے سیڑھیاں چڑھتے ہوئے تنویر کا نمبر ملایا اور فون پر انتہائی اختصار سے رابعہ کے آنے کے بارے میں بتایا۔ تب تک میں اوپری چھت تک جا پہنچا۔دور دور تک شہر روشن تھا۔ اندھیرے میں جگمگاتے ہوئے برقی قمقمے بہت اچھے لگ رہے تھے۔ ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی جس میں ہلکی ہلکی نمی تھی۔ مجھے معلوم تھا کہ میں نے ماہم کے ساتھ کیسا رویہ رکھنا تھا۔ میں نے چھت پر آ کر گہری سانس لی اور دور اندھیروں میں دیکھنے لگا۔ تبھی مجھے اپنے عقب میں قدموں کی چاپ سنائی دی۔ میں نے مڑ کر دیکھا۔ مجھ سے ذرا فاصلے پر ماہم دونوں ہاتھ پشت پر باندھے میری طرف دیکھ رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں غصہ ملی بے بسی تھی۔ جیسے وہ بہت زیادہ شکوے کر لینا چاہتی ہو۔

"کیا آپ مجھے نظر انداز کر سکتے ہو؟" وہ آہستگی سے بولی۔

"نہیں ماہم میں تمہیں قطعاً نظر انداز نہیں کر سکتا۔ تمہارا اگر کوئی منفی رویہ سامنے آئے گا تو مجھے زیادہ دکھ ہو گا"۔

میں نے اس کے چہرے پر دیکھتے ہوئے کہا تو وہ بڑے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہتی چلی گئی۔

"ابان !....مجھے بتاؤ میرا ایسا کون سا منفی رویہ ہے۔ رابعہ نے جو کچھ بھی کہا، وہ غلط نہیں، بالکل سچ ہے، لیکن ذرا غور کرو رابعہ نے جو کچھ بھی بتایا ہے وہ ساری کی ساری فرخ چوہدری کی سوچ ہے۔ دشمن سے خیر کی توقع رکھنا بڑی حماقت ہے۔ میں اپنی صفائی میں اس لیے کچھ نہیں کہوں گی کہ میں نے ایسا کچھ نہیں سوچا"۔

"بقول تمہارے اگر یہ سب سوچ ہے تو پھر سب دوستوں کا متنفر ہو جانا درست ہے ۔ ان کا تم پر بھروسہ نہ کرنا کچھ غلط تو نہیں ہے"۔ میں نے آہستگی سے اپنی سوچ بتائی۔

"مجھے کسی سے کوئی غرض نہیں، مجھے صرف آپ کی پروا ہے۔ مجھے آپ کا یقین چاہیئے۔ باقی سب وقت ثابت کر دے گا کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ "اس نے تیزی سے کہا۔

"تو پھر تمہیں کم از کم مجھے تو بتانا چاہیئے کہ اصل حقیقت کیا ہے؟ "میں نے تشویش زدہ لہجے میں پوچھا۔

"اصل حقیقت وہی سیاست ہے۔ رابعہ نے غلط نہیں کہا، لیکن اصل سوال یہ ہے کہ کیا میں اپنے پاپا سے متفق ہوں یا نہیں۔ مجھے ان کی سیاست سے کوئی غرض ہے یا نہیں۔ وہ بندہ جو معاہدہ کرتے ہی اس کی پاسداری نہ کرے وہ کہاں قابل

اعتماد ہوتا ہے۔ ابان !....میں نے اب تک اپنی جنگ ہی لڑی ہے۔ اگر تم نہ ہوتے تو شاید میں یہ جنگ نہ جیت سکتی۔ اب پاپا لوگ اس پر اپنی سیاسی دکان چمکانا چاہتے ہیں تو مجھے ان سے کوئی غرض نہیں"۔

"تم ایسا کر کے اپنے پاپا سے بغاوت نہیں کر رہی ہو؟ "میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے وہاں دھری کرسی پر بیٹھ گیا۔ میری تقلید میں ماہم بھی میرے سامنے بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ایسا کر کے میں نے کون سا نئی بغاوت کی ہے، آپ شاید نہیں جانتے، صبح میری بات پاپا سے ہوئی تھی اور میں نے انہیں فرخ کے پیغام بارے بتا کر انہیں اپنی رائے بتا دی ہے کہ مجھے آپ لوگوں کی سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں فرخ چوہدری جب بھی میرے سامنے آیا، میں اسے نہیں چھوڑوں گی۔ میرے خیال میں ان کا یہ معاہدہ زیادہ دیر تک قائم نہیں رہے گا"۔

"دیکھو ماہم !.... جہاں تک میری ذات ہے، مجھے تم سے کوئی شکایت نہیں ہے، لیکن اگر تمہاری وجہ سے گروپ کو نقصان ہوتا ہے تو وہ برداشت نہیں کیا جاسکتا"۔ میں نے اس کی طرف دیکھ کر آہستگی سے کہا۔

”لیکن یہ بھی تو دیکھو، الزام کس نے لگایا، میرے دشمن نے .... گروپ کو یہ بھی دیکھنا چاہیئے۔ شک کی دراڑ تو پڑ گئی ہے۔ جنہیں ختم کرنے میں ابھی وقت لگے گا، لیکن میرا آپ سے تعلق ختم ہو، میں یہ بھی تو برداشت نہیں کر سکتی“۔ وہ مجھے سمجھانے والے انداز میں بولی۔

”ہمارا تعلق رہے گا ماہم؟ میں نے جب تمہیں دوست کہہ دیا تو بس کہہ دیا، وہ لوگ گھٹیا اور رذیل ہوتے ہیں جو دوست بھی کہیں اور منافقت بھی کریں“۔ میں نے کہا تو اس نے ایک دم سے دیکھتے ہوئے خوشی سے لبریز لہجے میں کہا۔

”میں یہی چاہتی ہوں ابان، اب چاہے جیسا بھی امتحان ہو، میں اس سے سرخرو ہوں گی۔ میرے خیال میں اب ہمیں نیچے جانا چاہیئے“۔

”اوکے، تم جاؤ، میں آتا ہوں“۔ میں نے ہلکے سے انداز میں کہا تو وہ اٹھ کر چل دی اور میں سوچنے لگا، ماہم تو بالکل ایک معمہ لگ رہی ہے۔ کیا یہ حل ہو بھی سکے گی یا میں یونہی اس کے ساتھ الجھتا رہوں گا۔ نہ جانے مجھے یہ کیوں گمان ہونے لگا تھا کہ میری منزل اب بہت قریب ہے، کیونکہ جس قدر میں اس میں الجھ گیا ہوں، وہ بھی تو اتنا الجھ گئی ہے مجھ میں۔ کیا واقعی وہ میری ذات میں الجھی ہے؟ اگر یہ سچ ہے تو مجھے دیر نہیں کرنا چاہیئے تھی۔ اب صرف اتنا ہی چاہیئے تھا کہ وہ

کھل کر اپنا اظہار کر دے۔ تبھی فوراً ہی میرے اندر سے یہ آواز اٹھی، ایسا تو وہ کئی بار کر چکی ہے۔ تمہیں ہی یقین نہیں آرہا ہے ۔ کیا کسی انہونی ہو جانے کے انتظار میں ہو یا تم بھی کوئی قدم بڑھاؤ گے۔ یہ آواز میرے خاصی اہم تھی۔ میں نے وہیں بیٹھے فیصلہ کر لیا۔ اب جو ہوتا ہے وہ ہو۔ مجھے اہم قدم اٹھانا چاہیئے۔ میں چھت پر بیٹھا اپنے آپ سے الجھتا رہا، پھر فیصلہ کرتے ہی اٹھ کر نیچے ڈرائنگ روم میں آگیا۔ جہاں وہ لڑکیاں کھانا کھا رہی تھیں اور ان سے ذرا فاصلے پر تنویر بیٹھا ٹی وی میں محو تھا۔ مجھے دیکھتے ہی وہ میری طرف متوجہ ہو گیا۔

”کہاں تھے تم....؟ “اس نے پوچھاتو میں نے کچھ جھوٹ اور کچھ سچ بتاتے ہوئے کہا۔

”مجھے کچھ ضرور فون کرنا تھے۔ اس لیے چھت پر تھا۔“

”یار میں نے سنا ہے چند لڑکے شدید زخمی ہیں۔ ان میں دو اپنے ہیں اور باقی ان کے ایک کی تو حالت خاصی نازک ہے اس وقت“۔ تنویر نے مجھے معلومات دیں تو میں نے چند لمحے خاموشی کے بعد کہا۔

”اب کیا کیا جائے، یہ تو ہونا ہی تھا“۔

"یار یہ کیا طوفانِ بدتمیزی ہے۔ ہم پڑھنے کے لیے آتے ہیں اور یہاں میدانِ جنگ بنا ہوا ہے۔ ڈوریاں ہلانے والے نہ جانے کہاں بیٹھے ہیں۔ فائدہ پتہ نہیں کس کا ہو رہا ہے اور ہم اپنے معمولی سے فائدے کے لیے کٹھ پتلیاں بنے ہوئے ہیں"۔ وہ اکتائے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ایک دوسرے کا احترام ہی محبت کی فضا کو جنم دیتا ہے۔ میں ایک بات سمجھتا ہوں تنویر، یہ جو مذہبی تنظیم کے لوگ ہیں ، یہ اپنے کردار سے دوسروں کو متاثر کیوں نہیں کرتے۔ جبر کی بجائے وہ محبت بھر ا سلوک کریں اپنے پیغام کو پھیلا کر دوسروں کے دل جیتیں، یہ کہاں کا انصاف ہے کہ وہ جبر سے، دھونس اور غنڈہ گردی سے اپنی بات منوانے کی کوشش کریں۔ کتنے غنڈے ہاسٹلوں میں پرورش پاتے ہیں اور ان کی سرپرستی کون کرتا ہے"۔ میں نے اپنی رائے دی۔ تو وہ بولا۔

"یہ بڑا آسان سانسخہ ہے، محبت ، باہمی احترام اور امن، لیکن ہو کیا رہا ہے، اپنے گروپ کا کوئی بندہ چاہے غلط ہی کیوں نہ کرے وہ درست ہے اور دوسرے کا تو غلطی ہی ہے نہ تو جہاں جہاں بے انصافی عدم مساوات اور اقرباپروری آئے گی، وہاں وہاں بغاوت بھرا ردِ عمل ضرور سامنے آئے گا"۔

"مذہب یا دین کے نام پر مفادپرستی انتہائی کریہہ عمل ہے ۔ اگر چہ میں اللہ کی رحمت سے بڑا پر امید ہوں مگر ایسے لوگ سب سے پہلے دوزخ میں جائیں گے، یہ میرا گمان ہے"۔

"کیا فتویٰ لگا رہے ہو ابان، بس کرو، کسی نے سن لیا تو ، تیرا کام ہو جائے گا"۔ رابعہ مسکراتے ہوئے آ کر بیٹھ گئی۔

"غلط تو غلط ہی ہے رابعہ، میں کوئی مذہبی سکالر نہیں، میں بھی تو اسی معاشرے کا فرد ہوں۔ میں نے جو سنا اور دیکھا ہے ، میں تو اسی بنیاد پر بات کر رہا ہوں۔ تمہارا اور میرا یوں ایک چھت تلے بیٹھنا غلط ہے۔ اگر میں اس عمل کو درست کہتا تو میں خود غلط ہوں۔ مجھے کوئی حق حاصل نہیں ہے کہ میں فتویٰ لگا دوں۔ میں تو اپنی خواہش بتا رہا ہوں کہ معاشرے میں امن ہو، جو بھی اختلاف ہیں، انہیں حل کرنے کے لیے سکالرزیر چھوڑیں اور خود ایک اُمت بن جائیں، اسی میں ہماری بھلائی ہے کیونکہ میرے جیسے گناگار بھی اچھے کردار والوں کو دیکھ کر خود کو ٹھیک کرلیں"۔ میں نے کہا تو وہ بولی۔

”ہونا تو ایسے ہی چاہئے، لیکن کیا یہ قصور ہمارا ہے۔ ہم نے جس ماحول میں آنکھ کھولی، ہم نے تو ویسا ہی بننا ہے۔ اس کیمپس میں آنا ہماری مجبوری ہے۔ کیا کریں“....

”خیر !....سارا الزام مذہبی تنظیم والوں کو بھی نہیں دیا جا سکتا۔ اگر ان کا خوف نہ ہو تو ہمارا وہ معاشرہ جس ڈگر پر چل نکلا ہے۔ یہ حد سے زیادہ بے باک ہو جائے“۔ میں نے کافی حد تک سوچتے ہوئے کہا اور پھر ہمارے درمیان خاموشی چھا گئی۔ میں سوچنے لگا۔ شاید ہم اپنے خیالات میں چوں چوں کا مربہ ہوں گئے ہیں۔ کوئی واضح سوچ ہمیں کسی خاص منزل کی نشاندہی نہیں کر رہی۔

میں نے محسوس کر لیا تھا کہ ماہم صرف ہماری باتیں سن رہی ہے۔ اس نے کہیں بھی دخل اندازی نہیں کی تھی۔ ایسا شاید اس لیے تھا کہ وہ سوچ رہی تھی۔ اس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ ذہنی طور پر یہاں نہیں ہے، کہیں اور ہی پہنچی ہوئی ہے۔ لڑکیاں کھانا کھا چکیں تو ایک کے بعد دوسری سبھی اپنے لیے مخصوص کمرے میں چلی گئیں۔ ڈرائنگ روم میں ہم فقط چاروں تھے۔ میں ، رابعہ، ماہم اور تنویر۔ ہمارے درمیان خاموشی تھی۔ کچھ دیر بعد میں نے رابعہ ہی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”رابعہ ! ....تم نے تو ماہم پر الزمات کی بھرمار کر دی تھی۔ آج اسے اپنے ساتھ لیے پھرتی ہو، پوچھ سکتا ہوں کیوں؟“

”میں نے اسے نہیں بلایا، میں جب اپنی فرینڈز کے ساتھ آڈیٹوریم کے باہر پہنچی تو یہ وہاں پر تھی۔ اسے میں نے اپنے ساتھ آنے کا بالکل نہیں کہا۔ یہ خود آئی ہے۔ اب تمہارے گھر میں آ کر یہ کھانے کا آرڈر دے تو مجھے اس سے کوئی غرض نہیں۔ تمہارے گھر میں کوئی بھی کھانا دے، وہ ہے تو تمہاری طرف سے“۔ وہ ایک ہی سانس میں کہہ گئی تو ماہم نے انتہائی تحمل اور سکون سے کہا۔

”تم لوگوں کا غصہ درست ہے لیکن میں نے بھی تو کسی کو شکوہ نہیں دیا۔ تم لوگ مجھ پر بھروسہ کرو یا نہیں کرو۔ یہ آپ لوگوں کی مرضی، مگر میری طرف سے تم لوگوں کو کبھی نقصان نہیں پہنچے گا۔ میں یہ بھی نہیں کہوں گی کہ مجھے ایک موقعہ مزید دیا جائے کیونکہ میں نے کچھ نہیں کیا۔ہاں، اب مجھے تنہا فرخ سے مقابلہ کرنا ہو گا۔ وہ اس لیے کہ ان باپ بیٹے نے بہت اوچھا وار کیا ہے“۔

”ماہم اس میں تمہارے پاپا بھی تو شامل ہیں، انہیں کیا ضروت تھی ان لوگوں سے ملنے کی، سیاست کی بھینٹ اگر تم چڑھ گئی ہو تو اس میں ہماراتو کوئی قصور نہیں“۔ رابعہ نے تیزی سے کہا تو تنویر نے گلا صاف کرتے ہوئے کھنکار کے کہا۔

"وقت ہی اس کا حل ہے رابعہ، ماہم کو ہم نہیں چھوڑ سکتے۔ وقت خود بخود بتادے گا کہ کون غلط ہے اور کون درست ۔ ابان ، کیا کہتے ہو؟"

"میرا بھی یہی خیال ہے، ایک دشمن کے کہنے پر ہم اپنے ساتھی کو چھوڑ دیں۔ شک کا زہر بہت برا ہوتا ہے رابعہ، اور میں اسد کو سمجھاؤں گا، اگر ماہم نے فرخ کو نیچا دکھانے کے لیے ہمارا ساتھ دیا ہے تو کیمپس پر گرفت بھی دیکھو کتنی مضبوط ہوئی ہے۔ کیا آج کا واقعہ اس پر ثبوت نہیں ہے؟ "میں نے اپنے طور پر دلیل دیتے ہوئے کہا تو رابعہ نے ایک طرح سے مسکراتے ہوئے بھرپور نگاہوں سے مجھے دیکھا اور پھر اٹھتے ہوئے بولی۔

"ہم خواہ مخواہ ایک فضول بحث میں الجھ رہے ہیں۔ خیر !....میں تو چلی ہوں سونے۔ صبح ملاقات ہو گی۔ شب بخیر"۔

"شب بخیر"!....تنویر نے کہا اور اٹھ گیا۔ ڈرائنگ روم میں ہم تنہا رہ گئے۔ ہم دونوں خاموش تھے اور وقت لمحہ بہ لمحہ گزرتا چلا جارہا تھا۔ پھر ماہم ایک دم سے اٹھی اور باہر نکلتی چلی گئی۔ اس نے کوئی الوداعی لفظ تک نہیں کہا تھا۔ میں اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ وہ نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ پھر گاڑی سٹارٹ ہونے کی آواز سنی اور پھر خاموشی چھا گئی۔ میں کچھ دیر ڈرائنگ روم میں بیٹھا رہا۔ پھر اٹھ کر

اپنے کمرے میں چلا گیا۔ مجھے معلوم تھا کہ میں اپنے بیڈ پر جاکر سو نہیں سکوں گا، مجھے اسد سے رابطہ کرنا تھا اور پھر اس واقعہ کو اپنی نگاہوں میں رکھنا تھا۔

میری آنکھ جب کھلی تو کمرے میں اچھی خاصی دھوپ پھیلی ہوئی تھی۔ میں نے اٹھ کر کھڑکی میں سے باہر کی تازہ ہوا میں گہرے گہرے سانس لیے۔ دن کا پہلا پہر ختم ہو جانے والا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ گھر میں سناٹا ہے۔ میں نے جندوڈا کو بلالیا۔اسے آنے میں تھوڑا وقت لگا۔ وہ میرے لیے چائے بنا کر لایا تھا۔ تبھی میں نے اس سے سناٹے کے بارے میں پوچھا۔

”سائیں !....تقریباً نو بجے کے قریب سارے لوگ چلے گئے تھے“۔

”تنویر بھی “....میں نے حیرت سے پوچھا تو وہ جلدی سے بولا۔

”جی ہاں ، وہ بھی، کہہ گئے ہیں کہ تھوڑی دیر بعد واپس آ جائیں گے“۔

”اچھا، تم اخبار مجھے لادو اور پھر تھوڑی دیر بعد مجھے ناشتہ لادینا“۔ میں نے کہا اور سیل فون اٹھا لیا۔ میرے ذہن میں یہ بات کھٹک رہی تھی کہ وہ سب اچانک کیوں چلے گئے۔ ذرا سی دیر میں تنویر سے میرا رابطہ ہو گیا تو میں نے پوچھا۔

”او کہاں ہو تم....؟“

”میں ادھر اسد کے پاس ہوں۔ دوپہر کے بعد آجاوئں گا“۔ اس نے کہا تو مجھے حیرت ہوئی۔

”وہاں کیا کررہے ہو؟ مجھے بتا کر تو جاتے،یا پھر ہم اکٹھے ہی نکل جاتے“۔

”لو....یہ اسد سے بات کرلو“اس نے کہا اور چند لمحوں بعد اسد کی ہیلو سنائی دی۔

”اسد !.... یہ کیا ہے بھئی؟“

”معاف کرنا ابان،اب میں بہت سارے معاملات میں تم پر اعتبار نہیں کر سکتا اور اس کی وجہ صرف اور صرف ماہم ہے۔ وہ اب ناقابلِ اعتبار ہے“۔ اس کے لہجے میں شرمندگی تھی۔

”یہ تم لوگوں کو اچانک ہو کیا گیا ہے۔ یہ اعتبار اور نا اعتباری کی باتیں۔ مجھے سمجھ میں نہیں آرہا، یہ تم کر کیا رہے ہو“۔ میں نے پوری بات سمجھتے ہوئے بھی انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

”بات یہ نہیں ہے کہ تم پر بھروسہ نہیں رہا یا تم اب ہمارے لیے مخلص نہیں ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تمہارا اور ماہم کا آپس میں تعلق کیا ہے۔ یہ دلوں کے معاملات ہیں۔ اس میں دنیا داری کی گنجائش کہاں، لیکن !....ہم ماہم کو برداشت نہیں کر سکتے۔ چاہے وہ نقصا نہ بھی پہنچانا چاہے۔ مگر ممکن ہے کہ وہ بے قصور بھی ہواور

الزام اس پر لگ جائے۔ ہمارا تم سے کوئی تعلق نہیں ٹوٹا اور نہ ہی رابطہ ختم ہوا ہے۔ بس یہ ہو گا کہ اس کے ہوتے ہوئے جو کیمپس کے معاملات ہیں انہیں زیر بحث نہیں لائیں گے"۔ اسد کہتا چلا گیا اور میں سنتا رہا۔ وہ کہہ چکا تو میں نے پوچھا۔

"اسد ! .... تم کیا سمجھتے ہو کہ میں ماہم کو چھوڑ نہیں سکتا، کیا وہ میری مجبوری بن گئی ہے؟"

"ہم نہیں چاہتے کہ تم اسے چھوڑو، تم اس سے تعلق رکھو۔ وہ ٹرمپ کارڈ ہے، کہیں بھی کام آسکتا ہے"۔ اسد نے پُرسکون انداز میں کہا۔

"اسد !....مجھے اب بھی تمہاری بات سمجھ میں نہیں آئی، آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟ " میں نے بھی اسی لہجے میں پوچھا۔

"ابان !....جب تک کیمپس کے ان معاملات میں دخل اندازی نہیں تھی، کوئی ذمے داری نہیں تھی۔بس اس کی جان کی پروا تھی اور تم نے دیکھا، میں بے عزت ہوگیا۔ تیرے جیسے بندے کا سہارا لینا پڑا جو ان معاملوں میں کبھی پڑا ہی نہیں تھا۔ یقین جانو ابان، تم ہی وہ پہلے آدمی ہو جس کی وجہ سے میں نے حوصلہ پکڑا اور اب میں خود کیمپس پر حکومت کرنے جارہا ہوں۔ خدا کے لیے مجھے غلط

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

مت سمجھنا ابان، اب ذرا سی غلطی سے میں اپنی جان سے ہاتھ دھولوں گا۔ اب غلطی کی گنجائش نہیں ہے۔ زندگی کو داؤ پر لگا چکا ہوں۔ یہ بات تم بھی جانتے ہو۔ اب ایسے وقت میں تو اپنے سائے سے بھی محتاط رہنا ہو گا اور کہاں ماہم، جس کے بارے میں واضح شک ہے کہ وہ کسی وقت بھی ہمیں نقصان پہنچا سکتی ہے"۔ وہ مجھے سمجھانے والے انداز میں کہتا چلا گیا۔

"تم جس حکومت کی بات کر رہے ہو نا، وہ اتنی آسانی سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ یہ صرف تمہیں جھانسہ دیا جا رہا ہے، وہ سب استعمال کر رہے ہیں تمہیں محض ٹشو پیپر کی طرح، یہ ذہن میں رکھنا اور جب بھی تم بے بس ہو جاؤ تو مجھے آواز دے لینا، مجھے اپنے قریب پاؤ گے۔ دیکھنا محتاط ہو کر چلنا، مجھے تمہاری حکومت کی نہیں، تمہاری ضرورت ہے۔ جب جی چاہے بھروسہ کر کے دیکھ لینا"۔ میں نے حتمی لہجے میں اس سے کہا۔

"یہی بات تو میں تمہیں سمجھانا چاہ رہا ہوں، اب میری دنیا الگ ہو گئی ہے۔ مجھے اسی دنیا میں رہنے دو اور یہ میرا وعدہ ہے، جب بھی ضرورت پڑی، میں تمہیں ہی پکاروں گا"۔ اس نے بھی یوں کہا جیسے اب وہ مجھ سے زیادہ بات نہ کرنا چاہتا ہو۔ تب میں نے چند الوداعی باتیں کیں اور اس سے رابطہ ختم کر دیا۔ فون بند کرتے

ہوئے مجھے کافی حد تک دکھ محسوس ہو رہا تھا۔ کم از کم اسد کو ایسے نہیں کرنا چاہئے تھا۔ اگر وہ ماہم سے خائف تھے تو رہتے، میری ذات سے انہیں نقصان نہیں پہنچ سکتا تھا۔ اب معاملہ ہی ایسا بن گیا تھا۔ وہ محتاط تھے اور میں بھی ان سے کوئی زبردستی کا تعلق نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ مجھ پر کافی دیر تک دکھ، پریشانی اور مان ٹوٹ جانے والی کیفیت طاری رہی جس کے حصار سے میں نہیں نکل سکا، اس لیے اپنا فون بند کیا اور بیڈ پر لیٹ گیا۔ میں دوبارہ سو جانے کی کوشش کرنے لگا، مگر نیند تھی کہ نہ آئی۔ دوسرا جندوڈا بھی میرے لیے ناشتہ لے کر آگیا۔ میں نے منہ ہاتھ دھو کر ناشتہ کیا اور سوچنے لگا کہ اب مجھے کیا کرنا ہو گا، اب صرف ماہم کی ذات تھی جس کے اردگرد میرا مقصد گھوم رہا تھا۔

میں سارا دن اپنے بیڈ روم میں پڑا رہا۔ اس دوران میں مختلف پہلوؤں سے آئندہ آنے والے حالات کو سوچتا رہا۔ اگرچہ میرا مقصد یہاں فقط ماہم کی ذات تک محدود تھا۔ اب اس سے میرا رابطہ ہو گیا تھا اور وہ میرے بہت حد تک قریب آگئی تھی۔ اب میں ہی تھا، جو تعلق کی اس سطح پر جانا چاہتا تھا جہاں پھل پک کر جھولی میں آگرے۔ اب کیمپس جانا یا نہ جانا میرے لیے بے معنی تھا۔ میری سب سے زیادہ توجہ اب ماہم ہی پر ہونی چاہئے تھی، لیکن میں نہیں سمجھتا تھا کہ کیمپس کو فوراً چھوڑ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

دینا چاہیے۔ ورنہ بنا بنایا کھیل ختم ہو کر رہ جاتا۔ اب میرے لیے کیمپس اتنا آسان نہیں تھا۔ بہت مشکل ہو گیا تھا۔ شک کی فضا میرے اردگرد ایسی تن گئی تھی کہ اگر میں ماہم کو چھوڑدوں تو میرا اپنا مقصد ختم ہو کر رہ جاتا تھا اور اگر اسے اپنے قریب کرتا ہوں تو وہ سارے مجھ سے دور ہو جاتے۔ دراصل کاشف ان لوگوں کے لیے کام کر رہا تھا جو اسلم چوہدری کے انتہائی مخالفین میں سے تھے۔ وہ کون تھے، مجھے اس بارے میں کوئی علم نہیں تھا۔ وہ جو کوئی لوگ بھی تھے۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ فخرالدین اور اسلم چوہدری سیاسی طور پر ایک ہو جائیں۔ ان دونوں میں علیحدگی رہے، دونوں آپس میں شدید قسم کے دشمن بنے رہیں۔ ان کے درمیان اختلافات اس قدر زیادہ ہو جائیں کہ وہ کبھی ایک نہ ہوپائیں تبھی وہ میدانِ سیاست میں پوری طرح کامیاب ہو سکتے تھے۔ ورنہ وہ کبھی ابھر ہی نہیں سکتے تھے۔ یا پھر ان دونوں میں سے کوئی ایک ختم ہو جائے۔ تب ان کے لیے میدان صاف تھا۔ مجھے بہر حال ان کی یا ان لوگوں کی سیاست سے کوئی غرض نہیں تھی۔ یہ لوگ الگ ہو بھی جاتے ہیں تو مجھے کیمپس جانا تھا۔

سہ پہر ہو چلی تو بیڈ روم کے دروازے پر دستک ہوئی۔ میری آواز کے جواب میں سلیم اندر آگیا۔ مجھے پُر سکون بیٹھا دیکھ کر وہ مسکرا دیا۔ میں بیڈ پر سمٹ کر بیٹھا تو وہ میرے پاس ہی آ کر بیٹھ گیا۔ پھر خوشگوار لہجے میں بولا۔

"میں تو پریشان ہی ہو گیا تھا کہ اللہ خیر کرے، آپ سارا دن کمرے سے ہی نہیں نکلے ویسے خیر تھی؟"

"بس، ویسے ہی، تمہیں تو معلوم ہی کہ کل کے واقعے کی وجہ سے آج کیمپس بند تھا اور "…. میں نے کہنا چاہا تو وہ جلدی سے بولا۔

"ممکن ہے کیمپس چند دن مزید بند رہے، ایک لڑکا ہلاک ہو گیا ہے اور شاید آپ کو نہیں معلوم"۔

"اُوہ!….یہ تو بہت برا ہوا"۔ میں نے واقعتاً دکھی دل سے کہا۔ "پتہ نہیں بے چارا، کیا کیا امیدیں اور خواب لے کر یہاں آیا ہو گا۔ اس کے والدین نے اس کے بارے میں کیا کچھ سوچا ہو گا اور نہ جانے اس کے اردگرد لوگوں کے کیا خواب ہوں گے"۔

"کون کہتا ہے کہ وہ اپنی سمجھ بوجھ سے کام نہ لیں اور احمقوں کی طرح ان تنظیمی معاملات میں پڑ جائیں۔ کیمپس میں وہ پڑھنے کی غرض سے آتے ہیں۔ یہی ان کا

فرض ہے۔ کیا علم حاصل کرنا فرض قرار نہیں دیا گیا؟ اصل میں ہمارے معاشرتی رویے میں جوناانصافی ہے نا، یہ ساری گڑبڑ وہیں سے ہوتی ہے"۔ وہ کافی حد تک جذباتی ہو گیا تھا۔

"تم ٹھیک کہتے ہو یار"۔میں نے محسوس کیا ہے کہ یہاں ہر بندہ جیسے روایتی طور پر گھٹن کا شکار ہے۔ وہ خواہ مخواہ ہی پریشانیوں میں جکڑا ہوا ہے۔ آگے بڑھنے اور مستقبل کو اندھیرے میں محسوس کر کے اس قدر ٹینشن کا شکار ہیں کہ وہ اپنی کتھارسس کے لیے اوٹ پٹانگ حرکتیں کرتے رہتے ہیں۔ انسانی وسائل کا ضیاع جتنا یہاں ہو رہا ہے، شاید ہی کسی اور خطے میں ہو رہا ہو۔ خیر، ہمیں کیا"۔ میں نے اکتاتے ہوئے لہجے میں کہا تو وہ بولا۔

"آپ تیار ہو جائیں ، ایسے میں لانگ ڈرائیور پر نکلتے ہیں۔ آج کھانا بھی باہر سے کھائیں گے"۔

"ٹھیک ہے، میں آتا ہوں کچھ دیر بعد"۔ میں نے کہا تو وہ اٹھ کر بنا کچھ کہے باہر چلا گیا۔ تب میں تیار ہونے لگا۔

اس وقت سورج مغرب میں جا چھپا تھا اور اندھیرا اپنی چادر پھیلا چکا تھا جب ہم سبزہ زار سے نکلے۔ سلیم دھیمی رفتار سے چلتا چلا جارہا تھا۔ گاڑی میں کافی حد تک

خنکی تھی جس میں ائیر فسریشنز کی مہک رچی ہوئی تھی۔ جب ہم کافی دور آ گئے اور ہمارے ارد گرد بھاگتی ہوئی گاڑیاں آگے نکلتی چلی جا رہی تھیں۔ تب میں نے اس سے پوچھا۔

"یہ ہم کدھر جا رہے ہیں؟"

"سر جی !....اگر آپ برا نہ مانیں تو ایک بات کہوں"۔ وہ کافی حد تک جھجکتے ہوئے بولا۔

"بولو"۔ میں نے انتہائی اختصار سے کہا۔

"سر جی !کیمپس میں جو سیاست چل رہی ہے نا، میں اس سے پوری طرح باخبر ہوں۔ اس وقت اسد وغیرہ نے جو آپ کو ایک طرف کرنے کا فیصلہ کیا ہے، وہ بالکل درست ہے، میں سمجھتا ہوں کہ وہ اسد آپ کے ساتھ انتہائی درجے کا مخلص ہے۔ اگر وہ احمق ہوتا تو نہ صرف آپ کو اپنے ساتھ جوڑے رکھتا، بلکہ خود بھی آپ کے ساتھ جڑا رہتا۔ حالات ہی اس ڈگر پر آ گئے ہیں"۔

"سچ بات تو یہ ہے سلیم کہ مجھے تمہاری بات کی ذرا سمجھ نہیں آئی۔ آخر تم کہنا کیا چاہتے ہو؟"

”کاشف نے ماہم کو اس کھیل سے نکالنا تھا، ہر حال میں نکالنا تھا اور پھر جو فرخ نے کہا، اسے بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ یہ اسد ہی ہے جس نے آپ کو ایک طرف کر کے اس کھیل سے باہر نکال دیا ہے۔ کیونکہ اب کھیل اس مرحلے میں آگیا ہے جہاں زندگیاں داؤ پر لگ چکی ہیں۔ اس نے اپنے تئیں آپ کو محفوظ کر دیا ہے تاکہ آپ پوری توجہ سے ماہم کے معاملے کو سلجھالیں“۔ اس نے دھیرے دھیرے سمجھانے والے انداز میں کہا تو میں نے تبصرہ کرنے والے انداز میں کہا۔

”یار ان حالات نے سب کو شک کی دلدل میں لا پھینکا ہے۔ کس پر اعتبار کریں“۔

”یہ ہونا ہی تھا سر، ایسا نہ ہو تو وہ لوگ اپنی بات کیسے منوا سکیں، جنہوں نے یہ سارا کھیل رچایا ہے۔ خیر !....آپ نے یہی پوچھا تھا نا کہ ہم کدھر جارہے ہیں؟ “ اس نے خوشگوار انداز میں کہا۔

”ہاں، وہی تو“۔ میں نے دھیمے لہجے میں کہا۔

”سر جی .... چھوٹے چھوٹے مفادات مل کر ایک بڑے مفاد کو جنم دیتے ہیں جیسے لیبر یونین ہوتی ہے۔ اپنی بقا کے لیے بہت کچھ ہوتا ہے۔ اسی طرح کیمپس میں ایک الگ سی دنیا آباد ہے۔ کوئی آئے کوئی جائے، کس طلبہ تنظیم کی گرفت ہے کس کی نہیں، کون وی سی آیا، کون گیا۔ اس کا اثر ان لوگوں پر نہیں پڑتا، ان کی

اپنی زندگی ہے اور اپنے مفاد، اس دنیا کو چلانے والا جو بندہ ہے، میں آپ کو اس سے ملوانے لے جارہا ہوں"۔ سلیم نے آہستہ آہستہ اپنی بات کہہ دی ۔

"وا !....ؤ بہت دلچسپ، ان لوگوں کے بارے میں پہلے کیوں نہیں بتایا، کیسے ہیں یہ لوگ؟ "میں نے انتہائی دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

"پہلے ضرورت نہیں تھی، آپ نے کیمپس آنا ہے اور یہاں رہتے ہوئے جو آپ کو ضرورت ہو وہ مہیا ہو گی، اب مجھے یہ نہیں معلوم کہ آپ اب اپنے مقصد کو حاصل کرنے میں کتنا وقت لیں گے"۔

"یار تم نے دو باتیں کر دی ہیں۔ ایک میرے کیمپس میں رہنے کے بارے میں اور دوسرا مقصد کو حاصل کرنے میں وقت کے بارے میں۔ اگرچہ یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے گہرا تعلق رکھتی ہیں۔ ان کے بارے میں کچھ کہا بھی نہیں جا سکتا، لیکن میں انہی کے بارے میں الجھن بھی رکھتا ہوں۔ مطلب، اب مجھے کیمپس میں آنا بھی چاہئے یا کہ نہیں اور دوسرا بظاہر مجھے میرا مقصد بڑا نزدیک دکھائی دے رہا ہے، فقط یہ یقین کرنا چاہتا ہوں کہ یہ منظر کہیں دھوکا تو نہیں"۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

”آپ کچھ بھی نہ سوچیں سرجی، صرف حالات پر نگاہ رکھیں، جیسے ہی وقت آپ کا ساتھ دے، اسے اپنے مطلب کے لیے استعمال کرلیں۔ باقی جس طرح چل رہا ہے ، اسی طرح چلیں، آپ اپنے معمول میں فرق نہ آنے دیں“۔

”اوکے !....میں سمجھ گیا کہ مجھے کیا کرنا ہے“۔ میں نے کیمپس کے بیرونی گیٹ کو دور سے ہی دیکھتے ہوئے کہا اور پھر ہمارے درمیان خاموشی چھا گئی۔ ہم سارا کیمپس پار کر گئے۔ اس کے بعد سٹاف کالونی شروع ہو جاتی تھی۔ بڑے بڑے گھر گزر گئے تو چھوٹے کوارٹر شروع ہو گئے۔ یہاں تک کہ ایک طرف سرے پر اکیلا ہی ایک کوارٹر تھا۔وہ نسبتاً کچھ بڑا تھا۔ سلیم نے گاڑی وہاں روک دی۔ ایک ٹیوب لائٹ اندھیرے کو دور کرنے کی کوشش میں ہانپ رہی تھی۔ سلیم نے سیدھے دروازے پر دستک نہیں دی۔ بلکہ کوارٹر کے دائیں جانب سے چل پڑا۔ پچھلی جانب کافی سرسبز لان تھا۔ پھول اور پودے لگے ہوئے تھے اور اس لان کے درمیان میں بڑی سی چارپائی پر ایک پتلاسا شخص بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد کافی سارے لوگ تھے۔ درمیان میں حقہ دھرا ہوا تھا۔ چارپائی پر بیٹھے ہوئے شخص کو میں نے غور سے دیکھا۔ اس کا رنگ گہرا سانولا تھا، تیکھے نقوش، سفید داڑھی سفید بالوں کے درمیان چندیا، سفید دھوتی اور کرتہ پہنے ہوئے تھے۔ سلیم نے جاتے ہی اونچی

آواز میں السلام علیکم کہا تو سبھی نے چونک کر ہماری طرف دیکھا۔ مجھ پر نگاہ پڑتے ہی اس نے حقے کی نےّ ایک طرف کر دی اور احتراماً کھڑا ہو گیا۔ اس نے بڑے رسان سے مصافحہ کیا اور بڑے ہی مان سے ایک رنگین پیڑھے پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ہمارے بیٹھنے ہی کے دوران اس نے کچھ خاص اشاہ نہ جانے کس کو کیا۔ وہ سبھی بنا کچھ کہے ایک ایک کر کے وہاں سے چل دیئے۔ جب ہم تینوں رہ گئے تو سلیم بولا۔

"چاچا پیر بخش، یہ ہیں میرے صاحب، ان کے بارے میں آپ سے میں نے ذکر کیا تھا"۔

"اچھا اچھا، ہم نوکر تابعدار سائیں، یہ جیسا چاہیں گے، ویسا ہی ہو گا۔ ویسے کیا چاہتے ہو آپ؟ "پیر بخش نے میری طرف دیکھ کر پوچھا، مگر میرے کسی جواب دینے سے پہلے ہی سلیم بول اٹھا۔

"فی الحال تو ذہن میں کچھ بھی نہیں ہے۔ بس آپ اپنا نمبر دے دو اور ان کا نمبر لے کر محفوظ کر لو، پھر باتیں ہوتی رہیں گی"۔ یہ کہتے ہوئے اس نے اپنی قمیص کی جیب سے بڑے نوٹوں کی ایک گڈی نکالی اور اسے دے دی۔

”اس کی کیا ضرورت تھی سائیں، پہلے کبھی آپ کو ناں کی ہے“۔ اس نے نوٹوں کی گڈی اپنی دھوتی کی ڈب میں رکھتے ہوئے کہا۔

”او چاچا، پیسوں کی کسے ضرورت نہیں ہوتی، تم بھی تو بال بچوں والے ہو۔ ہم ہی ایک دوسرے کا خیال نہیں کریں گے تو پھر کون کرے گا“۔ سلیم نے انتہائی رسان سے کہا تو وہ بے حد سنجیدگی سے بولا۔

”بائیس سال ہو گئے ہیں یہاں نوکری کرتے ہوئے، ہر سال یہاں نئے چہرے آتے ہیں ۔ لڑکے بھی، لڑکیاں بھی ، اب تو انہیں دیکھ کر اندازہ ہو جاتا ہے کہ وہ کس قماش سے تعلق رکھتے ہیں،لیکن یقین جانو سلیم پتر، غریب ہی غریب کے کام آتا ہے۔ باقی ہر بندہ مفاد پرستی کرتا ہے۔ خیر، نمبر میرا“....یہ کہہ کر اس نے اپنا نمبر بتایا جیسے میں نے محفوظ کر لیا اور اس نے بھی میرا نمبر لے لیا۔ تب میں نے پوچھا۔

”چاچا، یہ جو آج کل کیمپس میں تبدیلی آرہی ہے، اس کے بارے میں آپ کیا کہو گے“۔

”یہ یہاں چلتا ہی رہتا ہے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ ان کے پیچھے بہت مضبوط لوگ ہوتے ہیں اور وہ پورے کیمپس میں چند ایک ہی ہوتے ہیں۔ زیادہ نہیں، باقی

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

سب ان کی چھاؤں میں بیٹھنے والے ہوتے ہیں۔ وہ لوگ یہاں سے زیادہ فائدہ لے کر جاتے ہیں، جو بالکل خاموش رہیں اور چھپ کر کسی کی نگاہوں آئے بغیر اپنا کام کرتے چلے جائیں۔ کون سی قسم ہے جیسا بندہ یہاں موجود نہیں ہے۔ ہر طرح کا ہے"۔ اس نے مجھے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔

"خیر، چا چا، اب ہم چلتے ہیں، مجھے معلوم ہے کہ آپ اس وقت مصروف ہیں۔ یہ آپ کو کال کرلیں گے۔ پہچان تو جائیں گے نا آپ"۔۔۔۔ یہ کہہ کر سلیم ہلکے سے ہنس دیا۔

"او کیوں نہیں سائیں، اب تو یہ ہمارا بھی صاحب ہے نا"۔۔۔۔یہ کہتے ہوئے وہ اٹھ گیا۔ ہم نے مصافحہ کیا اور واپس پلٹ پڑے گاڑی تک آکر جیسے ہی اس نے گاڑی بڑھائی تب میں نے پوچھا۔

"یار، میں نے اس سے کام کیا لینا ہے، کس مقصد کے لیے تم نے اتنے بڑے نوٹ دے دیئے۔ مجھے بھی کچھ سمجھ نہیں آیا"۔

"ہر ڈیپارٹمنٹ، ہر کینٹین، چاہے وہ ہاسٹل کی ہو، کسی کی بھی ہو، اس کی رسائی ہر جگہ ہے، یہاں تک کہ وی سی آفس میں بھی آپ اس سے جیسی چاہیں معلومات لے سکتے ہیں۔ اگر آپ کو اچانک کسی ریوالور کی، گولی کی، یا کسی بھی شے کی

ضرورت پڑ جائے آپ نے اسے فون کر کے بتانا ہے اور وہ آپ کو مہیا ہو جائے گی"۔ اس نے پُرجوش لہجے میں کہا۔

"یہ سب کچھ تو تم بھی مجھے مہیا کر سکتے ہو، اس کی کیا ضرورت....؟ "میں نے آہستگی سے کہا۔

"سر جی .... آپ کس دور میں جی رہے ہیں۔ یہ انفارمیشن کا دور ہے۔ معلومات ہی سب سے بڑی طاقت ہے۔ آپ اس بات کو کیوں نہیں سمجھ رہے"۔ سلیم نے سمجھانے والے انداز میں کہا تو میں خاموش ہو گیا۔ حالانکہ اس وقت مجھے خود سمجھ نہیں آرہی تھی کہ پیر بخش میرے کس کام آسکتا ہے۔ میری خاموشی کے بعد سلیم نے پھر کوئی بات نہیں کی۔ تبھی مجھے خیال آیا کہ سارا دن فون بند رہا، ممکن ہے ماہم نے کال کی ہو اور اسے فون بند ملا ہو اس لیے کوئی بات نہیں ہو سکی۔ اب تو کتنی دیر سے فون کھلا ہے اور اس نے کوئی رابطہ نہیں کیا۔ یہ بالکل عجیب سی بات تھی۔

میں اس پر سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ اس لیے میں نے میوزک لگا دیا۔ جسے میں سنتا رہا اور چلتی ہوئی گاڑی سے باہر کے نظاروں کو خالی الذہنی سے دیکھتا رہا۔ ہمارے سفر کا اختتام ایک اوپن ائیر ریستوران میں ہوا۔ جہاں ہم ایک نسبتاً نیم تاریک گوشے

میں جا بیٹھے۔ زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ میرے سامنے کھانا لا کر چن دیا گیا۔ کھانے کے بعد میری طبیعت خاصی بوجھل ہو گئی۔ تبھی میں نے سلیم کو واپس سبزہ زار چلنے کا کہا۔ کچھ ہی دیر بعد ہم واپس آ گئے۔ جہاں سناٹا ہمارے استقبال میں تھا۔ میں تھکے تھکے قدموں سے ڈرائنگ روم میں آیا تو جندوڈے کو اپنے انتظار میں پایا۔ کچھ دیر بعد سلیم بھی چابی گھماتا وہیں آ گیا۔

"اب کیا پروگرام ہے، آپ سوئیں گے یا....؟"

"ابھی تو نیند نہیں آئے گی، کچھ دیر ٹی وی دیکھ کر یا فون پر کس سے بات کر کے ہی سوؤں گا، تم چاہو تو سو جا"ؤ۔ میں نے کہا تو سلیم بولا۔

"سر جی ....اسد کی پریشانی مت لیجئے گا، وہ جو کرتا ہے کرنے دیں۔ آپ بس خود پر دھیان دیں۔ اچھا شب بخیر"۔ وہ یہ کہتا ہوا چابی مجھے تھما کر واپس چلا گیا۔ میں نے جندوڑے کی جانب دیکھا وہ مسکرا رہا تھا۔

"ہاں بھئی جندوڑا، تم بڑا مسکرا رہے ہو، خیریت تو ہے نا....؟ "میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

"کچھ نہیں سائیں، آپ اپنے کمرے میں جاؤ، مجھے بھی سونے کے لیے جانا ہے"۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

"اتنی جلدی نیند آگئی، تم جاؤ، میں چلا جاؤں گا"۔ میں نے شرٹ کا بٹن کھولتے ہوئے کہا تو جندوڈا وہاں سے چلا گیا۔ میں کچھ دیر وہاں بیٹھا رہا، پھر اٹھ کر اپنے کمرے میں میں چلا گیا۔میں نے کمرے کی لائٹ آن کی تو سامنے بیڈ پر ماہم بیٹھی ہوئی تھی۔ اس کا چہرہ ہر طرح کے جذبات سے عاری تھا۔ جیسے اس کا بت وہاں رکھ دیا گیا ہو۔ اس نے آنکھیں نہ جھپکی ہوتیں تو شاید میں اسے مردہ ہی سمجھ لیتا۔ میں جندوڈا کی مسکراہٹ سمجھ گیا تھا۔

"تم !....یہاں ....میرے بیڈ پر...."

"اتنا حیران ہو کر مجھے بور مت کرو، آؤ، بیٹھو، آج رات ہم نے بہت سارے فیصلے کرنے ہیں"۔ اس نے یوں کہا جیسے میری بات کی کوئی اہمیت نہ ہو اور وہ میرے انتظار میں بیٹھی ہو۔ تبھی میں نے بیڈ پر بیٹھ کر جوتے اتارے اور پھر پاؤں پسار کر سکون سے بیٹھتے ہوئے بولا۔

"یار ماہم، ہم اب تک کتنے فیصلے کر چکے ہیں، سب ہوا میں اڑ گئے۔ میرے خیال میں ہم دونوں کو کچھ بھی یاد نہیں ہو گا"۔ نہ چاہتے ہوئے بھی میرے لہجے میں طنز کی آمیزش ہو گئی تھی۔ اس نے میری بات کو نظر انداز کرتے ہوئے دور خلاؤں میں گھورتے ہوئے کہا۔

"آج میری سارا دن اپنے پاپا سے بات ہوتی رہی ہے، لیکن اس سے پہلے رابعہ نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا، وہ سب کچھ جو آپ اور اسد کے درمیان ہوا ہے۔ میں سمجھتی ہوں، یہ ایک طرح سے ٹھیک ہی ہوا ہے۔ ہمیں کیمپس پر گرفت سے کیا لینا دینا"۔

"دیکھو، میں تو یہاں پڑھنے آیا ہوں۔ میں نے تو کیمپس میں رہنا ہے، تم ایک بڑے خاندان کی امیر لڑکی ہو، تم یہاں سے ڈگری نہ بھی لوگی تو کیا ہے، کچھ فرق نہیں پڑے گا تمہیں"۔ میں نے آہستگی سے کہا۔

"میں اچھا اس ضمن میں کہہ رہی ہوں کہ آپ کی جان چھوٹی، وہ لوگ اس خوا مخواہ کی جنگ وجدل میں پڑے ہوئے ہیں، پڑے رہیں، اب ہمارا تو ان سے کوئی لینا دینا نہیں ہو گانا"....

"امن اچھی بات ہے ماہم !.... ان کیمپس میں ان غنڈہ عناصر کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہوتی ہے لیکن ان سب امن پسندوں کو جکڑ کر رکھ دیتے جو یہ سب نہیں چاہ رہے ہوتے۔ ضروری نہیں یہ مذہبی تنظیم ہی سب کچھ کرتی ہے، اس کی آڑ میں لوگوں کے ذاتی مفادات ہوتے ہیں، جیسے یہ فرخ چوہدری کرتا رہا ہے"۔ میں کافی حد تک پُر جوش لہجے میں کہا تو وہ تیزی سے بولی۔

”مجھے کسی سے کوئی غرض نہیں، مجھے اگر غرض ہے تو آپ سے ، بس“۔

”اب پھر وہی پرانے ڈائیلاگ دہرانے مت بیٹھ جانا کہ ایسا اس لیے ہے کہ مجھے آپ سے محبت ہے اور میں آپ کے“....

”یہ تو حقیقت ہے ابان .... آپ میرے آئیڈیل ہو۔ آپ مانو نہ مانو، اب میں آپ کو کیسے یقین دلاؤں ، کیا ثبوت دوں ....میں یہ نہیں سمجھ سکتی“۔ اس نے الجھتے ہوئے کہا تو میں نے پوچھا۔

”خیر !....یہ چھوڑو ....پاپا سے کیا بات ہوتی رہی ہے“۔

”یہی کہ فرخ چوہدری نے جو کچھ کیا وہ انتہائی غلط کیا ہے ، جبکہ پاپا کا یہ موقف ہے کہ اچھا ہے، یہ جو نئے لوگ کیمپس پر حکمرانی کا خواب دیکھ رہے ہیں، وہ اس کے مخالف ہیں۔ مجھے انہوں نے کیمپس جانے سے روک دیا ہے۔ فخرالدین کے ساتھ مل کر وہ اپنی سیاسی ساکھ بنانا چاہتے ہیں اور میں نے ان سے کہہ دیا ہے کہ جس دن بھی انہوں نے میڈیا میں یا کہیں عوام میں اپنے اور ان کے اتحاد وغیرہ کی بات کر دی، میں اسی دن فرخ چوہدری کو گولی مار دوں گی، پھر جو ہو گا دیکھا جائے گا“۔ اس نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا اور پھر پوری آنکھوں سے میری طرف دیکھا۔

"پھر انہوں نے کیا کہا؟ "میں نے پوچھا۔

"انہوں نے اسے میرا جذباتی پن کہہ کر ٹال دیا ہے کیونکہ ابھی الیکشن کون سا نزدیک ہیں۔ اتحاد وغیرہ تو کہیں الیکشن کے قریب جا کر ہی بنتے ہیں"۔ اس نے عام سے لہجے میں کہا تو میں نے پوچھا۔

"چائے پ ؤ گی۔ جندوڈا سے کہوں؟"

"نہیں، فریج میں سے سوڈا لیتے ہیں"۔ یہ کہتے ہوئے وہ اٹھی اور فریج میں سوڈا نکال کر لے آئی۔ چند سپ لینے کے بعد میں نے اس سے کہا۔

"ماہم !....میں نے مان لیا کہ تمہیں مجھ سے محبت ہے اور میں بھی تمہیں پسند کرتا ہوں، ہمارے درمیان اچھی دوستی ہے اب کسی نئے فیصلے کی کیا گنجائش ہے، کیا چاہتی ہو تم"....

"ممکن ہے آپ میری بات کو جان بوجھ کر نہ سمجھتے ہو، لیکن ایک مشرقی لڑکی، جس سے محبت کرتی ہے، اس کی ہو کر رہنا چاہتی ہے۔ کیا آپ کو اس کا اندازہ نہیں"۔

"لیکن شاید ہم میں ایسا کچھ نہ ہوپائے"۔ میں نے کہا تو اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے ہی تھے کہ میں نے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے کہا۔" دیکھو،

تمہارا اور میرا جوڑ ہی نہیں بنتا، میں کسی بڑے خاندان یا امیر کبیر فیملی جو آپ لوگوں کے ہم پلہ ہو، اس سے تعلق نہیں رکھتا، میرا باپ ایک معمولی انسان ہے جو ساری زندگی محنت کرتا چلا آرہا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ وہ میری وجہ سے پریشان ہو۔ تمہارا باپ کیا ہے، مجھ سے زیادہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔ وہ سہولیات جو تمہیں چاہئیں میرے ہاں نہیں مل سکیں گی، تو پھر ہم خواہ مخواہ مشکل میں کیوں پڑیں"۔

"میں نہیں سمجھتی کہ آپ اتنی جلدی ہار مان جانے والے بندے ہو۔ آپ اپنے دل کی بات کہہ دو، مجھے پسند نہیں کرتے، تعلق صرف دوستی کی حد تک رکھنا ہے۔ میں دل سے قبول نہیں ہوں، جو بھی ہے، وہ کھل کر کہہ دیں۔ میں وہ قبول کر لوں گی، آپ سے کوئی گلہ شکوہ نہیں کروں گی۔ رہی امیری غریبی کی بات، یا میرے پاپا کی بات ، شادی تو میں نے کرنی ہے۔ میری خواہش ہے، زندگی میں نے گزارنی ہے"۔

"ماہم یہ سب تمہارے جذباتی فیصلے ہیں، انہیں چھوڑ دو۔ تم اپنے باپ کا مقابلہ نہیں کر پاؤ گی، ہماری دوستی چلتی چلی جارہی ہے، بس چلتی رہے"۔

"تو دوسرے لفظوں میں آپ یہ کہنا چاہ رہے ہیں کہ ہم میں تعلق فقط دوستی تک رہنا چاہیئے"۔ اس نے حتمی انداز میں پوچھا۔

”فی الحال یہی، ابھی ہمارے پاس ایک سال پڑا ہے تم سکون سے امتحان وغیرہ دو، مجھے دیکھو، جانچو، پرکھو اور پھر کوئی فیصلہ کرو“۔ میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ تیزی سے بولی۔

”میں آپ کی بات مان لیتی ہوں۔ ویسے ہی ہو گا، جیسا آپ چاہتے ہو، لیکن پھر میری ایک بات بھی آپ کو ماننا ہو گی؟“

”کیا ؟ “میں نے دھڑکتے دل سے پوچھا، پتہ نہیں وہ کیا کہہ دے۔

”آپ کہتے ہونا میں غریب ہوں، ہمارے جیسا خاندان نہیں، تو میں بزنس کے لیے رقم دیتی ہوں، خود کو اس شہر کا اچھا بزنس مین“....

”فضول سوچ ہے تمہاری ....ایک سال میں چاہے جتنا مرضی سرمایہ لگا لوں، جتنا بڑا مرضی بزنس مین خود کو شو کر لوں لیکن تمہارے جاگیر دار باپ کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں ہوں گا“۔

”آپ کسی طور مان کیوں نہیں رہے ہو؟“

”اس لیے میری جان، کہ تم اپنے باپ سے میرا ذکر کرو، میرے بارے میں سب بتادو۔ پھر اس کا ردِعمل دیکھ لو، اگر تم اس کے ردِعمل کو برداشت کر کے اپنی

ضد منوالیتی ہو اور یقینا اس پر بڑا طوفان اٹھے گا، تو پھر مجھے شادی کرنے میں اعتراض نہیں ہو گا۔ کیونکہ اس میں تمہارے باپ کی مرضی شامل ہو گی“۔

”یہ آپ کیا دقیانوسی باتیں لے کر بیٹھ گئے ہو۔ میں جانتی ہوں میرے پاپا، میری کتنی بات مانتے ہیں، اور میں ان سے اپنی بات کیسے منوا سکتی ہو، اس بحث کو چھوڑو، اپنی کہو“۔

”تو پھر سنوماہم، میں تم سے شادی کروں گا، یہ تو پکی بات ہے؟ لیکن اگر ہم یہ کوشش کر کے دیکھ لیں کہ اس میں والدین کی مرضی شامل ہو تو کیا اچھا نہیں اور تعلیم بھی مکمل ہو جائے گی اور....

”کب کرو گے شادی ، میرے ساتھ ابھی طے کرو “....اس نے بے حد جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔

”جب تم چاہو؟ “میں نے حتمی انداز میں کہہ دیا۔ تو انتہائی جوش میں بولی۔

”تو پھر ہم کل صبح شادی کر رہے ہیں۔ ڈن “....یہ کہتے ہوئے اس نے اپنا ہاتھ میرے سامنے پھیلا دیا۔

"ڈن " !....میں نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا تو وہ چند لمحے میری طرف یوں دیکھتی رہی جیسے سکتے میں ہو، پھر مسکرائی اور شرماتے ہوئے میرے کاندھے سے لگ گئی۔ میں نے اس کا سر تھپکتے ہوئے خود سے الگ کیا تو وہ شرماتے ہوئے بولی۔

"اب پتہ نہیں ان خوبصورت ترین لمحات کو کیسے سیلی بریٹ کیا جائے"....۔ یہ لفظ ابھی اس کے منہ ہی میں تھے کہ میرا فون بج اٹھا۔ میں نے اسکرین پر نمبر دیکھے تو وہ اجنبی سا تھا۔ میں نے فون اٹھایا اور کال ریسیو کرلی ، دوسری طرف سے کس نے بھاری سے لہجے میں کرخت انداز سے پوچھا۔

"تم ابان علی ہو"!....

"ہاں، میں ہی ہوں .... آپ کون....؟ "میں نے بھی لہجے کو سرد کرتے ہوئے پوچھا۔

"میں اسلم چوہدری بات کر رہا ہوں ....اور تم سے آج اور ابھی ملنا چاہتا ہوں"....

اس نے پہلے سے بھی زیادہ کرخت لہجے میں بات کی تو ایک لمحے کے لیے میں چکرا گیا۔ مجھے لگا جیسے میں بام تک پہنچ گیا ہوں اور اب جیسے ہی منڈھیر تک پہنچا ہوں، وہ ہلنے لگی ہے۔

اسلمچوہدری کی کرخت آواز میرے کانوں میں گونج رہی تھی۔ ایک لمحے کے لیے تو میرے جی میں آیا کہ اس ایسی زبان میں جواب دوں جو اس نے کبھی سنی بھی نہ ہو۔ چونکہ میرے سامنے ماہم موجود تھی، اس لیے بڑی مشکل سے میں نے خود پر قابو پایا۔ ماہم کے چہرے پر تجسس اور حیرت پھیلی ہوئی تھی۔ ممکن ہے میرے چہرے پر بدلتے رنگ دیکھ کر اس کی حالت بدل گئی تھی۔

”تم سن رہے ہو، میری بات؟“دوسری طرف سے اسلم چوہدری کی پھر کرخت لہجے میں ڈوبی ہوئی آواز گونجی تو میں نے بمشکل خودپر قابو رکھتے ہوئے تحمل سے کہا۔

”دیکھیں، میں یہ سوال کرنے کا حق رکھتا ہوں کہ آپ ابھی اور اسی وقت مجھ سے کیوں ملنا چاہتے ہیں اور یہ سوال بھی کر سکتا ہوں کہ آپ کون ہوتے ہیں میرے سامنے اس طرح کرخت لہجے میں بات کرنے والے اور پھر میں آنے سے انکار بھی کر سکتا ہوں“۔

”دیکھو لڑکے، میں تمہیں پیار سے سمجھانے کے لیے اپنے ہاں بلا رہا ہوں۔ یہ کیا اور کیوں کا چکر میرے ساتھ مت چلاؤ، بولو، تم آؤ گے یا میں آجاؤں“۔ دوسری

طرف سے اسی طرح کرخت لہجے میں کہا گیا جس میں نفرت کا عنصر بھی شامل ہو گیا تھا۔

آپ دس منٹ بعد فون کریں تاکہ میں آپ کو بتا سکوں کہ میں آپ کو ملنے کے لیے وقت بھی دیتا ہوں یا نہیں؟ "باوجود کوشش کے میرے لہجے میں طنز اتر آیا تھا۔ پھر میں نے دوسری طرف سے کچھ سنے بغیر فون بند کر دیا۔

"کس کا فون تھا؟ "فطری تجسس کے تحت ماہم نے فوراً ہی پوچھ لیا تو چند لمحے اس کی طرف دیکھتا رہا، پھر دلچسپی سے کہا۔

"تمہارے پاپا کا فون تھا۔ وہ مجھے ابھی اور اسی وقت ملنے کا حکم دے رہے تھے۔ اب بوبو میں انہیں کیا جواب دوں، کیونکہ یہ حکم انہوں انتہائی غصے میں دیا ہے"۔ میں نے کہا تو وہ ایک دم حیرت زدہ ہو کر سوچ میں پڑ گئی۔ پھر بڑبڑانے والے انداز میں بولی۔

"اسی کیا بات ہو گئی .... انہوں نے ایسا کیوں "....یہ کہتے ہوئے وہ چند لمحے سوچتی رہی پھر سر اٹھایا اور اپنی بڑی بڑی آنکھوں کو مزید پھیلاتے ہوئے بولی۔" انہیں ابھی فون کر کے کہیں کہ آپ ابھی اور اس وقت ان سے ملیں گے، وہ بھی ان کے گھر جاکر ان سے ملیں گے"۔ یہ کہہ کر وہ میری طرف دیکھنے لگی۔ شاید میرا

ردعمل دیکھنا چاہتی تھی۔ پھر اگلے ہی لمحے اس نے میرا سیل بیڈ سے اٹھا کر مجھے دیتے ہوئے کہا۔ میں جانتا تھا کہ میرا یوں رات کے وقت ان کے گھر چلے جانا اپنی موت کو خود دعوت دینے کے مترادف ہے۔ ممکن ہے ماہم ہی مجھے اپنے جال میں پھنسا کر قربان گاہ لے جائے اور وہاں جا کر اپنے باپ کی بھینٹ چڑھا دے۔ یا پھر یہ بھی ممکن تھا کہ یہی گھڑی فیصلہ کن ثابت ہو۔ سارا کھیل ہی ماہم کے محور پر آن رکا تھا۔ اس کا عمل ہی میری ہار اور جیت کا باعث بن سکتا تھا۔ میرے پاس یہی چند لمحے تھے۔ یہ رات مجھے موت کی اندھیری وادیوں میں دھکیل دیتی یا پھر میں زندگی کے نئے دور کا سورج طلوع ہوتے دیکھتا، میرے خیال تیسرا کوئی پہلو نہیں تھا۔ میں نے ماہم کے ہاتھ سے اپنا سیل فون پکڑ لیا۔ اس سے پہلے کہ میں اسلم چوہدری کے نمبر پش کرتا دوسری طرف سے اس کی کی کال آگئی۔ جسے میں نے پک کرتے ہوئے کہا۔

”میں ابھی اور اسی وقت آرہا ہوں۔ میرا انتظار کریں“۔

میں نے دوسری طرف سے ایک لفظ بھی نہیں سنا اور فون بند کر دیا۔ میں اپنی زندگی کو داؤ پر لگانے کا رسک لے چکا تھا۔ میں نے سیل فون جیب میں ڈالا اور بیڈ سے اترتا ہوا بولا۔

"آؤ چلیں ماہم ، دیکھیں تمہارا پاپا کیا کہتا ہے"۔

"نہیں، میں ہیں جاؤں گی۔ آپ کے واپس آنے تک میں یہیں رہوں گی"۔ اس نے بیڈ س ٹیک لگاتے ہوئے سکون سے کہا تو میں نے پوچھا۔

"کیوں؟"

"تم اچھی طرح سمجھتے ہو کہ مجھے یہاں کیوں رہنا چاہئے۔ ان کا جو بھی آپ سے سوال ہو گا وہ میرے متعلق ہی ہو گا۔ میں یہ قطعاً برداشت نہیں کر سکتی کہ وہ آپ کو ذرا سا بھی نقصان پہنچائیں۔ آپ بے خوف و خطر وہاں جائیں اور یہ ذہن میں رہے کہ ابھی کچھ دیر پہلے جو ہم نے فیصلہ کیا ہے وہ اٹل ہے، وہ تبدیل ہونے والا نہیں"۔ اس نے حتمی انداز میں کہا اور میری طرف دیکھنے لگی۔ میں نے اس کی طرف دیکھا اور پھر کمرے سے نکلتا چلا گیا۔ میں جیسے ہی نیچے آیا تو جندوڈا ایک طرف سے نکل کر میرے سامنے آگیا۔ تب میں نے حیرت سے پوچھا۔

"تم ابھی تک سوئے نہیں جندوڈا؟"

"ناسائیں !....جب آپ جاگ رہے ہیں تو پھر ہمارا کام نہیں کہ ہم سو جائیں"۔

"اچھا !.... سلیم کو جگاؤ، اسے کہو کہ وہ گاڑی نکالے"۔

”وہ ابھی جاگ رہا ہے، سویا نہیں، اپنے کمرے میں ہے۔ میں اس سے کہتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ واپس پلٹ گیا۔ کچھ دیر کچھ بعد جب گیٹ کھلنے اور گاڑی کے سٹارٹے ہونے کی آواز آئی تو میں ڈرائنگ روم سے باہر آگیا۔ تبھی میں نے اپنے سامنے جندوڈا کو دیکھ کر کہا۔

”جندوڈا !....بی بی اندار میرے کمرے میں ہیں، جب تک میں نہ آؤں، وہ یہاں نہ جائے“۔

”جی سائیں، ایسے ہی ہو گا؟“

اس نے کہا تو میں پسنجر سیٹ پر جا بیٹھا۔ گاڑی روڈ پر ڈال کر سلیم نے میری طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

”کہاں جانا ہے اور جندوڈا سے جو کہا .... خیرت تو ہے نا؟“

اس کے پوچھنے پر میں نے ساری رد داد سے سنا دی۔ تاہم شادی کرنے کے فیصلے بارے میں بات گول کر گیا۔

”سر !....انسان جب بھی دھوکا کھاتا ہے، اپنے اعتماد والوں سے ہی کھاتا ہے۔ یہ ایک بات ہے کہ بااعتماد بندہ جو دھوکا دیتا ہے کس قدر گھٹیا اور ذلیل شخص ہوتا

ہے یہ تو بعد کی باتیں ہیں۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اس وقت تک نقصان ہو چکا ہوتا ہے"۔

"مشکل پڑنے پر ہی ایسے بے غیرت لوگوں کا پتہ چلتا ہے نا اور نہ عام حالات میں کیا خلوص اور اعتماد بارے معلوم ہو سکتا ہے؟ "میں نے سلیم سے پوچھا تو وہ چند لمحے رک کر بولا۔

"خیر !.... آپ جس اسلم چوہدری کے پاس جارہے ہیں نا، اس کا گھر قلعہ نما ہے، اس کی سیکورٹی بھی بہت ہے۔ یہ میں آپ کو ڈرا نہیں رہا بلکہ صورتِ حال سے آگاہ کر رہا ہوں۔ بہت بڑا رسک ہے، موت کے منہ میں جانے والی بات ہے"۔

"تو پھر کیا کریں، یہ رِتک تو اب لینا ہے"۔ میں نے اعتماد سے کہا۔

"کاش اس وقت ہم کاشف وغیرہ کو بتا سکتے"۔ اس نے میری طرف دیکھ کر کہا تو میں ہولے سے مسکراتے ہوئے بولا۔

"اب جو ہو گا وہ دیکھا جائے گا، تو چل میرے ساتھ .... تم باہر رہنا اور " .... میں نے کہنا چاہا تو وہ مجھے ٹوکتے ہوئے بولا۔

"ایسا مت کہیں .... گالی نہ دیں مجھے " .... سلیم نے کہا اور پھر نہ جانے کس جذبے کے تحت گاڑی کی رفتار ایک دم تیز کر دی۔ پھر ہم دونوں میں کوئی بات نہیں

ہوئی اور ہم کچھ دیر بعد ایک وسیع و عریض بنگلے کے سامنے آ گے، جس کے سیاہ گیٹ پر کافی ساری روشنی تھی۔ سلیم نے جیسے ہی ہارن دیا ایک ڈیل ڈول والے اسلحہ بردار شخص نے کھڑکی میں سے جھانک کر دیکھا، جس پر سلیم نے اسے باہر آنے کا اشارہ کیا، مگر وہ وہاں سے بولا۔

”کون ہیں آپ اور اس وقت کس سے ملنا ہے؟“

”چوہدری صاحب سے کہو، ابان علی ملنے آیا ہے“۔ سلیم نے کہا تو اس شخص نے اپنا اسلحہ لہرایا، پھر گھوم کر شاید انٹر کام پر پوچھنا چاہتا ہو گا۔ ذرا سی دیر بعد گیٹ کھل گیا اور سلیم گاڑی سمیت اندر چلا گیا۔ پورچ سے ذرا پہلے ہی چند اسلحہ بردار لوگ کھڑے تھے انہوں نے گاڑی کو روکا اور ہمیں باہر نکلنے کا اشارہ کیا۔ ہم باہر آگئے۔ تو انہوں نے تیزی سے ہماری تلاشی لے ڈالی، کچھ نہ پا کر ہمیں آگے جانے کا اشارہ کیا۔ جہاں کچھ فاصلے پر ایک ادھیڑ عمر شخص کھڑا تھا۔ جس نے سفید کرتا اور شلوار پہنی ہوئی تھی۔ سر کے بال برف کی مانند سفید تھے جبکہ مونچھیں ابھی خشخشی تھیں۔ درمیانے سے قد کا پتلا ساوہ شخص بڑے غور سے ہم دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

”تم میں سے ابان علی کون ہے؟“اس نے دونوں کو گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو میں نے ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

”میں ہوں ابان علی“۔

میرے یوں کہنے پر وہ چند لمحے مخمغے کی کیفیت میں رہا۔ پھر میرے بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

”واقعی ہی تم ابان علی ہو یا پھر اس نے کسی اور کو قربانی کا بکرا بنا کر یہاں بھجوا دیا ہے“۔

”شیر کی کچھار میں گیدڑ نہیں آیا کرتا، ہاں مگر بہت سارے گیدڑوں کے پاس شیر ضرور چلا جاتا ہے، پھر اگر بہت سارے گیدڑ شیر کو زخمی بھی کر دیں تو یہ اچنبھے کی بات نہیں ہوتی چوہدری صاحب“!....میں نے کافی حد تک طنزیہ لہجے میں کہا کیونکہ اس وقت میں اس کی آواز اچھی طرح پہچان گیا تھا کہ ہی اسلم چوہدری ہے جو میرے دادا دادی کا تاتل اور میرے باپ کے سنہرے ترین دور کا قاتل تھا۔ جس نے میرے باپ کو اسی زندگی گزارنے پر مجبور کر دیا تھا جس میں سوائے حسرت ویاس کے اور کچھ بھی نہیں تھا۔

”بہت بڑی بات کرتے ہوئے لڑکے ....شاید تمہیں اپنی زندگی عزیز نہیں“۔

”دھمکی مت دیں چوہدری صاحب، بس کام کی بات کریں، کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟“

”تمہاری آواز سے تو ہی لگتا ہے کہ تم ہی سے بات ہوئی تھی، تم ابان علی اور تمہارے باپ کا نام زریاب .... ایسا ہو نہیں سکتا“۔ کیونکہ میں نے زریاب کے بیٹے ابان کو دیکھا ہوا ہے.... اور .... تم کہاں کے ہو؟ “ اسنے تذبذب میں کہا تو میں سمجھ گیا کہ وہ کیوں الجھن میں ہے۔

”پتہ نہیں آپ کیا بات کر رہے ہیں، اصل بات کہیں جو کہنا چاہتے ہیں آپ مجھے چھوڑیں میں کہاں کا ہوں۔ اس بارے میں نے جان بوجھ کر اکتاتے ہوئے لہجے میں جواب دیا تو وہ چند لمحے حیرت سے میری طرف دیکھتا رہا، پھر فون نکال کر ہم سے ذرا فاصلے پر چلا گیا۔ وہ وہیں پر ٹہلتا رہا، یہاں تک کہ اندر سے ایک جواں سال لڑکی برآمد ہوئی۔ اس نے آتے ہی میری طرف دیکھا اور پھر تیزی سے اسلم چوہدری کی طرف بڑھ گئی۔ ان کی آوازیں مجھ سے آرہی تھیں۔

”جی انکل یہی ہے، یہی کیمپس میں پڑھ رہا ہے اس سے جھگڑا ہا تھا اور ماہم کی اسی کے ساتھ دوستی ہے“۔

یہ سب سن کر وہ ہمارے پاس آگئے۔ تب اسلم چوہدری بولا۔

”میری بیٹی ماہم کہا ں ہے“!

"آپ کی بیٹی ہے، آپ کو پتہ ہونا چاہئے۔ کیسے باپ ہیں۔ آپ کو اپنی بیٹی کے بارے میں نہیں معلوم"۔ میں اس کے زخموں پر نمک چھڑک دیا۔

"بکواس بند کرو اور بولو، کس نے تمہیں کہا ہے کہ میری بیٹی کو ور غلاؤ، اس وقت کہاں ہے وہ "....وہ بپھرتے ہوئے بولا۔

"یہ تو آپ نے کئی ساری باتیں کر دیں۔ ویسے بھی آپ کے س اتھ بڑی تمیز سے بات کر رہا ہوں"۔ میں نے اسے گول مول سا جواب دے دیا۔

"دیکھو، تم جو کوئی بھی ہو، جس کے ایماء پر یہ سب کچھ کر رہے ہو۔ یہ بہت اوچھا وار ہے، کسی کی بیٹی کو جذباتی کرے اس سے عشق کی باتیں کر کے"....

"آپ بہت الجھ گئے ہیں چوہدری صاحب !....آپ کو یہ بھی نہیں معلوم کہ آپ نے کہنا کیا ہے جب آپ کو سمجھ آجائے تو مجھے دوبارہ کال کر لیں'۔ یہ کہہ کر میں پلٹنے لگا تو وہ پوری قوت سے چلا کر بولا۔

"رک جاؤ، ایک قدم بھی آگے بڑھایا تو تیرے جسم میں سوچھید ہو جائیں گے، تم کیا سمجھتے ہو تم یونہی فضول باتیں کر کے یہاں سے چلے جاؤ گے اور میں تمہیں جانے دوں گا"۔ اس نے جیسے یہ یہ کہا تو قریب کھڑے اسلحہ برادوں نے اپنی گنیں مجھ پر تان لیں۔

”کیا آپ کے ہاں مہمانوں کو بیٹھنے کا نہیں کہا جاتا“۔ میں نے جان بوجھ کر اسے چڑانے کے لیے کہا میرے یوں کہنے پر وہ چند لمحے میری جانب حیرت سے دیکھتا رہا۔ شاید اسے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ میں اس قدر بے خوف ہو کر کیوں اس سے بات کر رہا ہوں۔ پھر اچانک جیسے وہ ہوش میں آگیا۔ اس نے لان کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”آؤ؟ بیٹھے ہیں“۔ یہ کر وہ چل دیا۔

”چلیں “!میں نے اس کی ؟؟؟ میں پیچھے ہو لیا۔ سلیم اور وہ لڑکی ہمارے پیچھے پیچھے ہی آگئے۔ میرے بیٹھتے ہی وہ بولا۔

”کیا پی ؤگے ؟“

”فی الحال تو آپ کی بے سروپا باتیں سن کر غصہ پی رہا ہوں۔ آپ مطلب کی بات کریں“۔ میں نے کہا تو اس نے ایک طویل سانس لی، پھر اپنی طرف سے کوشش کر کے نرم لہجے میں بولا۔

”تم میری بیٹی کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟“

”یہ غلط الزام ہے، میں نہیں وہ میرے پیچھے پڑی ہے، وہ تو مجھ سے شادی کرنا چاہتی ہے“۔

میرے یوں کہنے پر وہ ایک دم سے تڑپ اٹھا ، لیکن اپنے مصنوعی تحمل سے بولا۔

”تم ایسا نہیں کر سکتے.... ؟“

”مجھے کوئی روک بھی نہیں سکتا، حالانکہ میں خود اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ یہ بات آپ کی بیٹی کی سمجھ میں نہیں آرہی ہے تو میں کیا کروں“۔

”کیا تم واقعی اس سے شادی نہیں کرنا چاہتے؟ “اسلم چوہدری نے چونکتے ہوئے پوچھا۔

”میں کیسے یقین دلاؤں آپ کو “....میں کافی حد تک نرم لہجے میں کہا۔

”میرے معلومات کے مطابق،ابان علی ، یہاں کے ایک سرکاری آفیسر کا بیٹا ہے، میں اسے جانتا ہوں، تم کون ہو؟“

”میں بھی اسی علاقے سے تعلق رکھتا ہوں۔ ضروری نہیں کہ ایک ہی نام کے دو بندے نہ ہو سکیں“۔

”لیکن ولدیت ایک نہیں ہو سکتی، اتنا بڑا اتفاق نہیں ہو سکتا، مجھے تو آج انکشاف ہوا ہے کہ تم نے میری بیٹی کو اپنے جال میں پھنسایا ہوا ہے“۔

"آپ مسلسل الزمات لگا رہے ہیں اور میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آپ کھل کر بات کریں، کیا چاہتے ہیں آپ؟ "میں نے تحمل سے کہا تو وہ چند لمحے سوچتا رہا، پھر سرخ ہوتے ہوئے چہرے کے ساتھ بولا۔

"ماہم کہاں ہے؟"

"اسے گھر ہونا چاہئے"۔ میں نے پھر گول مول جواب دے دیا۔

"تم ابان علی ہو یا کوئی اور ہو، جو بھی ہو، میں تمہیں وارننگ دے رہا ہوں کہ میر ی بیٹی میرے حوالے کر دو، اور اس کی زندگی سے بہت دور چلے جاؤ، اس میں تمہاری بھلائی ہے ، ورنہ میں تمہیں تمہاری زندگی کی ضمانت نہیں دے سکتا"۔ اس نے غراتے ہوئے کہا تو میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا اور اٹھتے ہوئے بولا۔

"آپ جو کہنا تھا کہہ دیا، میں جارہا ہو، اگر آپ روک سکتے ہو تو اپنی بیٹی کو روک لیں۔ جس دن اس نے میرے سامنے مجھے دھتکار دیا، اس دن میں اپنی زندگی آپ کے حوالے کر دوں گا"۔

"تو نے اس قدر میری بیٹی کو اپنے جال میں جکڑ لیا ہے؟ "اس نے کہا لیکن میں اس کی سنی ان سنی کرتا ہوئے چل دیا۔ میں اب مزید وہاں نہیں رکناچارہا تھا۔ وہ

باتوں کے جال میں پھنسا کر مجھ سے اگلوانے کی کوشش کر رہا تھا کہ میں کون ہوں۔ میں ابھی چند قدم ہی آگے بڑھا تھا کہ اس نے اونچی آواز میں کہا۔

"اسے پکڑو اور باندھ لو، میں دیکھتا ہوں یہ کتنا بڑا غنڈہ ہے"۔

وہ چار اسلحہ بردار میری جانب تیزی سے بڑھے ابھی وہ چند قدم کے فاصلے پر تھے کہ میں نے تیزی سے کہا۔

"اپنی بیٹی سے بات کر کے دیکھ لو، مجھے خراش آئی تو اس کے گہرا زخم لگ جائے گا"۔

"کیا....؟ "یہ کہتے ہوءاس نے ان چاروں کو روک دیا۔ نہیں میں نے غراتے ہوئے کہا۔

"ہاں !....ممکن ہے تمہاری بیٹی ہی زندہ نہ رہے، یا پھر کچھ دیر بعد یہاں بہت سارے لوگ دھاما بول دیں۔ کیونکہ یہاں آنے سے پہلے میں نے انہیں وقت دیا تھا اور اس میں ؟؟؟ چند منٹ باقی ہیں۔ پھر مجھے مت الزام دیجئے گا کہ یہ سب کیا ہو گیا"۔

میرے یوں کہنے کا اس پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ اس کے فوراً ہی اپنا سیل فون نکالا اور نمبر تلاش کرنے لگا، جلدی نمبر ملا کر دوسری طرف سے کال کا انتظار کرنے لگا۔

”تم کہاں ہو بیٹی؟“ اس نے تیزی سے پوچھا اور پھر اتنی ہی تیزی کے ساتھ ہم سے ذرا فاصلے پر چلا گیا۔ وہ کچھ دیر باتیں کرتا رہا۔ پھر مایوسانہ انداز میں فون بند کر کے میری طرف دیکھا، چند لمحے دیکھتا رہا اور پھر ہاتھ سے جانے کا اشارہ کر دیا۔ میں نے اسے غنیمت جانا اور گاڑی میں جا بیٹھا۔ ماہم نے مجھے فتح مندی سے ہمکنار کر دیا تھا۔ اب میں اس پر پوری طرح اعتماد کر سکتا تھا۔ کچھ ہی دیر بعد ہم گیٹ سے باہر تھے۔

میں اپنے ڈیپارٹمنٹ کی کینٹین کے باہر باہر اکیلا بیٹھا ہوا تھا۔ مجھے ماہم کے علاوہ اپنے چند دوستوں کا بھی انتظار تھا۔ رات جب میں واپس اپنے گھر لوٹا تو ماہم شدت سے میرے انتظار میں تھی۔ میرے پہنچتے ہی اس نے وہاں سے چلے جانے کا کہا تھا۔ اس نے یہ بھی نہیں پوچھا کہ میری اس کے پاپا کے ساتھ کیا باتیں ہوئیں۔ میں نے بہت پوچھا کہ وہ کہاں جا رہی ہے مگر اس نے نہیں بتایا۔ بس جاتے ہوئے

اتنا کہا کہ صبح ڈیپارٹمنٹ کی کینٹین پر ملاقات ہوگی ۔ میں دیکھتا رہ گیا اور وہ چلی گئی۔

میں بقیہ تمام رات اس کے رویے کے بارے میں سوچتا رہا۔ آخر وہ چاہتی کیا ہے۔ اگر وہ یہ سب میرے ہی عشق میں کر ہی ہوتی نا تو اس کا رویہ یکسر مختلف ہوتا۔ جب سے کاشف لوگوں نے اس کے بارے میں شکوک کا اظہار کیا تھا، وہ بولائی بولائی سی تھی، گھڑی میں تولہ، گھڑی میں ماشہ، چلتے چلتے اچانک راستہ بدل جانا، لمحوں میں اجنبی بن جانا، یہ سب کیا ہے؟ کیا چل رہا ہے اس کے دماغ میں؟ صرف رات ہی کے رویے بارے میں سوچ لیا جائے تو کوئی ختمی نتیجہ نظر نہیں کیا جا سکتا تھا۔وہ میرے انتظار میں میرے ہی گھر میں تھی۔ پھر جب میں واپس لوٹ کر آیا تو جانے کے لیے تیار تھی۔ میں سوچتے سوچتے اچانک میرے ذہن میں یہ خیال آیا کہ اسلم چوہدری کو اچانک اس وقت ہی میرے بارے میں پتہ کیسے چلا جب وہ میرے پاس تھی؟ پھر ماہم کا ہی مجھے یہ مشورہ دینا کہ میں اسلم چوہدری کے پاس جاؤں اور پھر میری ضمانت کے طور پر میرے گھر میں رہی۔ مجھے ان سوالوں کا جواب قطعاً نہیں سوجھ رہا تھا۔ رات کے آخری پہر میری آنکھ لگی تھی، پھر صبح ہی صبح ماہم کی فون کال پر ہی میری آنکھ کھلی تھی کہ میں اس کا ڈیپارٹمنٹ

کی کینٹین انتظار کروں اور ممکن ہو تو اپنے دوستوں کو بھی بلالوں اور اس وقت تک میں ان سب کا منتظر تھا مگر اب تک کوئی بھی وہاں نہیں پہنچا تھا۔

اس وقت ویٹر میرے سامنے جو شاندہ نما چائے کا دوسرا کپ رکھ کر جا چکا تھا جب کینٹین سے ذرا فاصلے پر فوراً گاڑی رکی اور اس میں سے اسد نمودار ہوا۔ اس کے ساتھ ہی یکے بعد دیگرے کئی گاڑیاں رکتی چلی گئیں اور کایف، تنویر، رخشندہ اور رابعہ چلتے ہوئے میرے اردگرد پڑی کرسیوں پر آن بیٹھے۔ وہ کچھ دیر خاموش میرے پاس بیٹھے رہے۔ پھر اسد نے ہولے سے کہا۔

”بولو ابان، ہمیں کس لیے بلایا ہے؟“

”میں نے تم لوگوں سے ایک مشورہ کرنا ہے۔ کیونکہ میں اب بھی تم لوگوں کو اپنا دوست خیال کرتا ہوں“۔ میں نے کافی حد تک خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

”کہو، کیا کہنا چاہے ہو؟ “تنویر نے پہلو بدلتے ہوئے کہا۔ تو میں نے سب کی طرف دیکھا اور بولا۔

”میں ماہم سے شادی کرنا جارہا ہوں، آپ لووگس کیا کیا خیال ہے؟“

”اوہ “!....اسد نے سیٹی بجانے والے انداز میں کہا پھر مسکراتے ہوئے بولا۔” یار، یہ تمہارا مسئلہ ہے اور خالصتاً نجی معاملہ ہم سے اس بارے کیا مشورہ کرنا، ہم پہلے

ہی جانتے تھے کہ تم اس سے محبت کے چکر میں ہو اور ایک دن اس نے یا اس کے باپ نے ہمارے راستے میں آنا ہے، وہ وقت ہمارے ایسے کمزوری بن جائے، اس لیے پہلے ہی ہم نے تم سے کنارہ کشی کرلی"۔

"اس میں ہم سے مشورہ لینے کی کوئی ضرورت نہیں، ہاں اگر تم یہ چاہتے ہو کہ یہاں رہ کر تم ہمارے تحفظ میں رہویا پھر ماہم کے باپ سے بچائے رکھیں تو اس پر سوچا جا سکتا ہے"۔ کاشف نے کچھ اس انداز میں کہا کہ ناچاہتے ہوئے بھی میرے تلخی گھل گئی۔

"دیکھو کاشف !....تم لوگو کچھ سوچ رہے ہونا، ایسا کچھ نہیں ہے۔ مجھے ت لوگوں کی ایسی مدد نہیں چاہیئے، جس میں تم لوگ مجھ پر کوئی احسان کرو یا مجھ پر ترس کھاؤ، شاید تم لوگوں نے میری بات نہیں سمجھی، میں اب بھی تمہیں دوست کہہ رہا ہوں"۔

"چلو، ہم نہیں جانتے تمہیں اپنا دوست، پھر تم کیا کر لو گے....؟"کاشف نے براہِ راست میری آنکھوں میں دیکھتے ہوئے غرا کر کہا جس میں اس کے اندر کی نفرت بھی چھلک رہی تھی۔

”ٹھیک ہے، آؤ تم لوگ اب بھی مجھے شک کی نگاہ سے دیکھتے ہو اور ایسا فقط ماہم کی وجہ سے ہے تو مجھے تم لوگوں سے کوئی شکوہ نہیں ہے“۔ یہ کہہ کر میں اٹھنے لگا تو رخشندہ فوراً بول اٹھی۔

”کاشف غلط کہہ رہا ہے ابان، ضروری نہیں کہ اس کی رائے سب لوگ مان لیں“۔

”رخشی، تم کیسے غلط کہہ سکتی ہو کاشف کو “....اسد نے تیزی سے پوچھا۔

”اس لیے کہ اسے ماہم سے نہیں، اس کے باپ سے پر خاش ہے، اس کی نفرت میں وہ ماہم کو پسند نہیں کر رہا حالانکہ چند دن پہلے تک ہی ماہم اس کے لیے ایک سیڑھی تھی، جن کے ذریعے وہ اس مقام تک پہنچا ہے کہ کیمپس پر اپنی گرفت کر سکے۔ حقیقت یہی یہ، اب آگے جو تم سب کا فیصلہ ہے“۔

”تم نے کوئی نئ بات نہیں رخشی، ماہم نے ہمیں استعمال کیا اور ہم نے اسے .... لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ہمارے مقصدی کو ہائی جیک کرے ....میں ایسا نہیں ہونے دوں گا“۔ کاشف نے شدت سے کہا۔

”دیکھو جب ابان اور ماہم کے معاملات میں ہم مداخلت نہیں کر رہے۔ وہ جو چاہیں سو کریں۔ انہیں بھی کوئی ق نہیں پہنچتا کہ وہ تنظیم کے معاملات میں دخل اندازی کریں“۔ رابعہ نے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"یہی تو میں انہیں بتا رہا ہوں۔ اس کے ساتھ ہماری ڈیل تھی، وہ ختم ہو گئی۔ اب ہمارے معاملات میں اسے دخل اندازی نہیں کرنا چاہئے اور ایسی صورت میں بھی جب اس کا تعلق دشمنوں سے ہو"۔ اس بار کاشف نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا تو میں نے سب کی طرف دیکھا اور پھر کاشف کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"اوکے .... تم لوگوں کی اب اپنی راہ ہے اور میری اپنی اب جبکہ ماہم میری ہو جانے والی ہے تو میں بھی یہ برداشت نہیں کروں گا کہ کوئی اس کے معاملات میں حائل ہو۔ میرے بازوؤں میں ابھی اتنی قوت ہے کہ میں نے صرف تم لوگوں کی بلکہ اسلم چوہدری کی بھی مخالفت کا مقابلہ کر سکتا ہو۔ جب بھی چاہو آزما لینا"۔میرے یوں کہنے پر اچانک سب خاموش ہو گئے۔ پھر رخشندہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"فضول بحث ہے یہ سب ، تم لوگ خود غلط راستے پر جارہے ہو۔ میں اب بھی یہی کہتی ہوں کہ ابان غلط نہیں ہے، یہ اب بھی ہماری قوت ہے۔ ہم خواہ مخواہ اس پر شک کرتے چلے جارہے ہیں۔ ماہم ہمارے کبھی خلاف نہیں گئی۔ لہٰذا میں ان کی"....

"اسد جو فیصلہ کرے گا، ہمیں منظور ہو گا"۔ کاشف نے اچانک کہا تو سب اس کی طرف دیکھنے لگے۔ میں سمجھ چکا تھا ۔ کاشف سدا بوجھ اس پر ڈالنا چاہتا تھا۔ اس دوران کوئی بھی سازش اس کے خلاف کی جا سکتی تھی۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ اسد کس طرح بھی کمزور ہو۔ وہ ساری گفتگو میں تنویر ایک بار بھی نہیں بولا تھا۔ وہ خاموشی سے ساری گفتگو سنتا چلا گیا تھا۔ اس نے اپنی کوئی رائے نہیں دی تھی۔ یقینا وہ الجھن میں تھا یا پھر تذبذب کا شکار ہو گیا ہوا تھا۔ اس سے پہلے وہ بولتا، میں نے حتمی لہجے میں کہا۔

"مجھے اسد کے فیصلے کی نہیں، مشورے کی ضرورت تھی، تم سب کی باتیں سن کر اب مجھے بھی کوئی ضرورت نہیں رہی۔ اب یہ میری مرضی ہے کہ میں اب کیا کرتا ہوں۔ اللہ حافظ "..... یہ کہہ کر میں اٹھا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔ ماہم نے یہیں آنا تھا لیکن وہ ابھی تک پہنچ نہیں سکی تھی۔ مجھے اس کا انتظار کرنا تھا مگر اب میں ان لوگوں کے پاس بھی نہیں بیٹھ سکتا تھا۔ میں سمجھ چکا تھا منافق لوگوں کی سازشیں اپنا بھرپور کام کر رہی تھیں۔ میں نے فون نکالا اور ماہم نے نمبر پش کر دیئے۔ اس نے فوراً ہی فون پک کرتے ہوئے کہا۔

"میں بس قریب ہی ہوں، ابھی پہنچ رہی ہوں، چند منٹ میں"....

”تم اب کینٹین تک نہیں آ ؤ گی۔ بلکہ ڈیپارٹمنٹ آؤ۔ وہیں ملتے ہیں“۔

”اوکے “!....اس نے بے ساختہ کہا اور فون بند کر دیا۔ میں نے پیچھے پلٹ کر نہیں دیکھا بلکہ اپنی گاڑی میں بیٹھ کر ڈیپارٹمنٹ چلا گیا۔ میں نے گاڑی پارکنگ میں نہیں لگائی، بلکہ ڈیپارٹمنٹ کے باہر کھڑی کر کے ماہم کا انتظار کرنے لگا۔ چند منٹ بعد پہنچ گئی۔ اس نے میرے برابر گاڑی روکی اور باہر نکل آئی۔اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ میرے قریب آ کر بولی۔

”ابان !....خیرت تو ہے نا....؟“

تب میں نے کینٹین پر ہونے والی گفتگو کی ساری رو داد اسے سنا دی۔ وہ خاموشی سے سنتی رہی۔ پھر مسکراتے ہوئے بولی۔

”مجھے یقین تھا کہ ایسے ہو گا۔ میں چاہتی تھی کہ ہماری شادی میں وہ سب لوگ شریک ہوتے، مگر میں کاشف کو بہت حد تک سمجھ گئی ہوں۔وہ فقط مجھے اپنے لیے خطرہ محسوس کرتا ہے۔ کیمپس پر جو وہ گرفت کر چکا ہے، اس کے کو جانے کا ڈر ہے اسے ، دل تو کرتا ہے“۔ وہ دانت پیستے ہوئے بولی، پھر کہتے کہتے رک گئی۔

”کیا دل کرتا ہے “....میں نے دلچسپی سے پوچھا۔

"یہی کہ اس کا ڈر ختم ہی کر دوں۔ وہ جن کے لیے کام کر رہا ہے ، انہیں بتادوں کہ میں کسی خوف سے نہیں صرف ابان کی محبت میں پیچھے ہٹ کر اس کھیل میں سے اہر ہو گئی ہوں .... خیر !....ہمیں کیا، اب ہم اپنی ایک نئ زندگی کی ابتداءکرنے جارہے ہیں تو ہمیں ان سب الجھنوں کو نظر انداز کر دینا ہو گا"۔ آخر لفظ کہتے ہوئے اس کے لہجے میں کافی حد تک رکناہٹ بھرگئ تھی۔

ماہم، تیرے اور میرے قانونی اور مذہبی بندھن میں بندھ جانے میں اتنا وقت نہیں لگے گا، ہم ابھی کورٹ میں جا کر ایک ہو سکتے ہیں، لیکن کیا یہ اچھا نہیں ہے کہ ہم اپنے فیصلے پر ایک دفعہ پھر غور کرلیں"۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا تو میرے لفظوں نے اس کے چہرے پر حیرت بکھیر دی، وہ تیزی سے بولی۔

"مگر کیوں؟"

"کیونکہ جن الجھنوں کو تم اور میں نظر انداز کر رہے ہیں، وہ حقیقت ہیں، امنڈتے ہوئے خطرے کو خرگوش کی مانند آنکھیں بند کر کے دور نہیں کیا جا سکتا۔ ہم نے یہ فیصلہ تو کر لیا کہ ہم ایک ہو جائیں، محض چند گھنٹوں میں اس پر عمل درآمد بھی ہو جائے گا، لیکن اس کے بعد کیا وہ گا....؟ یہ شاید ہم نے نہیں سوچا"۔ میرے

کہنے پر وہ چند لمحے میرے چہرے پر دیکھتی رہی۔ خاموش میں کتنے ہی لمحے گزر گئے۔ تب وہ آہستگی سے بولی۔

”تم ٹھیک کہتے ہو، ہم یہ بھی سوچ لیتے ہیں۔ آ ؤ سبزہ زاد چلتے ہیں“۔ یہ کہہ کر میری رائے جانے بغیر وہ اپنی گاڑی کی طرف چل دی۔ جس وقت وہ ڈیپارٹمنٹ سے نکلی، اس وقت میں بھی گاڑی سٹارٹ کر چکا تھا۔ ہم دونوں ہی اکٹھے کیمپس سے نکلے تھے۔ اس دن مجھے یقین تھا کہ آج کوئی نہ کوئی اہم فیصلہ ضرور ہو جانا ہے۔

111

میں اور ماہم سبزہ زاد کے ٹی وی لاؤنج میں آمنے سامنے بیٹھے ہوئے تھے۔ ہم اب تک کی ہونے والی ساری باتیں زیر بحث لا چکے تھے۔ یہاں تک کہ خاوشی ہمارے درمیان آٹھہری تھی۔ کتنے ہی لمحے دبے پاؤں گزر گئے تو ماہم ہی نے اس خاموشی کو توڑا۔

”ابان !.....ہم اب تک جو باتیں کر چکے ہیں ان کا نچوڑ یہی ہے کہ ناکہ آپ کی اور میری شادی کے بعد ہمیں پاپا کی مخالفت کا بہر حال سامنا کرنا پڑے گا اور آپ

اس کے لیے تیار نہیں ہو۔ کیونکہ آپ کے دوست آپ کو میری وجہ سے چھوڑ چکے ہیں۔ یہی بات ہے نا"۔

"بالکل !....تم ٹھیک سمجھی ہو۔ اصل میں تمہارے پاپا کو جو سیاسی پس منظر ہے نا، میں اسے کمزوری بنا سکتا ہوں، جسے وہ اپنی طاقت گردانتے ہیں اور یہی سیاسی پس منظر ہی کی وجہ سے سارے دوست متنفر ہوئے ہیں"۔ میں نے اسے سمجھانے والے انداز میں کہا۔

"اوکے !....یہ ساری باتیں ہو گئیں، حالات جو بھی ہیں اور جیسے بھی ہیں، ہمارے سامنے ہیں کیا ان حالات کو دیکھتے ہوئے ہم اپنا رادہ ترک کر دیں یا پھر جو فیصلہ کر لیا ہے اس پر عمل کریں"۔ اس نے حتمی انداز میں پوچھا۔

"بالکل تمہارا یہ سوال بنتا ہے۔ میں کبھی بھی نہیں کہوں گا کہ حالات سے شکست کھا کر ہم اپنا ارادہ تبدیل کردیں۔ ہم اپنے فیصلے پر عمل کریں گے"۔ میں نے پُر سکون لہجے میں کہا۔

"مگر کب ....اور کیسے؟ "اس نے تیزی سے پوچھا۔

"دیکھو ماہم ہمارا ابھی اور اس وقت شادی کرلینا بہت آسان ہے۔ تمہارے پاپا کی مخالفت سے بچنے کے لیے ہم یہاں سے بھاگ کر کہیں اور بھی جا سکتے ہیں، لیکن

ذرا یہ سوچو، یہ کوئی بہادری تو نہیں ہے۔ یہ ہم نے اپنی بات نہیں سنوائی بلکہ بغاوت کی ہے۔ تمہارے پاپا کی عزت کیا رہ جائے گی"۔ میں نے پھر اسے سمجھایا۔

"وہ تو ٹھیک ہے، لیکن اب ہم کریں کیا؟ چند دوستوں کی ناراضگی اور پاپا کے نہ ماننے کی وجہ سے آپ ہمت ہار گئے جبکہ میں ضد کر چکی ہوں اور اپنی ضد پوری کرنا چاہتی ہوں"۔ اس نے غصے میں پھنکارتے ہوئے کہا تو میں چونک گیا۔

"ماہم ، کیا تم یہ شادی اپنی ضد کی وجہ سے کر رہی ہو؟"

"شاید میں غلط کہہ گئی، شادی تو میں اپنی محبت کے ہاتھوں مجبور ہو کے کر رہی ہوں، لیکن ....! ہر طرف مخالفت کی وجہ سے میں ضد پر اتر آگئی ہوں اور میں نے ضد پوری کرنی ہے"۔ اس نے پورے اعتماد سے کہا۔

"پھر سوچ لو، بعد میں ہمیں بڑی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے گا"۔ میں نے اسے مزید جانچا تو پھر ختمی انداز میں بولی۔

"ابان !....میں اب ایک انچ بھی پیچھے نہیں ہٹوں گی۔ کیونکہ میں نے پاپا سے کہہ کہ میں نے آپ ہی سے شادی کرنا ہے"۔

"ٹھیک ہے آؤ چلیں، کورٹ چلتے ہیں اور شادی کر لیتے ہیں"۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ایک منٹ !....تمہارے ذہن میں کیا ہے، اگر کوئی تجویز ہے تو بتاؤ؟ “وہ اسی تیزی سے بولی۔

”میرا مشورہ تب بھی یہی تھا اور اب بھی یہی ہے کہ تم اپنے پاپا کو مجبور نہیں ، قائل کرو اور جب وہ اجازت دے دیں تو ہم شادی کر لیں گے ....ویری سمپل ....“میں نے عام سے لہجے میں کہا۔

”یہ اتنا سمپل نہیں ہے جتنا آپ نے کہہ دیا۔ وہ تب مانیں گے جب انہیں مجبور کیا جائے گا۔ وہ پائل ہونے والوں میں سے نہیں ہیں“۔ ماہم نے میری طرف گہری نگاوہں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں، یہ ہوئی نابات، وقت لے کر انہیں قائل کیا جائے، یہاں تکہ وہ اپنی مرضی کے خلاف نہیں بلکہ اپنی مرضی سے ہماری شادی کر دینا چاہئیں۔ ظاہر ہے، وہ میرے بارے میں جاننا چاہیں گے، میرا خاندان پوچھیں گے، میرے مستقل کو پرکھنا چاہیں گے، ماہم تو اکلوتی ہو۔ وہ تمہارے بارے میں جو جذبات رکھتے ہیں، اسے کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا، انہیں تمہاری شاید کہیں نہ کہیں کرنی ہے۔ صرف تمہاری پسند ہی ان کے اطمینان کے لیے کافی نہیں ہے“۔ میں نے اسے ایک دوسرے پہلو سے سمجھانا چاہا۔

”میں جانتی ہوں اور سمجھتی بھی ہوں۔ اصل میں وہ مجھے اپنے خاندان میں بیاہ دینا چاہتے ہیں، وہ انتہائی اجڈ ہیں۔ اب یہ بات نہیں کہ ان میں تعلیم یافتہ نہیں ہیں۔ وہ تعلیم یافتہ ہو کر بھی اجڈ ہیں“۔ یہ کہتے ہوئے وہ ایک دم سے چونک گئی پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔” ویسے ابان !....نہ میں نے آپ کے بارے جاننے اور پرکھنے کی کوشش کی اور آپ نے کبھی میرے بارے میں پوچھا۔ ہم اچانک ایک دوسرے کے اتنا قریب آگئے“۔ اس کے لہجے میں حیرت تھی۔

”میں تمہیں ایک بات بتاؤ ماہم حالات کے باعث ایک دوسرے کے قریب آگئے۔ اس میں محبت کم اور ضد زیادہ شامل ہے۔ یہ تم مانو گی“۔ میرے یو کہنے پر وہ کئی لمحوں تک میری جانب دیکھتی رہی۔ پھر دھیرے دھیرے سر ہلاتے ہوئے بولی۔

”ہاں....چ میں اعتراف کرتی ہوں کہ حالات ہمیں ایک دوسرے کے قریب لے آئے ہیں لیکن جہاں تک محبت کی بات ابان، میں اپنا آپ تمہارا چکی ہوں آپ کے سامنے .... آپ اسے میری کمزوری بھی کہہ سکتے ہو“۔

”میں تمہاری کس کمزوری سے نہیں کھیلنا چاہتا ہوں ماہم۔ میں تمہیں اپنے بارے میں بتاؤں گا اور پوری تفصیل سے بتاؤں گا اور اس طرح میں تمہارے بارے میں بھی نہیں پوچھوں گا، میں صرف ایک بات ، ایک پہلو واضح کرنا چاہتا ہوں اور

وہ ہے محبت !ہم محبت کی کس سطح پر ہیں محبت خود غرض نہیں ہوتی کیونکہ وہ اپنا آپ منوا لینا جانتی ہے ۔ تمہارے پاپا یہ نہ سمجھیں کہ میں نے تمہیں ورغلایا، تمہیں چھیلنا یا بہکایا، بلکہ وہ اعتراف کریں کہ تمہاری محبت اور میری محبت ہم دونوں کو اس مقام تک لے آئی ہے کہ ہم ایک ہونا چاہتے ہیں۔ میرا یہی موقف ہے، اب جیسے تم چاہو، ہو گا تو وہی نا "....میں نے اپنی وضاحت اس کے سامنے رکھ دی اور فیصلہ بھی اس پر چھوڑ دیا۔ وہ چند لمحے سوچتی رہی۔ پھر سکون سے بولی۔

"ٹھیک ہے ابان، میں اپنے پاپا کو قائل کروں گی۔ سا کے بعد ہم پورے مان کے ساتھ ایک دوجے ہو جائیں گے تاکہ کسی کو بھی شرمندگی نہ ہو"۔

"یہی میں چاہتا ہوں"۔ میں نے اطمینان کی ایک طویل سانس لے کر کہا۔

"یہ طے ہو گیا، لیکن مجھے دکھ اپنے ان دوستوں پر آرہا ہے جو اچانک آنکھیں پھیر گئے۔ کم از کم ".... اس نے کیا چاہا کہیں میں نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔

"تم اپنا مسئلہ حل کرو، ان لوگوں کو میں دیکھو لوں گا"۔

"نہیں، میں آپ کے ساتھ ہوں۔ کم از کم انہیں یہ احساس تو ہو کہ ہم ہیں۔ خاص طور پر کاشف ....اسے معلوم ہونا چاہئے کہ وہ ہمارے ساتھ کے بغیر کچھ بھی نہیں"۔

”دیکھ لیں گے ....اس میں اتنا پریشان ہونا کی ضرورت نہیں ہے۔ اب پلیز، اس موضوع کو چھوڑ دو۔ وہ ہمارے دوست ہیں اور ہم نے انہیں نقصان نہیں پہنچانا“۔ میں نے کہا تو وہ بھڑک کر بولی۔

”میں انہیں نقصان نہیں پہنچانا چاہتی لیکن انہی احساس دلانا چاہتی ہوں کہ جو کچھ وہ سوچ رہے ہیں،وہ غلط ہے میں سمجھتی ہوں کہ کاشق انہیں گمراہ کررہ اہے۔ پاپا کی سیاست ہی کی وجہ بناتے ہیں جبکہ میرا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے“۔

”ہم نے اپنے عمل سے یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم اور ہماری مٹی اچھی ہے۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کرو کہ ہم ان کے خلاف نہیں جائیں گے بلکہ آڑے وقت میں ان کی مدد کریں گے“۔ میں نے اسے سمجھانا چاہا تو وہ جوش جذبات میں کہتی چلی گئی۔

”ابان !....میں تمہیں ایک اپنے انداز سے سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں، یہاں اتنی منافقت ہے کہ میں تمہیں بتا نہیں سکتی، ساتھ بیٹھ کر کھاتے پیتے ہیں بلکہ جس کا کھاتے ہیں اس کے خلاف سازش کرتے ہیں۔ صرف اپنے اندر کے حسد کی خاطر ....آپ نے شاید حق باہوؒ کا کلام سنا ہے کہ نہیں ایک جگہ وہ کہتے ہیں ک؟؟؟ اُتے ....یہ کیوں کہا۔ اشرف المخلوق کو ایسا کیوں کہا، یہی نا کہ ایک کتا اگر

ایک دن کسی کا کھالے ....تو وہ اس کی وفاداری کرتا ہے، لیکن وہ گھٹیا لوگ جو کسی کا کھاتے بھی ہیں اور ان کے خلاف سازش بھی کرتے ہیں۔ وہ کتوں سے بھی بدتر ہیں، کتے ان سے بہتر قرار پاتے ہیں۔ برسوں ساتھ رہنے کے بعد بھی اپنا آپ کتوں سے بدتر ثابت کر دیتے ہیں“۔

”میں تمہاری بات سے اختلاف نہیں کرتا، لیکن تمہاری بات میری رائے ہی کی تصدیق ہے۔ ہم اپنا آپ کیوں گنوائیں وہ کتے ثابت ہو گئے یا کتوں سے بھی بدتر ہمیں تو ایسا نہیں کرناچاہئے“۔ میں ے کہا تو اس نے چونک کر میری طارف دیکھا، پھر اپنا سر ہلاتے ہوئے بولی۔

”آپ ٹھیک کہتے ہو۔ جیسا آپ چاہیں لیکن ایک بات اب بھی میری سمجھ بھی نہیں آئی کہ جب کوئی مدد ہی نہیں لینا چاہتا تو ہم ان کی مدد کیسے کریں گے؟“

”یہ وقت آنے پر تمہیں معلوم ہو جائے گا“۔ میں نے بحث کو سمیٹنے کے لیے کہا تو وہ میرا غصہ سمجھ گئی۔ اس لیے بولی۔

”بہت وقت ہو گیا۔ پتہ نہیں جندوڈا نے کچھ بنایا ہو گا بھی یا نہیں، میں پوچھوں اس سے“....

”ہاں !....اگر نہیں بنایا تو کسی ریستوران سے لے آئے۔ بلاؤ اسے “....میں نے کہا تو وہ اٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی اور میں نے سکون کا سانس لیا۔

ماہم بہت تیز حل پڑی تھی اور ایسا اس نے محض جذبات میں کیا تھا۔ اس ساری بحث میں اس نے یہ تسلیم کیا تھا کہ اگرچہ وہ مجھ سے محبت کرتی ہے لیکن اس میں ضد کا عنصر بھی شامل تھا۔ میں چاہتا تو اپنے مقصد کے لیے ابھی اس وقت اسے استعمال کر لیتا لیکن میرے نزدک ماہم کا احترام لازم تھا۔ وہ کوئی شے نہیں تھی کہ اس کا استعمال کر لیا جاتا اور بعد میں کسی ٹشو پیپر کی طرح پھینک دیا جاتا۔ لوگ ایسا کرتے ہیں لیکن ان کا شمار انتہائی گھٹیا لوگوں میں ہوتا ہے۔ جن کو اپنی اوقات نہیں ہوتی اور نہ ہی حیثیت، ماہم اگر میرا ذریعہ تھی تو میں اسے اسی قدر اہمیت، عزت اور حکام بھی دینا چاہتا تھا اور یہ مجھے پر لازم بھی تھا۔

111

میں نے اپنے ڈیپارٹمنٹ کی پارکنگ میں گاڑی روکی اور اپنا بیگ ٹھایا کر باہر آگیا۔ اس وقت میں گاڑی لاک کر رہا تھا جب میری نگاہ کافی فاصلے پر ڈیپارٹمنٹ کے دروازے کے قریب کھڑی رخشندہ اور رابعہ پر پڑی۔ نہ جانے کیوں مجھے اس وقت یہ احساس ہوا۔ یہ دونوں میرے ہی انتظار میں کھڑی ہیں۔ میں نے جان بوجھ کر

انہیں نظر انداز کیا اور ڈیپارٹمنٹ کی طرف چل پڑا۔ لامحالہ مجھے اس دروازے میں سے گزرنا تھا۔ جیسے ہی میں ان کے قریب پہنچا تو رابعہ نے مجھے ہلکے سے آواز دی۔ میں نے ان کی طرف دیکھا اور روک گیا۔ وہ میرے قریب آگئیں۔ سلام و دعا کے بعد رخشی نے کہا۔

”میرے خیال میں آج آپ کی کلاس نہیں ہو گی“۔

”یہ تمہارا خیال ہے یا حقیقت میں بھی ایسا ہے، کیا تم نے یہ معلومات لے لیں ہیں؟“میں نے جان بوجھ کر اس سے پوچھا۔

”جی، میں نے معلوم کر لیا ہے، لیکن اگر آپ تصدیق کرنا چاہیں تو کرلیں“۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو میں نے پوچھا۔

”آپ نے ایسی زحمت کیوں کی؟“

”اس لیے کہ ہمیں آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ جو بہت ضروری ہیں“۔ وہ اسی مسکراہٹ میں تحمل سے بولی۔

”چلیں میں آپ کی معلومات سے متفق ہوں کریں باتیں “....میں نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

"کہیں بیٹھتے ہیں، یہاں کھڑے کھڑے تو تھک جائیں گے"۔ وہ ہکا سا قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔ اس کا اشارہ کینٹین کے لان کی طرف تھا۔ ہم تینوں ادھر بڑھ گئے۔ نائبر کی کرسیوں پر ایک گوشے میں براجمان ہوتے ہی رخشندہ نے کہا۔

"ابان !....کل جو آپ کہنا چاہ رہے تو دوستوں نے محض جذبات میں آکر اسے سمجھنے کی کوشش نہیں کی۔ حالانکہ آپ اپنی جگہ درست تھے اور میں سب دوستوں نے اس پر بہت بات کی۔ بڑی بحث ہوئی۔ جس کے نتیجے سے ہم آپ کو آگہ کرناچاہتی ہیں"۔

"رخشی !....میں وہ ضرور سننا چاہوں گا"۔ میں نے تحمل سے کہا۔

"دیکھیں ابان ....یہ محبت، پیار اور عشق اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ یہ ہمارے معاشرے میں جنس مخالف کے درمیان چلے ہیں اور یہ ایک حقیقت ہے۔ میں یہاں محبت پیار اور عشق کی مائیت پر یا سا کے ہونے یا نہ ہونے کی وجوہات پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی اور نہ ہی مجھے یہ آتا ہے مگر !....اتنا ضرور سمجھتی ہوں کہ جیون ساتھی کے انتخاب میں بندے کو کم از کم بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ کرناچاہئے۔ سب دوستوں کا خیال یہ ہے کہ ماہم آپ کو محض ورغلارہی ہے اور صرف استعمال کرنے

کی حد تک محبت کا ڈھونگ رچا رہی ہے۔ اس طرح وہ "…. وہ کہنا چاہتی تھی کہ میں نے پوچھا۔

"سوری، میں تمہاری بات کاٹ رہا ہوں۔ تمہارا اپنا ذاتی خیال کیا ہے؟"

"دیکھیں !….محبت ہو جانا بھی کوئی بڑی بات نہیں، آپ ما شا اللہ؟؟؟ہیں۔ ا للہ نے آپ کو رنگ ، روپ اور وجاہت سے نوازا ہے۔ آپ کس بھی لڑکی کے دل کی دھڑکن بن سکتے ہیں۔ ایک لڑکی کے لیے آپ میں بہت زیادہ کشش ہے۔ اگر ماہم آپ پر واقعی مر مٹی ہے تو یہ نئ یا انوکھی بات نہیں اور نہ ہی غیر فطری ہے، لیکن محبت ہو جانے اور محبت کی اداکاری کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ بندے کا اندا بتا دیتا ہے کہ وہ کس کیفیت سے گزر رہا ہے۔ ہم فرض کر لیتے ہیں کے ماہم کو آپ کے ساتھ واقعی محبت ہے تو پھر بھی وہ آپ کے لائق نہیں ہے"۔ آخری لفظ کہتے ہوئے رخشندہ کے لہجے میں بھاری پن اتر آیا تھا جیسے یہ کہتے ہوئے اسے بہت مشکل ہو رہ ہو۔

"کل بحث بھی اس بات پر ہوئی تھی"۔ رابعہ نے دھیرے سے کہا۔

"پھر "!….میں نے اختصار سے پوچھا۔

”یہ یکہ سبھی کا خیال تھا کہ ابان سے اگر ماہم محبت کا دعویٰ کرتی بھی ہے تو ابان کو اس سے شادی نہیں کرنی چاہئے“۔ رابعہ گویا ہوئی۔

”مگر کیوں....؟ وہ وجوہات تو بتائی جائیں“۔ میں نے اس کی بات سے دلچسپی لیتے ہوئے تجسس سے پوچھا تو رابعہ بولی۔

”دیکھیں، ہمارے ہاں ایک بیوی کا تصور یہ ہے کہ وہ گھر چلائے شوہر کی ہو کر رہے، ہر معاملے میں نہ صرف اس کی تابعداری کرے بلکہ اس کا حکم مانتے ہوئے اس کے ماتحت ہو کر چلے، لیکن ماہم کے معاملے میں یہ بات الٹ ہو جاتی ہے۔ وہ اکلوتی ہے۔ اس کے والدین بلکہ پاپا ....والدہ تو بے چاری کی وفات ہو چکی ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس کا داماد جو بھی ہو گھر داماد ہو۔ ماہم کی تربیت بھی چھ ایسے ہوئی ہے کہ وہ حکم چلانا جانتی ہے۔ ایک بیوی نہیں دست راست تو ہو سکتی ہے۔ آپ کا ساتھ مل کر نشانہ بازی تو کر سکتی ہے، لیکن کچن میں کھانا بنا کر نہیں دے سکتی“۔

”اور دوسری بات ابان یہ ہے کہ یہاں وہ کوئی تعلیم حاصل کرنے نہیں آتی۔ محض وقت گزاری ہے یہ اس کی۔ وہ جو لڑکا اس کے پیچھے پڑا ہوا تھا۔ ہاں وہ فرخ چوہدری ....اس سے انتقام کا چکر تھا، وہ یہاں آتی، اس نے اپنے طور پر لوگوں کو استعمال کر کے اسے شکست دی اور اب ابان کی محبت میں جال میں پھنسا کر ہمیشہ

کے لیے اپنا بنا لینا چاہتی ہے۔ حالانکہ اس کے اپنے خاندان میں بہت سے نوجوان ایسے ہیں جو اس کے شایانِ شان ہیں“۔

”تم دونوں کی باتیں میں سچ مان لیتا ہوں، لیکن “!....میں نے کہا اور ان دونوں کے چہروں پر دیکھا جہاں تجسس پھیل چکا تھا کہ نہ جانے میں کیا کہنے جارہا ہوں“۔ لیکن یہ کہ اگر وہ کل میرے ساتھ کورٹ میں شادی کر لیتی اور میرے ساتھ رہنے لگتی تو .... وہ تو تیار تھی، آج بھی وہ تیار ہے۔ میں اسے ابھی فون کر کے کہوں کہ وہ کورٹ پہنچے تو وہ وہاں آجائے گی۔ ہم شادی کر لیں گے۔ ماہم کے اس مسئلے کے تناظر میں بتاؤ۔ تمہاری یہ ساری باتیں میں کہاں فت کروں“....

”وہ ایسے کہ اس کے پاپا کی لٹکتی ہوئی تلوار بھی تو تم لوگوں پر مسلط رہنی تھی نا ....اور آخر کار یہ ؟؟؟ ہونا ہے گھر داماد پر ....کیونکہ اس کے خاندان میں کوئی بھی لڑکا گھر دامادی پر راضی نہیں ہے اور یہ ماہم بھی اس لیے ضد میں آئی ہوئی ہے۔ یہ انہیں بھی نیچا دکھانا چاہتی ہے۔ یہی تو باپ بیٹی میں اختلاف چل رہا ہے کہ اور میری طلاع کے مطابق فرخ چوہدری کے باپ نے بھی رشتے کی بات کی تھی جسے رد کر دیا گیا تھا اور ان میں وجہ تنازع بھی یہی بنی تھی“۔ رابعہ نے اپنی معلومات بتائی۔

”اسلم چوہدری نے یہ سیٹ اور اپنا مضبوط بنانے میں بہت محنت کی ہے۔ فطری سی بات ہے کہ وہ حلقہ اور سیٹ کسی دوسرے کو نہیں دینا چاہتا۔ وہ اسے اپنے گھر ہی میں رکھنا چاہتا ہے ۔ وہ کیسے رکھے، یہی اس کے لیے سب سے بڑا اور اذیت ناک مسئلہ ہے“۔ رخشندہ نے سمجھانے والے لہجے میں کہا تو میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

”اس بحث کا فیصلہ یہ تھا کہ مجھے ماہم سے شادی نہیں کرنا چاہئے“۔

”بالکل !....اس سے ایک خاص حد تک تعلق رکھیں بلکہ سیدھے لفظوں میں یہ کہوں گی کہ آپ اس کے ہاتھوں استعمال نہ ہوں“۔ اس نے ختمی انداز میں کہا۔

”رخشی اور رابعہ !....تم دونوں سمجھ دار ہو، کسی بھی مسئلے کو بہتر طور پر سمجھ سکتے ہو۔ میں مانتا ہوں کے میرے دوست میرے لیے اچھا ہی سوچتے ہیں۔ میں صرف ایک بات پوچھتا ہوں۔ ماہم کے معاملات فقط میری ذات تک محدود رہتے ہیں۔ کیمپس یا اس کی سیاست میں ایک ذرہ بھی عمل دخل نہیں تو پھر کیا خیال ہے؟“ میں نے انہیں اس نکتے کی طرف لانا چاہا جو وجہ تنازع تھا۔ اس پر رخشندہ بولی۔

”میں سمجھ رہی ہوں کہ آپ کیا بات کرنا چاہتے ہیں۔ کاشف کا یہ موقف ہے کہ اس کے پاپا، اس کے ذریعے یہاں اپنی مرضی مسلط کرنا چاہتے ہیں جو کہ ان کی سیاسی مجبوری ہے تو وہ میں نے کل بھی تردید کی تھی۔ ماہم کی مخالفت ہو بھی تو

کیا۔ کیا اگر کوئی دوسرا مخالفت کرے۔ اس کا پاپا کس دوسری سمت سے یہ انہیں متاثر کرے تو بھی تو اس کا سامنا کرنا ہے۔ بات یہ نہیں ہے ابان، وہ آپ کی زندگی کو اذیت ناک مرحلے میں داخل ہنے سے بچانا چاہتے ہیں۔ ہم یہاں کتنی دیر رہیں گے، محض دو سال، جس سے آدھا سال تو گزر بھی گیا ہے۔ پھر کس نے کہاں ملنا ہے دوبارہ“۔

”تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ میرے اور ماہم کے تعلق سے کیا کیمپس کی سیاست پر کوئی فرق پڑتا ہے؟“

”نہیں !....وہ لوگ اتنی گرفت کر چکے ہیں کہ کسی بھی مخالفت کا سامنا کر سکیں“۔ رخشندہ تیزی سے بولی۔

”تو پھر انہیں ہمارے معاملات میں بحث نہیں کرنی چاہئے“۔ میں نے پُرسکون انداز میں اپنا موقف بتایا۔

’دیہ تو آپ ان کے خلوص کو یکسر رد کر رہے ہیں“۔ رخشندہ نےاسی تیزی سے کہا۔

”نہیں رد نہیں کر رہا۔ حقیقت بیان کر رہا ہوں، چلیں، ہم اسے دوسرے تناظر میں دیکھ لیتے ہیں۔ کاشف نے کل ایک وجہ بتائی اور آج تم دونوں اس کی ذات میں

کسی کوتاہی کے بارے میں بتا رہی ہو۔ میں کہتا ہوں میری ذات کے لیے اس میں یہ نہ ہو، تو....؟"

"تو پھر آپ بہت بڑی بھول کا شکار ہیں"۔ رخشندہ نے ختمی انداز میں کہا۔

"اگر وہ ثابت کر دے کہ جو کچھ تم لوگ سوچ رہے ہو، ویسا نہیں ہے تو "....میں نے اپنی بات بڑھائی۔

"تو کرے ....اگر اس میں تبدیلی آجاتی ہے تو ٹھیک ہے لیکن ماضی اور فطرت .... انہیں آپ کس خانے میں رکھیں گے "....رابعہ نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"آپ دونوں کا مسئلہ یہ ہے کہ آپ اپنی ہی بات کی وکالت کرتی چلی جارہی ہیں، لیکن دوسرے کے نکتہ نگاہ کو سمجھنے کی کوشش نہیں کر رہی ہیں۔ میں کہتا ہوں وہ سب کچھ سرے سے ہی ہی نہیں ہے جس پر آپ نے فرض کر کے اسے لائن کے دوسری طرف کھڑا کر دیا ہے"۔

"چلیں آپ بتائیں، آپ کس بناءپر اس کی ذاتی زندگی کے بارے میں ہماری باتوں کو غلط کہہ رہے ہیں۔ میں مان لیتی ہوں کہ کاشف کی سوچ سیاست کا معاملے میں

غلط ہے، لیکن باقی تو حقیقت ہے۔ اسے کیسے جھٹلا سکیں گے“۔ رخشندہ نے کافی حد تک غصے میں کہا۔

”دیکھو تم خود کہہ رہے ہو کہ اس کا اپنے پاپا کے ساتھ اختلاف ہے۔ وہ اسے سیاست میں کیوں لا رہا ہے۔ خاص طور پر کیمپس کی سیاست میں“۔ میں نے پوچھا۔

”یہی تو بات ہے جسے آپ کو سمجھنا چاہیے۔ ہم تو اسے اختلاف نہیں کہتے۔ کل وہی ماہم ایم این اے یا ایم پی اے بن جاتی ہے تو اس کا شوہر کس کھاتے میں جائے گا۔ سیاست کی عمل ترتیب کیسے پائے گی؟ آپ جیسا شخص جسے ابھی دوسروں کے سہارے کی ضرورت ہے۔ وہ ان کے لیے بہترین داماد ثابت ہو سکتا ہے۔ خدارا اسے سمجھنے کی کوشش کریں“۔

”چلیں آپ نے مجھے معلومات دے دیں اور میں نے لے لیں۔ آپ کا بہت شکریہ۔ میں اگر گھر داماد بن بھی جاتا ہوں تو مجھے کوئی مسئلہ نہیں۔ یہ ایک بات ہے۔ میں سارے چھوڑ دیتا ہوں اور پھر وہ کیمپس کی سیاست میں حصہ لیتی ہے اور بہت مضبوط ہاتھوں کے ساتھ کیمپس میں کاشف اور اسد کے مدمقابل آن کھڑی ہوتی ہے تو پھر “....میں نے ایک دوسرے انداز سے ان کی سوچ پڑھنا چاہی۔

"پھر تو وہ کھل کر سامنے آجائے گی نا ....تب جو ہو سکے گا اس کے ساتھ سلوک وہ گا۔ اب اگر اسے برداشت کیا جارہا ہے تو صرف آپ کی وجہ سے۔ ورنہ وہ کیمپس میں قدم نہ رکھ سکتی"۔ اس بار رخشندہ کافی حد تک برہم ہو گئی تھی۔

"آپ لوگ اسے نہیں روک سکتے۔ نہ ہی کاشف میں ابھی اتنی ہمت ہے ۔ یہ ٹھیک ہے میں ان کے معاملات سے الگ رہا ہوں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ پرانے دوستوں کو اس لیے پیچھے دھکیل دیا جائے کہ کہیں وہ ان کی راہ میں اوڑھ نہ اٹکا دیں۔ انہیں من مانی کرنے سے روکیں۔ ایسے نہیں کرتے۔ یہ بات اپنے دوستوں کو سمجھا دینا۔ ماہم چاہے تو کیمپس پر گرفت کر سکتی ہے"۔

"اس کا مطلب یہ ہوا ابان کہ جو کچھ کاشف سوچ رہا ہے وہ غلط نہیں"۔ رخشندہ نے کافی حد تک حیرت سے کہا۔

"اب اس کا جو بھی مطلب نکالیں آپ لوگ ....میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ خواہ مخواہ کسی کی مخالفت مت کرو، رخشی میں اسے بہت قریب سے جانتا ہوں۔ وہ میری محبت میں اپنا سب کچھ قربان کر سکتی ہے"۔ میں نے یونہی ایک بات پھینک دی تاکہ اس کا رد عمل دیکھوں۔

"یہ آپ کی بہت بڑی بھول ہے کہ وہ اپنا سب کچھ آپ کے لیے قربان کر سکتی ہے"۔ رخشندہ نے ختمی انداز میں کہا۔

"چلو، تمہیں ایسا کون سا ثبوت چاہئے کہ جس سے یہ بات ثابت ہو جائے ، بلکہ میرا یہ دعویٰ سچ ثابت ہو"۔ میں نے پوچھا تو وہ ایک لمحے کے لیے سوچ میں پڑ گئی۔ شاید میرے لہجے میں معصود اعتماد نے اسے ڈگمگا دیا تھا۔ پھر وہ سوچ کر بولی۔

"آپ کی ذات پر اس کا اور اس کے پاپا کا اختلاف سامنے آجائے"۔

"بس اتنی سی بات "....میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایسا ہو گا نہیں۔ شاید آپ کو نہیں معلوم ، یہ اختلاف اگر عوام میں گیا۔ تو اس کی سیاسی ساکھ ٹوٹ کر رہ جائے گی۔ اس کا سارا فائدہ فرخ چوہدری کو ہو گا۔ جو ان کے سب سے بڑا سیاسی مخالفین ہیں"۔

"مجھے اس سے غرض نہیں کہ کس کو فائدہ ہوتا ہے اور کس کو نقصان۔ مجھے تو فقط یہ ثابت کرنا ہے کہ اس کا اور اس کے پاپا کا میری ذات کے لیے اختلاف ہو گیا اور میرا وعدہ رہا رخشی کہ میں اس معاملے میں ایک لفظ بھی ماہم سے نہیں کہوں گا"۔ میں نے اعتماد سے کہا تو رابعہ نے جذباتی ہوتے ہوئے لرزتی آواز میں کہا۔

"اگر ایسا ہے نا ابان تو میں سب سے پہلے آپ کی طرف دار ہوں گی۔ چاہے کچھ بھی ہو جائے"۔

"چلیں یہ معاملہ اب ہم تینوں کے درمیان ہے۔ دو ہفتوں میں اگر یہ ثابت ہو گیا تو پھر تم سب کو میری بات ماننا پڑے گی، ورنہ میں تم لوگوں کی بات مان لوں گا اور ماہم کا سب سے بڑا مخالف میں ہوں گا، میں اسے اس کیمپس میں قدم نہیں رکھنے دوں گا۔ چاہے جتنی مرضی مخالفت ہو جائے اور تم لوگ بھی میرا ساتھ نہ دو "....میں نے یوں اعتماد سے کہا کہ ان دنوں کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ وہ چند لمحے یونہی بیٹھی رہیں۔ پھر رخشندہ ھیرے سے بولی۔

"ٹھیک ہے۔ ڈن ہو گیا۔ رابعہ ہی نہیں، میں بھی آپ کے ساتھ ہوں گی۔ چاہے کاشف میرے خلافت ہو جائے"۔

"چلو، ہماری بحث ختم، اب اس پر کوئی بات نہیں ہو گی۔ بولو، کیا کھاؤ پیؤ گی۔ خالی پیٹ بحث بھی بری لگتی ہے۔ میں نے کہا تو کھل کر ہنس دیں۔ تب میں نے ویٹر لڑکے کو اشاہ کر دیا اور ہماری باتیں کیمپس کے تازہ ترین حالات پر ہونے لگیں۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

بعض اوقات زندگی میں ایسے مراحل بھی آتے ہیں جہاں انسان مجبور محض بن کر رہ جاتا ہے۔ وہ اپنی پوری قوت سے کوشش کرتا ہے مگر حالات و واقعات اس کی طاقت و قوت کو یوں زائل کر کے رکھ دیتے ہیں جیسے پانی میں نمک اپنی حیثیت کھو دیتا ہے، اس کے برعکس انسان کچھ ارادے سوچتا ہی ہے تو حالات و واقعات اپنی صحت یوں تبدیل کرنا شروع کر دیتے ہیں یو ں لگتا ہے وہ سب انسانی ارادے کے انتظار میں تھے۔ جونہی انسان نے ارادہ کیا اور حالات و واقعات کی ترتیب اور نیت ویسی ہی ہونا شروع ہو جاتی ہے، جسے انسان چاہ رہا ہوتا ہے۔ سا میں نہ طاقت استعمال کرنا پڑتی ہے اور نہ قوت زائل ہوتی ہے یوں جیسے انسان ہوا کے دوش پر شہر تمنا کا تماشائی ہو جاتا ہے۔ میں جب اچڈل سے چلا تھا، اس وقت میرے دل و دماغ میں صرف اور صرف اسلم چوہدری کے خلاف نفرت تھی اور اس کی وجہ صرف اور صرف یہی تھی کہ اس نے میرے پاپا کے ساتھ منافقت کر کے دھوکا دیا تھا۔ یہ ظلم تھا جو اس نے کیا۔ جس کی پاداش میں میرے پاپا کو ایک طرح سے جلا وطنی کی زندگی گزارنا پڑی۔ اسلم چوہدری کے علاوہ میرے دل میں نہ کسی کے لیے نفرت تھی اور نہ ہی میں کس پر ظلم کا ارادہ رکھتا تھا۔ اب زریاانکل نے اسلم چوہدری تک پہنچنے کا جو طریقہ وضع کیا تھا اس میں ماہم کا وجود اہمیت اختیار کر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

گیا۔ میرے دل میں ماہم کے لیے کہیں بھی نفرت نہیں تھی۔ بلکہ میں اس کے بارےم یں جب بھی سوچتا تو مجھے سا سے ہمدردں محسوس ہوتی تھی۔ اب بے چاری کا کیا قصور اس کا جرم تو یہی ہے ناکہ وہ اسلم چوہدری کی بیٹی ہے۔ ماہم کو تو خود معلوم نہیں تھا کہ اس کا پاپا کتنا بڑا جرم کر چکا ہے۔ ماہم سے ہمدردی ہی نے میرے اندر کہیں بھی اس کے لیے منفی جذبات کو ابھرنے نہیں دیا، لیکن ایسا بھی نہیں تھا کہ اس قدر ساتھ ہونے کے باوجود میں اس کے لیے کوئی ایسے نرم اور شگفتہ جذبات رکھتا تھا جو میری مجبوری بن جائے۔ ماہم نے اگر فرخ کے خلاف لڑائی لڑی تھی تو وہ اس کا ذاتی معاملہ تھا۔ وہ کچھ بھی رہی ہو میں اس پر خوش تھا کہ اس میں اتنی بہت اور جرات ہے کہ وہ معاملات کو خود دیکھ سکے۔ اس کی لڑائی کو اگر اسلم چوہدری نے کیش کرانے کی کوشش کی تھی اور باپ بیٹی کا آپس میں اختلاف ہو گیا تھا تو اس کا میری ذات پر کیا اثر۔ رابعہ اور رخشندہ نے ماہم نے خلاف جو کچھ بھی کہا، یہ کاشف کی اس سوچ کا عکس تھا جو وہ ماہم کے بارے میں رکھتا تھا۔ میں پوری طرح جان گیا تھا کہ کاشف اب اگر کسی سے خائف ہے تو وہ ماہم ہے۔ اس لیے وہ اس کا پتہ صاف کرنے کے درپے تھا۔ یہ کاشف کی اپنی بقا کے لیے مجبوری تھی اور اسے کرناچاہئے تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

میں اور ماہم جس مقام پر کھڑے تھے، وہاں ماہم تو میرے ساتھ محبت کی دعویدار تھی ، لیکن میرے اند اس کے لیے کیا جذبات تھے، اس پر میں کوئی ختمی فیصلہ دے ہی نہیں پارہا تھا۔ میرے ذہن میں جو منصوبہ تھا وہ تو یہی تھا کہ میں اپنے طورپر ماہم کو اپنی جانب مائل کروں گا چاہے اس کے لیے مجھے کسی تھرڈ کلاس عاشق کا سا کردار کیوں نہ نبھانا پڑے اور پھر اسے قابو میں کرنے کے بعد اس کے ذریعے اسلم چوہدری کے ساتھ جو بھی ہو سکتا تھا وہ میں کرتا۔ اس کے بعد ماہم کو اپنی زندگی میں شامل کر کے اس مان اور اہمیت دیتا۔ اس کی قدر کرتا۔ گویا اسلم چوہدری سے انتقام کے عوض ماہم کو عزت و مقام دینا تھا اور یہ ایک سودا تھا جو میں نے کرنا تھا، لیکن !.... یہاں کیمپس میں حالات واقعات اس طرح پرت در پرت کھلنے گئے کہ ماہم از خود میرے نزدیک آتی چلی گئی اور وہ میری محبت کی دعویدار بن گئی۔ یہ بھی انسانی فطرت ہے کہ جواسے بغیر محنت و مشقت کے مل جائے، اس کے بارے میں انسانی اتنا حساس اور پُر کشش نہیں ہوتا جتنا اسے ہنا چاہئے۔ میرے لیے اس وقت ماہم کا حال بھی کچھ ایسا ہی تھا۔ وہ سمندر کی بپھرتی ہوئی لہروں کی مانند میری ذات کے ساحل سے آٹکراتی اور میں ریت کے ساحل کی مانند اس کی بے تابیوں کو دیکھ کر محض خاموش تماشائی بنا ہوا تھا۔ جس طرح

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

لہروں کے بپھرنے کی کوئی وجہ ہوتی ہے اور ساحل کی خاموشی میں کوئی راز پنہاں ہوتا ہے۔ اسی طرح اب وہ وقت آگیا تھا جب مجھے ماہم کی محبت کا جائزہ لینا تھا۔ اگرچہ یہ کوئی اچھا رویہ نہیں تھا کہ میں اس کی محبت بارے جانچ پڑتال کرتا لیکن میں نے جوانتقام کی عینک لگائی ہوئی تھی، مجھے تو اس میں وہ کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ حالات کا دھارا میرے لیے کچھ معنی رکھتا تھا۔ جیسے ہر بندہ ان حالات کو اپنے اپنے نکتہ نظر سے نہ صرف دیکھ رہا تھا بلکہ اس کے مطابق عمل کرنے کا خواہاں بھی تھا اور میرے لیے حالات جیسے بھی ہوں، ان میں محتاط رہنا اشد ضروری تھا۔ میرا وہاں پر ہونا ہی پانی پر نقش کی مانند تھا۔ کوئی بنیاد نہیں تھا۔ میں ایسی بیل کی مانند تھا جو کہیں بھی جڑ نہیں رکھتی تھی اور کیمپس کے پانی میں تیر رہا تھا۔

”سرجی !....خیرت تو ہے نا اتنی گہری سوچ “....جندوڈا نے پوچھا تو میں چونک گیا۔ وہ میرے قریب چائے کا کپ لے کر کھڑا تھا اور میری طرف گہری نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے اس سے چائے کا مگ لیا اور عام سے لہجے میں کہا۔

”کچھ نہیں یار، بس ایسے ہی زندگی کے رنگوں کو سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا“۔

"سائیں !....ان رنگوں کو دیکھیں ضرور مگر ان میں الجھنے کی کوشش نہ کیجئے گا۔ کیونکہ رنگ اپنا اثر چھوڑ جاتے ہیں"۔ اس نے کہا تو میں چونک گیا۔ مجھے تھا یہ ادھیڑ عمر جندوڈا زندگی کے بارے کافی سمجھ بوجھ رکھتا ہے۔

"کہتے تو تم ٹھیک ہو یار، انسان جتنا مرضی ان رنگو سے بچ جائے مگر یہ چڑھتے ضرور ہیں۔ ان سے بچا نہیں جا سکتا"۔ میں نے چائے کا سیپ لیتے ہوئے کہا۔

"رنگ تو ایک ہی سائیں، اور اس ایک رنگ کو اپنانا پڑتا ہے۔ انسان کو چاہے معلوم نہ بھی ہو، پھر بھی ہ ایک ہی رنگ میں بس رہا ہوتا ہے"۔ جندوڈا نے نہ جانے کیا سوچ کر میرے چہرے پر دیکھا اور بڑی آسانی سے کہہ دیا۔

"میں سمجھا نہیں، کیا تم مجھے یہ بات کھل کر سمجھا سکتے ہو؟ "میں نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا تو وہ فوراً بولا۔

"دیکھی، میں آپ کو سمجھاتا ہوں، دیکھنے کی حد تک ایک سفید رنگ ہے اور ایک سیاہ رنگ ہیں۔ انسان سے دو رنگ میں دیکھتا ہے، لیکن ان کی اصل ایک ہے انہی میں سارے رنگ پڑے ہیں۔ دیکھیں !....سفید رنگ سے سارے رنگ پھوٹ پڑتے یں اور سیاہ رنگ میں سارے رنگ خم ہو جاتے ہیں۔ آپ جس کو چاہیئے ابتدار کہہ لیں اور جس کو چاہئیں انتہا، سیاسی سے سفیدی نکلتی ہے۔ ظلمت ہی سے نور

نکلتا ہے۔ سیاسی سے نور کو پھیلانے میں پہلے سارے رنگوں کو اپنے اندر اتارنا پڑتا ہے۔ پھر ہی بندہ اس قابل ہو پاتا ہے کہ وہ رنگوں کو اچھال سکے۔ یہاں تک کہ پھر باقی سفیدی بچ رہتا ہے اور یہ جان لیں کہ سیاسی سے سفیدی تک کا سفر تو ہوتا ہے، لیکن جو سفید اپنا چکا، وہ سیاہی کی طرف مائل نہیں ہوتا۔ کیونکہ سیاہی جتنی بھی ہو، سفیدی کی ہلکی سی مقدار اپنا آپ واضح کر دیتی ہے لیکن سفیدی میں سیاہی کہیں بہت زیادہ ہتا رہیں ہ وت پھر بھی ظلمت نہیں ہوتی، محض رنگ بدل جاتا ہے"۔

"واہ جندوڈا !....تم تو بڑے فلا سفر نکلے ہو، رنگوں کے بارے بڑا فلسفہ بیان کر ڈالا ہے تو نے۔ میں نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"یہ کوئی فلسفہ نہیں ہے سائیں۔ صرف اللہ سائیں کی اس پھیلی ہوئی کائنات کو ذرا سا غور سے دیکھنے کی بات ہے۔ میرے سامنے دن رات کا سلسلہ جاری ہے۔ ظلمت سے نور کی طرف، نور سے سیاہی کی طرف اور ان کے درمیان ستاروں کی جگمگاہٹ ، چاند کا چمکنا، ان پر ذرا سا غور کر لیں تو سمجھ میں آجاتا ہے۔ آنکھیں بند کرکے اپنے اندر جھانک لیں"۔

سارے رنگ یہاں بھی ہیں۔ کیونکہ یہ سارے رنگ الجھن کے ہیں، اسی کی عطا ہے، یہ ہم ہیں جنھوں نے سیاہی اور سفیدی کا الٹ پھیر کیا ہوا ہے“۔ جندوڈا جذب سے کہتا چلا گیا تو میں نے سوچ کر ایک بات اس سے پوچھی ۔

”یار جندوڈا، ایک بات تو بتا ، یہ محبت کا رنگ کیا ہوتا ہے۔ اس کا بھی کچھ پتہ چلتا ہے کہ نہیں“۔

”سائیں، میں سمجھ گیا آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ آپ چاہئیں میرے جیسے اَن پڑھ کا مذاق اڑائیں لیکن محبت کا رنگ وہیں گہرا ہوتا ہے جہاں بے وفائی کا رنگ ہو۔ کھو جانے اور چھن جانے کا خوف ہی محبت کی بیلوں کو گہرا سبز رکھتا ہے۔ اس پر امیدوں کے خوابوں کے اور خواہشوں کے رنگ برنگے پھول کھلتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ بیل سلوکھ کر پیلی ہو جائے گی اور پھر جھا جائے گی، یا پھر اس کی آبیاری ہوگی تو یہ بیل پھول سے پھل لے آئے گی۔ یہ فطرت کا اصول ہے اور فطرت اپنے اندر بڑے رنگ رکھتی ہے“۔ اس نے بڑی گہری بات کی تھی۔ اچانک مجھے خیال آیا کہ اس نے تو میرے اور ماہم کے مقام کا تعین کرکے رکھ دیا تھا۔ میں نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا اور دلچسپی سے پوچھا۔

”جندوڈا !.... تم اتنا گہرا کیسے سوچ لیتے ہو؟“

"سائیں !....یہ کوئی گہرائی نہیں ہے۔ فطرت کو دیکھیں‌اور اس پر غور کریں۔ سب سمجھ میں آجاتا ہے۔ جاں تک میری بات ہے تو میری جوانی کا زیادہ حصہ صحراؤں میں گزرا ہے۔ میں نے فطرت کو بڑے قریب سے دیکھا ہے۔ یہاں تک کہ زندگی اور موت کو بھی۔ فطرت میں کھو جائیں تو زندگی اپنے سارے راز اس پر واضح کرنا شروع کر دیتی ہے۔ یہی تو رب تعالیٰ چاہتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ آؤ غور کرو فطرت پر ۔ پھر انسان اپنی محدود سوچ کے ساتھ اس کے بنانے والے کو تلاش کرتا ہے۔ یہی انسان اور رب کا تعلق ہے"۔

"تمہارے خیال میں انسانی جذبے بھی تو فطری ہوتے ہیں۔ ان کے رنگ ہوتے ہیں۔ کسی کے رویے ہی سے اس کے من کا پتہ چلتا ہے۔ ایسا ہی ہے نا "....میں نے پوچھا۔

"سائیں !....فطرت کو جہاں سے دیکھیں، وہیں سے رنگ بکھرنا شروع ہو جاتا ہے۔ رویے سے جذبے تک پہنچا جا سکتا ہے۔ جذبات اور رویے سے ارادوں کا سراغ مل جاتا ہے"۔ اس نے اپنی فطری سادگی میں یہ بات کہی تو میں ایک دم سے ان ماورائی علوم کے بارے میں سوچنے لگا کہ جو انسان کو سمجھنے کے لیے خود انسان نے ہی بنائے۔ یہاں تکہ کہ اب جدید دور میں وہ سائنسی طرز فکر کی حیثیت اختیار

چکے ہیں۔ میں شاید کافی دیر تک خاموش رہا تھا۔اس لیے جندوڈا کی بات پر چونک گیا۔

"سائیں بے فکر کے گھوڑے خالی میدان میں مت دوڑائیں۔ اس راہ کا انتخاب کریں جہاں خطرات پوشیدہ ہوں۔ یہی زندگی کا سقب ہے۔ ورنہ بزدل ؟؟؟ آپ کو ڈراتے رہیں گے۔ خالی میدان میں دوڑنے والے گھوڑے کچھ بھی حاصل نہیں کر پائیں گے۔ آگے بڑھیں اور ان گھوڑوں کی پشت پر سوار ہو جائیں"۔ جندوڈا نے مسکراتے ہوئے میری طرف دیکھ کر کہا تو اس نے میرے بہت سارے مسئلے انجائے میں حل کر دیئے۔

"جندوڈا !....تمہارے ساتھ بات کر کے بہت مزہ آیا۔ ہم پھر کسی وقت بات کریں گے۔ فی الحال تم ناشتہ بناؤ۔ مجھے کیمپس جانا ہے"۔ یہ کہتے ہوئے میں اٹھ گیا۔

"میں تیار ہو کر ناشتے کی میز پر آیا تو وہاں پر سلیم بھی تھا۔ وہ خلاف معمول کافی فریش لگ رہا تھا۔ تب میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"خیر تو ہے نا، بڑے تیار ہو، کہیں جانے کا ارادہ ہے"۔

”جی ہاں جناب ، آج مجھے زریاب صاحب سے حکم ملا ہے کہ اس اسلم چوہدری سے ملوں، میں یہی بتانے آپ کے پاس آیا تھا“۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو میں الجھ گیا۔ اس نے سمجھنے کی خاطر پوچھا۔

”میں ؟؟؟ صاف بات کہو، یہ کیا چکر ہے“۔

”سر چکر کچھ نہیں ہے۔ اسلم چوہدری اپنی بیٹی ماہم کی طرف سے پریشان تو ہے۔ وہ ابان علی کے بارے میں بھی حیران ہے۔ اس کو یہ تو معلوم ہے کہ ابان علی صرف زریاب صاحب کا بیٹا ہے۔ اسلم چوہدری اب تک یہی سمجھتا رہا کہ ماہم کا زریاب کے بیٹے ابان علی کے ساتھ کوئی چکر نہیں رہا ہے۔ اسلم چوہدری نے ابان علی کو دیکھا ہوا ہے اس لیے وہ آپ سے ملا، آپ وہ نہیں نکلے تو اس نے اپنی تفتیش کا دائرہ وسیع کر دیا۔ یہاں کیمپس سے بھی پتہ کروایا۔ ابان علی کے کاغذات اس نے نکلوا کر دیکھے تو سارے راستے زریاب صاحب کی طرف جارہے ہیں۔ رات اس نے زریاب صاحب سے اس موضوع پر بات کرنے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اسلم چوہدری سے کوئی بات نہیں کی۔ مجھے حکم دیا کہ میں اس کے پاس جا کر اسے مطمئن کروں“۔

”جب اس نے کاغذات دیکھ لیے، تو اب راز کس بات کا رہ گیا ہے۔ اسے دو اور دو چار کرنے میں ایک لمحہ بھی نہیں لگے گا“۔

راز تو فاش ہو گیا، اب اطمینان کیا“۔میں نے انتہائی مایوسی سے کہا۔

”اور نہیں سرجی، میں نے اسے یہی باور کرانا ہے کہ آپ زریاب صاحب کے ایک مزارعے کے بیٹے ہیں۔ جس نے اپنے بیٹے کا نام ابان علی رکھا ہے۔ اسے الجھن میں تو رکھنا ہے اور دوسرا یہ کہ آپ کو بھی زریاب صاحب نے بلایا ہے“۔

”کیوں خیرت.... ؟ “میں نے جلدی سے پوچھا۔

”وہ کہہ رہے ہیں کہ جب ماہم شادی کے لیے راضی ہے تو پھر میں کیوں دیر کر رہا وہں۔ اب زیادہ سے زیادہ معاملہ ایک دو دن میں سامنے آجائے گا اور ماہم اگر متنفر ہو گئی تو سارا بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا۔ وہ اس موضوع پر آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں“۔

”مطلب !....اب مزید چوہے بلی کا کھیل نہیں چلنے والا “میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”جی سر .... آپ نے کل غلطی کی، آپ کو اس کے ساتھ کورٹ میں شادی کر لینی چاہیے تھی۔ اب ممکن ہے ماہم سوچنے پر مجبور ہو جائے اور اس کا ہاتھ آنا مشکل ہو جائے“۔

”سلیم، فرض کیا ماہم مجھ سے متنفر ہو جاتی ہے تو پھر ہمیں کیا کرنا چاہئے “.... میں نے سوچتے ہوئے پوچھا۔

”یہی بات کرنے تو زریاب صاحب نے آپ کو بلایا ہے۔ ویسے اگر آج بھی آپ ماہم کر اس سے شادی کر لیں تو وقت آپ کے ہاتھ میں ہو سکتا ہے“۔

”دیکھتا ہوں، مجھے کیا کرنا ہے“۔ میں نے اس گول مول سا جواب دیا اور ناشتے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ ان نئی اطلاعات نے میرے اندر ایک جولانی بھر دی تھی۔ مجھے کچھ دیر پہلے جندوڈا کی بات یاد آنے لگی کہ کھو جانے اور چھن جانے کا خوف ہی محبت کی بیلوں کو گہرا سبز رکھتا ہے۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ میں یہ سوچ کر مسکرا دیا۔ مجھے ایک دم سے یہ اتعاء ہو گیا کہ مجھے اب کیا کرنا ہے۔ اس کے لیے میں پوری طرح تیار تھا۔

111

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اس دن کیمپس جاتے ہوئے پہلی بار میں نے اپنا کولٹ ریوالور ڈیش بورڈ سے نکال کر اس طرح اپنی گود میں رکھ لیا کہ اگر چشم زدن میں بھی مجھے ضرورت پڑے تو میں اسے استعمال کر لوں۔ نہ جانے کیوں سبزہ زاد سے نکلتے ہی مجھے یہ احساس ہونے لگا تھا کہ اب میں اکیلا ہوں۔ کوئی میرے ساتھ نہیں ہے۔ کیمپس کے سارے دوست مجھ سے متنفر ہو چکے ہیں۔کیمپس میں تفتیش چل رہی ہے کہ میں اصل میں کون ہوں؟ ابان علی یا کوئی اور؟ زریاب انکل مجھے ناکام تصور کرتے اسلم چوہدری کے پاس وضاحت کے لیے سلیم کو بھیج رہے تھے۔ ماہم کو جب میری اصلیت کے بارے میں علم ہوتا تو ممکن ہے وہ فرخ چوہدری سے بھی زیادہ اپنا ردعمل ظاہر ہے۔ مجھے ؟؟؟ یہ کھیل پاٹی کی طرح میری مٹھی سے نکل گیا ہے۔ اب دوبارہ چلو بھرنا شاید ناممکن ہو۔ کیا میں نے واقعی غلطی کی جو ماہم کو دھوکا نہیں دیا۔ پکے ہوئے ایسے پھل کو جو خود جھولی میں آگرے"۔ کھانا بھی تو احمق پن ہے۔ کیا میں نے جو اخلاقی تقاضے نبھائے وہ غلط تھے۔ مجھے بھی اس ظالم دنیا کے اصولوں کو اپنا کر اپنے دشمن کے ساتھ اس کی ہر شے کو ؟؟؟ دینا چاہئے تھا۔ میں یہی سوچتا ہوا تیزی سے کیمپس کی جانب بڑھ رہا تھا۔ میں اپنی جگہ جو سوچ رہا تھا، وہ ایک الگ معاملہ تھا لیکن کیا میں زریاب انکل کے سامنے ایک ناکام شخص

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کے طور پر جاؤں گا۔ ممکن ہے وہ مجھے لعن طعن نہ کریں لیکن میں انہی اپنی ناکامی کی وجہ کیا بیان کروں گا۔ کیا یہ کہہ سکوں گا کہ ماہم کو تو مجھ سے محبت ہو گئی تھی اور میں بھی لاشعوری طور پر اس سے محبت کرنے لگا تھا۔ میں اپنی سوچوں میں الجھا ہوا۔ کیمپس جا پہنچا۔ وہاں سب کچھ معمول کے مطابق چل رہا تھا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں کلاس لوں۔ اس لیے اپنے کلاس فیلوز کے پاس جا کر بیٹھ گیا۔ میں دراصل ایک دم سے تنہائی کا شکار ہو گیا تھا۔ ریوالور کا لاشعوری طور پر اپنی گود میں رکھنا، پھر ڈیپارٹمنٹ آتے ہوئے کمر کے ساتھ لگائے رکھنا۔ اپنے کلاس فیلوز میں آ کر بیٹھ جانا یہ ساری لاشعوری حرکتیں میرے اندر کے اضطراب اور تنہائی کا شاخسانہ تھیں۔ شاید اس کا عکس میرے چہرے پر بھی پڑ گیا تھا کہ میرے ایک کلاس فیلو بلا سل نے پوچھ ہی لیا۔

”ابان !....کیا بات ہے کوئی مسئلہ ہے کیا ....بڑے خاموش سے ہو“۔

”کیا پہلے میں شور ڈالا کرتا تھا“۔ باوجود کوشش کے میرے لہجے میں تلخی در آئی تھی۔

”نہیں، تم فریش نہیں لگ رہے ہو۔ تمہارا چہرہ بتا رہا ہے کہ جیسے کوئی پریشانی ہے“۔ اس نے وضاحت کی۔

”ہاں یار، پریشانیاں تو بندے کے ساتھ چلتی رہتی ہیں۔ کبھی کوئی کبھی کوئی“۔

”یہ تو ہے، ویسے بھی ماہم آج کل ڈیپارٹمنٹ نہیں آرہی، اس رنگ؟؟؟ کو وجہ بھی زیادہ ڈسٹرب کرتی ہے“۔ اس نے ہلکے سے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو میں بھی ہنس دیا۔

”ہاں، ممکن ہے ایسا ہی ہو“۔ میں نے جان چھڑانے کے لیے اس کی ہاں میں ہاں ملا دی تو وہ چہک اٹھا۔

”تو پھر اس ٹینشن کا علاج یہ ہے میری جانکہ ایسی ہی رنگین اپنے اردگرد اکٹھی کرلی جائے۔ مستقل نہ سہی عارضی طور پر ہی سہی .... ٹھہرو میں سا کا حل کرتا ہوں“۔

”کیا کرو گے “....میں نے تجسس سے پوچھا۔

”یار !....اپنی چند کلاس فیلوز کے ساتھ ذرا آؤٹنگ کر لیتے ہیں، گپ شپ ہو گی ، ہنسیں گے، کھیلیں گے، کھائیں گے پیئیں گے اور ڈسٹرینس ختم .... گاڑی لائے ہونا آج“۔

”ہاں گاڑی تو ہے .... لیکن “....میں نے کہنا چاہا تو ہ تیز ی سے بولا۔

"تمہارے آنے سے پہلے ہم ایسا ہی پروگرام بنا رہے تھے۔ اب تو ڈن ہو گیا۔ تم دو منٹ یہاں بیٹھو۔ میں سب کو لاتا ہوں"۔ اس نے کہا اور میری سنے بغیر کلاس روم کی طرف چلا گیا۔

ہم چھ گاڑیوں میں تھے۔ ساتویں گاڑی کے لڑکے کھانے پینے کا سامان لے کر آنے والے تھے۔ شہر کا نزدیکی پارک ہم نے انتخاب کیا تھا جہاں کچھ وقت گزرنے کا ارادہ تھا۔ تقریباً آدھے گھنٹے کی مسافت کے بعد ہم اس پارک میں جا پہنچے۔ جو جس کے زیادہ نزدیک تھا، وہ ٹولیوں میں بکھر گئے اور میں ایک درخت کے ساتھ تنہا آبیٹھا ۔ دراصل ہی سوچنا بھی چاہتا ہوں اور اپنی سوچوں سے فرار بھی حاصل کرنے کا خواہاں تھا۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی تھی کہ اصل میں میری ترجیح کیا ہے۔ میں کیا چاہتا ہوں۔ مجھے کیا خوف ہے۔ میں انہی غیر مرئی سوچوں سے الجھا ہا تھا کہ میرے سامنے زرکا آن کھڑی ہوئی۔ وہ میری طرف بڑی دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ فربہ مائل زرقا نے سفید شلوار کے ساتھ گہرے جامنی رنگ کی پیلے پھولوں والی قمیص پہنی ہوئی تھی۔ اؤں میں سفید سپیراور اور سفید آنچل کا ؟؟؟ پر ڈالا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کریوں لگ رہا تھا۔ کہ یہ ابھی اپنے لباس سے باہر چھلک پڑے گی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

"ابان !....مجھے نہیں لگتا کہ ماہم کے نہ ہونے سے تم اس قدر مجنون بن جاتے ہو۔ خیر سے تھوڑی سے جدائی برداشت کر لیا کرو"۔ بڑی بڑی آنکھوں، موٹے نقوش اور سرخ لبوں والی گوری چٹی زرقا کے لہجے میں کافی حد تک مزاح تھا۔

"آؤ بیٹھو !....اب اس کی کمی تم پوری نہیں کر سکتی ہونا "....میں نے بھی مذاق میں کہا تو وہ میرے قریب بیٹھتے ہوئے بولی۔

"وہ .... وہ ہے اور ہم .... ہم ہیں۔ اگر اپنی جگہ قلو قطرہ ہے تو ہم اپنی جگہ نور جہاں ہیں"۔ زرقا نے کچھ اس انداز میں کہا کہ میں با ساختہ قہقہہ لگانے پر مجبور ہو گیا۔ تب وہ میری طرف دیکھ کر بولی۔" ہنستے ہوئے اچھے لگتے ہیں ....ہنستے رہا کریں"۔

"یار !....یہ حالات جو ہوتے ہیں یہ بندے کو سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں"۔ میں نے کافی حد تک سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"میں تو ایک بات جانتی ہوں، یہ جو یقین ہو تا ہے نا ....یہ ہمارا بڑا محافظ ہوتا ہے ساری الٹی سیدھی سوچوں کو ہمارے دماغ سے باہر رکھتا ہے۔ اگر آپ کو خود پر یقین ہے تو ڈونٹ وری ....سب ٹھیک ہو جائے گا"۔ وہ بھی سنجیدگی سے کہتی چلی گئی تھی۔

”اچھا تو میں اب سمجھا تمہاری صحت کا راز“۔

”نہیں اس میں کچھ کھانے پینے کا بھی دخل ہے، آخر کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں“۔ وہ ہنستے ہوئے بولی تو میں بھی ہنس دیا۔

وہ کافی دیر بیٹھی اسی ہی پر مزاح باتیں کرتی رہی۔ یونہی کلاس فیلوز کے بارے اردگرد لووگں کے بارے اور حالات کے بارے اس کی سب سے بڑ ی خوبی، اس کی بے تکلفی تھی۔ ہم یونہی گپ شپ کرتے رہے، ہمارے پاس ایک لڑکی اور لڑکا بھی آکر بیٹھ گے تو باتوں میں زیادہ گرم جوشی آگئی۔ مجھے بہت اچھا لگنے لگا۔ بہت عرصے بعد یوں گپ شپ کررہا تھا ۔ پھر سب کھانے پینے کے لیے اٹھ کر ایک جگہ اکٹھے ہو گئے۔ کچھ دیر ہلا گلا رہا اور میں اسے جو ٹینشن میں تھا، وہ کافی حد تک ختم ہو گئی تو میں پرسکون سا ہو گیا اور ان میں دلچسپی لینے لگا۔

دوپہر کے بعد جب واپس ہوئی تو زرقا میرے ساتھ پسنجر سیٹ پر تھی اور پچھلی نشست پر ٹھنسی ہوئیں چار لڑکیاں یہ بلال کی ترتیب تھی، اس نے سب کو بٹھایا تھا۔ ہونا یہ تو چاہئے تھا کہ وہ چند ڈے سکالز کو میرے ساتھ بٹھا دیتا اور میں انہیں ڈراپ کر کے سبزہ زار چلا جاتا، لیکن طے یہی ہوا تھا کہ ڈیپارٹمنٹ سے ہ کر یہی واپس گھروں کو یا ہاسٹل جائیں گے۔ مقصد صرف یہی تھا کہ زیادہ سے زیادہ وقت

ایک دوسرے کے ساتھ گزار لیں۔ ہم یونہی ہنستے بولتے ڈیپارٹمنٹ واپس چلے گئے۔ وہاں تھوڑی دیر بیٹھ کر جب ہم واپس جانے لگے تو زرقا بھی میرے ساتھ ساتھ چلنے لگی۔

"آپ مجھے ڈراپ کر دیں گے؟ پوائنٹ آنے میں تو ابھی وقت ہے"....

"چلو، ڈراپ کر دوں گا"۔ میں نے خوشدلی سے کہا اور پارکنگ کی طرف چل دیا۔ ہم دونوں بیٹھے اور میں نے گاڑی بڑھا دی۔ میں ابھی پارکنگ سے مین روڈ پر نہیں آیا تھا کہ ماہم کی کال آگئی۔ مجھے لگا جیسے باد بہاری آگئی ہو۔ اس کے ساتھ طویل بحث کے بعد سے اب تک میرے خیالات میں بڑی تبدیلی آچکی تھی۔ میں نے دائیں ہاتھ سے اسٹرنگ سنبھالا اور بائیں ہاتھ سے فون ریسور کرتے ہوئے کہا۔

"کیا حال ہے، ڈیپارٹمنٹ نہیں آئے ہو"۔

"میری کل سے پاپا کے ساتھ بہت بحث چل رہی ہے .... خیر اس وقت کہاں ہو؟"

اس نے پوچھا۔

"میں کیمپس میں ہوں ....اور واپس سبزہ زار جارہا ہوں"۔ میں نے جواباً کہا اور گاڑی مین روڈ پر لے آیا۔

"جتنی جلدی ممکن ہو سکے سبزہ زار چلے جاؤ اور اپنا بہت سارا خیال رکھنا۔ مجھے پاپا کے تیور اچھے نہیں لگ رہے ہیں، وہ بہت غصے میں ہیں۔ یوں لگ رہا ہے جیسے انہیں آپ کے نام سے چڑ ہو گئی ہے۔ میں کوشش کروں گی کہ شام ہوتے ہی سبزہ زار آؤں، پھر تفصیل سے ہر بات بتاؤں گی"۔ یہ لفظ ابھی اس کے منہ ہی میں تھے کہ میری دائیں طرف سے ایک فور ویل جیپ میری سائیڈ دبانے لگی۔ خطرے کا شدید احساس میرے اندر سرایت کر گیا۔ میں نے ایک دم سے فون پھینک دیا۔ بائیں ہاتھ سے اسٹرنگ سنبھالا اور دائیں ہاتھ سے ریوالور نکال لیا۔ میں کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا۔ زرقا نے فون اٹھای اور میرے کان سے لگا دیا۔ ماہم پریشانی میں کہہ رہی تھی۔"کیا ہوا، جواب نہیں دے رہے ہو"۔

"ماہم !....خطرہ لگ "....میں نے اتنا ہی کہا تھا کہ کار کو شدید دھمکا لگا۔ کسی نے پیچھے سے ٹکر ماری تھی۔ میں بُری طرح لڑکھڑا گیا۔دائیں جانے سے سائیڈ ماری گئی۔ کوئی چاہتا تھا کہ میں اپنی کار سمیت الٹ جاؤں۔ میں نے ایک دم سے رفتار بڑھائی تو رزقا کی چیخ نکل گئی۔ وہ بہت زیادہ خوف زدہ ہو گئی تھی، لیکن اس وقت زرقا پر توجہ دینے کے لیے ایک لمحہ بھی نہیں تھا۔ میرے ساتھ وہ گاڑیاں بھی اس رفتار سے آگے بڑھیں۔ جیسے میں نے دائیں طرف گاڑی سے گن کی ٹال

برآمد ہوتے ہوئے دیکھا۔ اسی وقت میں نے ریوالور نکالا اور فائر جھونک دیا۔ یکے بعد دیگرے میں نے دو فائر کئے اور پھر تیسرا فائر میں نے اس کے ٹائر پر کیا۔ ایک دھماکا ہوا وہ فوروہیل لڑکھڑا کر ایک طرف الٹ گئی۔ تبھی پیچھے سے ٹائرنگ ہونے لگی۔ فائرنگ گاڑیوں کا مشور زرقا کی چیخیں ان سب کے درمیان اوسان بحال رکھنا ناممکن ہو رہا تھا۔ اچانک گاڑی کا پچھلا شیشہ چھنا کے سے ٹوٹا اور گوئی میرے دائیں کاندھے میں پیوست ہو گئی۔ شاید وہ برسٹ تھا کیونکہ اس بار زرقا کی چیخ زیادہ دہشت ناک تھی۔ یہ وہ لمحات تھے جب کار پر میرا کنٹرول نہیں رہا اور گاڑی لڑکھڑتی ہوئی بائیں جانب فٹ پاتھ پر چڑھ گئی۔ میرا دماغ نہ جانے کن کن سوچوں سے ابلنے لگا۔ سب سے زیادہ یہی سوچ حاوی تھی کہ میرے دشمن جو کوئی بھی ہیں۔ میرے بے بس ہوتے ہی مجھے گولی مار دیں گے۔ میں حرکت کرنا چاہتا تھا لیکن بے بس ہو گیا۔ میرا دماغ اندھیرے میں ڈوبتا چلا گیا اور پھر میں ہوش و حواس سے بے گانہ ہو گیا۔

مجھے جب ہوش آیا تو میرے خیال اور سوچیں باہم دست و گریباں تھیں۔ کوئی خیال اور سوچ بھی پوری نہیں تھی۔ آدھی ادھوری، ایک دوسرے میں پیوست

کسی کا سرا کہیں جا نکلتا تھا۔ سبز، گہرا سبز، سرخ خون، لتھڑے ہوئے خون سے لبریز کریہہ چہرے پتوں کی سائیں سائیں اور نہ جانے کیا کیا دماغ میں چل رہا تھا۔ نہ جانے یہ کتنا وقت تھا۔ مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کہاں پڑا ہوں، جب ذرا یہ احساس ہوا تو میں حرکت بھی نہیں کر سکتا تھا۔ میں انتہائی نگہداشت وارڈ میں تھا۔ مجھے آکسیجن لگی ہوئی تھی اور میرے بارے میں یہ خیال تھا کہ میں کسی بھی لمحے اس دنیا کو چھوڑ کر جا سکتا ہوں۔ نہ جانے زرقا کا ہیولا میرے دماغ میں کہاں سے آگیا۔ اس کے بارے میں سوال گونجے لگا کہ اس کا کیا بنا، وہ زندہ بھی ہے یا چل بسی؟ میں یہی سوچ رہا تھا کہ ایک ہیولا میرے سامنے لہرایا تو مجھے اپنی بنیائی پر شک ہونے لگا۔ کیا میں دیکھ نہیں سکتا ہوں یا اب ایسا ہی دھندلا دکھائی دے رہا ہے، یہ حقیقت ہے یا میں آنکھیں بند کیے سوچ رہا ہوں۔ میرا دماغ درد کرنے لگا، مگر پھر ایک دم سے میں پُرسکون ہو گیا۔ میرے دماغ پر اندھیرا چھانے لگا اور میں پھر خود سے غافل ہو گیا۔

یہ دورانیہ نہ جانے کتنا تھا، لیکن اس بار جب ہوش آیا تو خیال واضح تھے اور سوچیں صاف تھیں۔ میں دیکھ بھی ٹھیک رہا تھا۔ اس وقت میرے پاس ڈاکٹر کے ساتھ دو نرسیں موجود تھیں، جب میں نے انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے بلانا چاہا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

مگر میں بول نہ سکا۔ میری آواز کہیں گم ہو گئی تھی میں نے اشارے سے انہیں متوجہ کیا تو انہوں نے چونک کر میری طرف دیکھا۔ ان کے چہرے پر خوش کے آثار نمودار ہوئے تو مجھے کافی حد تک اطمینان ہوا۔ میں سمجھ گیا تھا کہ وہ میرے زندگی کی طرف لوٹ آنے پر خوش ہیں۔ ماہم میں قوت گویائی کے چھن جانے سے ایک دم پریشان ہو گیا۔ میں انہی سوچوں میں الجھا ہوا تھا کہ ایک بار پھر غافل ہو گیا۔ میں بس اتنا دیکھ پایا تھا کہ میرے اردگرد کافی سارے لوگ جمع تھے۔

اس بار جب میں ہوش میں آیا کافی حد تک توانائی محسوس کر رہا تھا۔ مگر مجھے بونے کی اجازت اب بھی نہیں تھی یا شاید میں بول ہی نہیں سکتا تھا۔ میں اشارے سے نرس کو اپنی طرف متوجہ کیا تو وہ فوراً ہی میری طرف لپکی ۔ میں اس سے یہ کہنا چاہتا تھا کہ میرا اپنا کوئی یہاں پر ہے جس سے میں مل سکوں۔ میرا سوال میرے دماغ ہی میں گونج کر رہ گیا۔ دفعتاً مجھے شیشے کے پار سلیم کا چہرہ دکھائی دیا۔ وہ مضطرب انداز سے مجھے دیکھ رہا تھا۔ میں نے نرس کو سمجھانے چاہا کہ وہ سلیم کو یہاں میرے پاس لے آئے مگر نہ سمجھی یا شاید وہ میری بات سمجھنا نہیں چاہ رہی تھی۔ میں بے بسی کی انتہا پر تھا۔ سوالوں کا ایک ریلا میرے دماغ میں تھا لیکن میں اس کا ابلاغ نہیں کر پا رہا تھا۔ جس سے میرے اندر کھلبلی سی مچ گئی تھی۔ میں

ہلنا چاہتا تھا مگر ہل نہیں پا رہا تھا۔ کہنا چاہتا تھا کہ کہہ نہیں پارہا تھا اور کس سے کچھ پوچھنا چاہ رہا تھا، وہ نہیں پوچھ سکتا تھا۔ اپنی بے بس پر میں دکھ سے فقط آنسو ہی بہا سکا۔ کیونکہ میں نے مزاحمت کرنا چاہی تو پریشان نرس نے میرے جسم میں انجکشن پیوست کر دیا۔ جس سے میں پھر غافل ہو گیا اور مجھے اپنا ہوش نہ رہا۔

اس ہوش اور بے ہوش میں وقت گزرتا رہا۔ جب بھی ہوش میں آتا تو میرا اضطراب مزید بڑھ جاتا۔ سوالوں کی یلغار سے میں ادھ موا ہوا جاتا۔ تاہم ایک بات کی خوشی تھی کہ میں زندہ ہوں اور دھیرے دھیرے اپنے حواسوں میں آرہا ہوں۔ پھر ایک دن میں نے بڑی مشکل سے ادھ کچرے سے لفظ کہہ ہی دیئے جسے ڈاکٹر نے سمجھ لیے اور اپنا سر ہلاتے ہوئے بولا۔

”مسٹر ابان !.... آپ ٹھیک ہو اور خطرے سے باہر ہو۔ مگر آپ کے زخم اس قدر زیادہ ہیں کہ آپ کو بے ہوش رکھنا ہماری مجبوری ہے۔ اس لیے آپ گھبرائیں مت“۔

”میں نہیں گھبراتا، آپ وہ سلیم کو یہاں بلوا دیں“۔ میں نے کہا تو ڈاکٹر سمجھ گیا اور پھر بڑے رسان سے بولا۔

"لیکن چند شرطوں کے ساتھ میں آپ کو سلیم سے ملا دیتا ہوں۔ زیادہ بات نہیں کریں گے، صرف پانچویں منٹ اور کسی قسم کی کوئی بے جا ضد نہیں کریں گے"۔

ڈاکٹر کے ہنے پر میں نے سر ہلایا تو اس نے خود باہر جا کر سلیم کو بلایا اور میرے پاس کھڑا کر کے خود چلا گیا۔

"کون تھے .... وہ لوگ "....میں نے پوچھا تو آرزدہ سے سلیم نے میری طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اسلم چوہدری کے بندے تھے۔ میں اس کے پاس گیا تھا اور زریاب صاحب کی ہدایت کے مطابق میں نے آپ کو مزارع کا بیٹا ہی ظاہر کیا۔ مگر وہ نہیں مانا۔ اس نے ختمی طور پر زریاب صاحب کو یہ پیغام دیا کہ اس کی بیٹی کے پیچھے جان بوجھ کر کسی بندے کو لگایا ہے۔ وہ ساری کہانی سمجھ گیا لیکن اس سے یہ تصدیق نہیں ہو سکی کہ آپ ہیں کون۔ اس نے اپنے بندے بھیجے تھے کہ آپ کو اٹھا کر لے آئیں۔ مگر شاید وہاں ماحول ایسا نہیں بن سکا کہ وہ بجائے آپ کو اغوا کرنے کے ....معاملہ ہی کچھ اور ہو گیا"۔

"زرقا....؟ " میں نے پوچھا۔

"وہ بچ گئی ہے اسے کوئی فائر نہیں گلا مگر حادثے کی وجہ سے کافی زخم آئے ہیں۔ وہ دہشت زدہ زیادہ ہے"۔ اصل میں آپ لوگوں کو فوراً ہسپتال پہنچا دیا گیا تھا۔ مجھے جب احساس ہوا کہ اسلم چوہدری انتہائی غصے میں ہے تو میں نے آپ کو مطلع کرنے کی بجائے پیر بخش سے کہا کہ وہ آپ کے پاس جائے اور کچھ بندے بھی لے جائے۔ میں نے سوچا آپ کو خواہ مخواہ الرٹ کرنے یا ڈسٹرب کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، میں خود آپ کے پاس پہنچ جانے والا تھا۔ پیر بخش آپ سے نہیں مل سکا، آپ وہاں نہیں تھے پتہ چلا کہیں پارک گئے ہوئے ہیں۔ آپ لوگ جیسے ہی واپس آئے تھے مجھے اطلاع مل گئی تھی۔ میں اس وقت پیر بخش کے پاس ہی تھا۔ میں نے آپ کو کال کی تو آپ کا نمبر معروف تھا اور جب ڈیپارٹمنٹ سے آپ تک پہنچ، اس وقت تک یہ حادثہ ہو گیا تھا۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ میں قریب ہوتے ہوئے بھی آپ کو نہیں بچا سکا"۔

"کوئی بات نہیں ایسا قسمت میں تھا، ان بندو کا کیا ہوا؟"

"ایک مارا گیا اور باقی فرار ہیں۔ زریاب صاحب کو جیسے ہی معلوم ہوا انہوں نے اسلم چوہدری کو وارننگ دے دی ہے کہ اگر ابان کو کچھ ہوا تو وہ اسے اجاڑ دے گا۔ وہ بہت پریشان ہیں۔ ان کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ وہ کیا کریں۔ اس وقت

ان کی ساری توجہ آپ پر ہے۔ وہ ہر پندرہ منٹ بعد آپ کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ کئی بندوں کی ڈیوٹی یہاں پر لگائی ہوئی ہے۔ فرح اور فروا بھی روزانہ کرتی ہیں اور آپ کو دیکھ کر واپس چلی جاتی ہیں"۔

"اوہ !....مجھے کتنے دن ہو گئے ہیں یہاں....؟"

"آج چوتھا دن ہے"۔ اس نے بتایا۔

"رچڈل میں تو کسی کو نہیں بتایا"۔ میں نے مضطرب ہو کر پوچھا۔

"میں اس بارے کچھ نہیں کہہ سکتا۔ زریاب صاحب سے اس بارے میں میری کوئی بات نہیں ہوئی۔ پتہ نہیں بتا دیا ہے۔ یا پتہ نہیں، نہیں بتایا"۔ میں سر آپ سے معافی مانگتا ہوں۔ میری غلطی نہیں تھی، میں نے پوری فیلڈنگ لگائی تھی لیکن وہ میری توقع سے زیادہ کہیں تیز نکلے۔ وہ اس نے اپنے خاص کمانڈو بھیجے تھے۔ ظاہر ہے وہ اس کا بیٹی کا معاملہ تھا۔ آپ مجھے معاف کر دیں سر بس آپ جلدی سے ٹھیک ہو جائیں۔ پھر دیکھئے گا"۔

وہ کچھ مزید کہتا لیکن میں نے ہاتھ کے اشارے سے روکتے ہوئے پوچھا۔

"اور ماہم"....

”حیرت انگیز بات یہ ہے سر جی، وہ حادثے کے پانچ یا سات منٹ بعد وہاں پہنچ گئی تھی۔ میں نے دیکھا وہ پاگلوں کی طرح رو رہی تھی۔ وہ میرے ساتھ یہاں ہسپتال میں آئی ہے۔ پھر اس کا پتہ نہیں وہ کہاں پر ہے۔ اس سے کوئی رابطہ نہیں ہوا اور نہ ہی وہ یہاں آئی۔ کل میں نے اس کے بارے میں کسی سے پوچھا تھا تو پتہ چلا کہ وہ چار دن سے غائب ہے اپنے باپ کے گھر بھی نہیں ہے۔ اس کا کوئی سراغ نہیں لگ رہا ہو کہاں ہے“۔

”یہ کیسے....؟ “میں نے تیزی سے پوچھا۔

”میں نے یہ بات زریاب صاحب کو بتائی تو انہوں نے کہا کہ اسلم چوہدری اب یہ الزام لگا رہا ہے تاکہ آپ کے معاملے پر کوئی سودے بازی کی پوزیشن میں آجائے۔ بہر حال وہ چار دن سے غائب ہے یہ حقیقت ہے“۔ سلیم نے تصدیق کی تو میرے دماغ میں نہ جانے کیوں آندھیاں چلنے لگیں۔ یہ کوئی اچھا اشارہ نہیں تھا۔

اسسے پہلے کہ میں سلیم سے مزید کوئی سوال پوچھتا، ڈاکٹر نے آکر اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ اس نے مڑ کر ڈاکٹر کی طرف دیکھا اور پھر سرہلاتے ہوئے میرا ہاتھ ہلکے سے دبایا اور تیزی سے پلٹ گیا۔ ڈاکٹر چند لمحے میرے چہرے پر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

دیکھتا رہا اور پھر ہوش و حواس سے بیگانہ کر دینے والا محلول میری رگوں میں اتار دیا۔

میں انہی سوتے جاگتے اور ہوش سے بیگانہ ہو جانے والے دنوں میں سے گزرتا ہوا ہسپتال کے بستر پڑا رہا۔ سورج کب طلوع ہوتا ہے اور مغربی افق پر کب اتر کر اوجھل ہو جاتا ہے۔ میں یہ دیکھ ہی نہیں سکا تھا۔ چاندنی کس طرح بکھرتی ہے اس کا احساس بھی مجھے نہیں ہوا۔ ہاں البتہ الجھی سوچیں، بے ترتیب خواب اور پراگندہ خیال میری ذات کے ساتھ جڑے رہے۔ ان سے میں چاہتے ہوئے بھی فرار حاصل نہیں کر سکا۔ زندگی جیسے ایک نقطے پر آن رکی تھی اور میں اسی نقطے کے ارد گرد کبھی پھسل جاتا اور کبھی سکڑ کر مرکز میں سمٹ جاتا۔ تاہم ماہم کا خیال کہیں نہ کہیں، کسی نہ کسی اوٹ سے جھانکتا ضرور تھا۔ میں اس کی طرف لپکتا ضرور تھا لیکن اسے اپنی دسترس میں نہیں کرپاتا تھا۔ ایک ہفتے بعد مجھے پرائیوٹ روم میں شفٹ کر دیا گیا۔

وہ صبح کا وقت تھا جب میں پرائیویٹ روم میں شفٹ ہوا۔ وہاں جاتے ہی مجھے یوں لگا جیسے میں کسی ہسپتال کے نہیں اپنے گھر کے کمرے میں آگیا ہوں۔ ماحول بدلا تو خوشگواریت میرے اندر در آئی۔ مجھے بہت اچھا لگا اور سکون محسوس ہوا۔ اس

وقت میری خوشی دو چند ہو گئی جب میں نے کمرے میں فرح آپی کو موجود پایا۔ اس کے چہرے پر محبت، پیار، بے بسی، خوشی اور دکھ کے سارے رنگ بکھرے ہوئے تھے۔ میں اچھی طرح سمجھ سکتا تھا کہ یہ رنگ کیوں پھیلے ہوئے ہیں۔ وہ آگے بڑھیں اور مجھے کاندھوں سے پکڑ کر لٹا دیا تو میں نے بے ساختہ کہا۔

"آپی، آپ کو دیکھ کر مجھے اچھا لگا"۔

"پورا ایک ہفتہ ہو گیا۔ تم بونگوں کی طرح بے حس حرکت پڑے ہوئے ذرا اچھے نہیں لگ رہے تھے۔ میں روزانہ یہاں آتی تھی اور پھر واپس چلی جاتی تھی۔ آج مجھے بھی بہت اچھا لگ رہا ہے ۔ بس تم اب جلدی سے ٹھیک ہو جا"ؤ۔ اس نے ممتا جیسے انمول جذبے میں بھیگے ہوئے لہجے میں کہا تو میرا دل بھر گیا۔ یقیناً میرے آنسو نکل آئے ہوں گے۔ اس لیے میرے سر پر ہلکی سی چپت لگاتے ہوئے بولی۔

"پاگل !.... تیری بہن تیرے پاس ہے نا ....اب کیوں رو رہے ہو؟"

"یہ خوشی کے آنسو ہیں آپی "....میں نے اعتراف کیا تو وہ جلدی سے بولی۔

"اچھا چلو، لیٹو نہیں، اٹھ کر بیٹھو، میں تمہارے لیے بہت کچھ بنا کر لائی ہوں پہلے وہ کھاؤ، پھر میں تجھے ایک اچھی سی خبر سناتی ہوں"۔

"واقعی کوئی اچھی خبر ہے یا....؟ "میں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"اصلی .... خبر ہے !چلو پہلے تم کچھ کھا پی لو"۔ یہ کہہ کر وہ اٹھیں اور قریب میز پر دھرے مختلف برتنوں میں سے کھانا نکالنے لگی۔ مجھے لگا جیسے پتہ نہیں کتنے برس ہو گئے ہوں گھر کا کھانا چکھے ہوئے۔ میں کھاتا رہا اور فرح آپی یونہی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتی رہیں۔

"مجھے معلوم تھا کہ تم سبزہ زار میں ہو اور تم کس مقصد کے لیے پاکستان آئے ہو۔ میں نے پاپا سے کئی دفعہ تمہاری مدد کرنے کے لیے کہا۔ مگر پتہ نہیں وہ ہمیشہ کیوں ٹال جاتے رہے۔ حالانکہ یہ کوئی اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا۔ میں بھی اسی کیمپس میں پڑھی ہوں۔ میں یہاں کی صورتِ حال کے بارے میں جانتی ہوں"۔

"انکل نے آپ کو اجازت کیوں نہیں دی، مطلب آپ نے کیا محسوس کیا؟ "میں نے یونہی پوچھ لیا۔

"پتہ نہیں، شاید ان کا خیال یہ تھا کہ اسلم چوہدری کو معلوم نہ ہو جائے"۔ آپی نے بے خیالی میں کہا۔

"لیکن اب تو شاید اسے معلوم ہو گیا ہے کہ میں کون ہوں؟ "میں نے پوچھا۔

"پتہ نہیں۔ پر اب اسے معلوم ہو بھی جائے تو کوئی بات نہیں اور کوئی سامنا کرے یا نہ کرے۔ میں ضرور سامنے آجاؤں گی۔ کیونکہ میں نے بتائے بغیر کسی کو بھی

حتیٰ کہ پاپا کو بھی .... تمہارے معاملے میں پوری طرح دخل اندازی شروع کر دی ہے۔ اب جو ہو گا دیکھا جائے گا"۔

"کب سے آپی .... کب سے آپ نے دلچسپی لی "....میں نے خوشگوار حیرت سے پوچھا۔

"دلچسپی تو میں شروع سے لے رہی تھی بھائی، جب تم یہاں آئے تھے، دخل اندازی کہو ....جب تم پر اسلم چوہدری نے حملہ کروایا۔ یہ حملہ بہت جان لیوا تھا۔ آپی نے سرلہراتے ہوئے کہا۔

"یہ تصدیق ہو گئی ہے کہ حملہ اسلم چوہدری نے ہی کروایا ہے؟ "میں نے تصدیق چاہی۔

"ہاں !....پاپا نے اسے وارننگ دی ہے۔ اب وہ الزام لگا رہا ہے کہ تم لوگوں نے میری بیٹی کو اغوا کر لیا ہے۔ اسے چھڑانے کے لیے بندے بھیجے تھے۔ بس اب تم ٹھیک ہو جاؤ بھائی "....فرح نے نہ جانے کیا سوچ کر جھرجھری لی۔

"رچڈل !....وہاں کسی کو خبر "!....میں نے دھیرے سے پوچھا۔

"میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ وہاں پاپا نے بتا دیا ہے۔ یہ ایسی بات تھی کہ چھپائی نہیں جا سکتی تھی۔ انکل تو فوراً آنا چاہتے تھے۔ وہ آنے کے لیے تیار بھی ہو گئے تھے۔ پھر تمہاری حالت سنبھل گئی، بس وہ ایک دو دن میں یہاں آجائیں گے"۔

"پاپا یہاں آرہے ہیں؟ "میں نے خوشگوار حیرت سے کہا۔

"ہاں !....بس تم جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ۔ بندے کی قوتِ ارادی بھی تو ہوتی ہے"۔ آپی نے نصیحت کرنے والے انداز میں کہا تو میرا دل بھر آیا۔ نہ جانے پاپا کو میرے بارے میں جان کر کتنا دکھ ہوا ہو گا۔ شاید میرا چہرہ اتر گیا تھا۔ اس لیے آپی نے میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔" اپنا منہ ٹھیک کرو۔ لڑکیوں کی طرح آنسو نہ بہانے لگ جانا ۔ وہ تم نے ماہم کے بارے میں پوچھا ہی نہیں"۔

"ہاں !....وہ سلیم بتا رہا تھا کہ غائب ہے۔ کہاں ہے، یہ معلوم نہیں"۔ میں نے اسے بتایا۔

"نہیں !....وہ کہیں غائب نہیں ہوئی وہ سمجھو میرے پاس ہے"۔ آپی نے اطمینان سے کہہ دیا۔

"کیا ....وہ آپ کے پاس "....میں نے حیرت سے پوچھا۔

"یہی دخل اندازی ہے لڑکے....اب سنو !....وہ یہیں مجھے ہسپتال میں ملی، اب میں تو سب کچھ جانتی تھی۔ اس لیے ماہم کے ساتھ میری دو تین طویل ملاقاتیں ہوئیں۔ بہت کچھ طے ہوا اور میں نے اسے سب کچھ سچ سچ بتا دیا کہ تم یہاں پر کیوں آئے ہو"۔ وہ اس اطمینان سے کہتی چلی گئی۔

"سب کچھ.... ؟ "مجھ پر حیرت ٹوٹ پڑی۔

"سانس تو لو ....میں بتا رہی ہونا ....احمقوں کی طرح دیدے پھاڑ رہے ہو۔ سنو "!....یہ کہہ کر آپی نے سانس لیا اور بولی۔" سب کچھ سے مراد یہ نہیں کہ تم سازش کر کے آئے تھے کہ ماہم کو پھنسا کر پھر اس کے باپ تک پہنچو گے۔ نہیں بلکہ سیدھے اسلم چوہدری سے بدلہ ....ماہم کا تو پتہ ہی نہیں تھا کہ وہ کون ہے۔ یہ تو اتفاق ہے کہ ماہم، ابان کی کلاس فیلو بن گئی۔ اس لیے ابان رک گیا کہ براہِ راست اسلم چوہدری کو نشانے پر نہیں لیا، راستے میں ماہم آڑے تھی۔ میں نے کہانی ٹھیک گھڑی تھی"۔

"پھر "!....میں نے پوچھا۔

"پھر کیا !....وہ اپنے باپ سے بے انتہا متنفر ہو گئی۔ اس نے اپنی کچھ باتیں بتائیں، جو بہر حال سچ معلوم ہوتی ہیں۔ میں نے اسے آزمانے اور پرکھنے کے لیے ایک

طریقہ سوچا۔ اسے کہا کہ وہ اپنے باپ سے دور ہو جائے غائب ہو جائے اور وہ ہو گئی"۔ آپی نے سکون سے کہہ دیا۔

"غائب کہاں ہو گئی"۔ میں نے انتہائی تجسس سے پوچھا۔

"اسے فقط اپنے تک محدود رکھنا۔ وہ اس وقت کیمپس میں ہے۔ میری ایک دوست اور کلاس فیلو یہیں ایک ڈیپارٹمنٹ میں پڑھاتی ہے۔ وہ لڑکیوں کے ایک ہوسٹل کی وارڈن بھی ہے۔ ماہم اس کے ساتھ رہ رہی ہے۔ میرے ساتھ رابطہ ہے۔ اب تم ٹھیک ہو۔ تو فون پر اس سے رابطہ رکھنا۔ دنیا کے لیے وہ غائب ہے"۔

"کمال کر دیا آپ نے .... بہت اچھی دخل اندازی ہے"۔میں نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"میرے خیال میں ایک عورت ہونے کے ناطے جو مجھے ماہم کے جذبات و احساسات دکھائی دیتے ہیں، انہیں اگر سو دفعہ بھی پرکھ لیا جائے، ان کا تجزیہ کر لیا جائے تو پھر بھی اس کا نتیجہ ایک ہی آئے گا کہ وہ تم سے شدید محبت کرنے لگی ہے۔ اصل میں اس کے اندر جو محبت کی شدت ہے ۔ اس نے ہمیں حیران کیا ہوا ہے۔ عام حالات میں ایسا ہوتا نہیں۔ اس لیے ہم تذبذب کا شکار ہو گئے ہوئے ہیں"۔

"ایسا کیوں ہوا آپی "میں نے یونہی سوال کر دیا۔ مقصد صرف یہی تھا کہ ماہم کی بات چلتی رہے۔

"اس کی دووجوہات ہیں، جو میری سمجھ میں آتی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ اس کی نگاہ میں آج تک کوئی جچا ہی نہیں تھا۔ تم اسے بے حد پسند آئے ہو تو اپنے سارے جذبات اور احساسات کا مرکز وہ تمہیں بنا بیٹھی ہے۔ ایک لڑکی جب کسی کو اپنا مان لیتی ہے اور اسی کے لیے اپنے اندر محبت کے جذبات پھوٹتے ہوئے محسوس کرتی ہے نا تو پھر وہ اسی کی ہوتی ہے۔ کوئی اور اس کی نگاہ میں جچتا ہی نہیں ہے۔ یہ تو اس کے اندر کی صورتِ حال ہے اور دوسری بات جو میری سمجھ میں آئی ہے وہ یہ ہے کہ تمہارے دوستوں نے تمہیں اس کی وجہ سے چھوڑا، لیکن تم نے اس کے ساتھ وفا کی، تم نے ماہم کے موقف کو درست تسلیم کیا، وہ تمہارے دوستوں پر یہ ثابت کرناچاہتی ہے کہ تم اور ماہم ٹھیک ہو، وہ غلط ہیں"۔ آپی نے تفصیل سے مجھے سمجھاتے ہوئے کہا تو میں نے مزید یقین کی خاطر کہہ دیا۔

"لیکن یہ پھر بھی آپ کا اندازہ ہے"۔ میں نے تو اس کے ساتھ وفا اس لیے کی کہ ماہم نے کہیں بھی مجھے دھوکا نہیں دیا اور نہ ہی کچھ ایسا کیا کہ جس کے باعث مجھے شک ہو"۔

”کوئی بھی دل چیر کر نہیں دکھا سکتا کہ اس میں پڑی ہوئی محبت کتنی ہے۔ یہ تو رویے ہی سے معلوم ہوتا ہے نا۔ اب دیکھو اسے کیا ضرورت پڑی ہے کہ وہ اپنے باپ کو اذیت میں ڈال کر ہوسٹل میں چھپی بیٹھی ہے۔ تمہاری خاطر نا وہ تو تم سے کہتی رہی ہے کہ آئیں نکاح کرلیں۔ ہمیشہ تم نے ہی اسے مجبور کیا کہ نہیں اپنے باپ کو مجبور کروں۔ اس کی طرف سے تو کچھ منع نہیں تھا، وہ تو تیار تھی۔ اپنا آپ سپرد کر دینے کے علاوہ ایک لڑکی کے پاس ہوتا کیا ہے؟“ آپی نے مجھے پھر سمجھایا۔

”آپی !....آپ جانتی ہو کہ میں نے ایسا کیوں کیا۔ محض ماہم کے ساتھ شادی کر لینا اور اس کی وجہ سے اس کے باپ کو بلیک میل کرنا کوئی مردانگی نہیں ہے۔ اصل بات تو یہ ہے کہ اس کا باپ جانتے بوجھتے ہوئے میرے ساتھ اپنی بیٹی کو رخصت کرے۔ میرے پاپا کی زندگی میں جتنے برس بھی اذیت کے ہیں۔ وہ ایک لمحہ جب اسلم چوہدری اپنی بیٹی میرے ساتھ رخصت کرتے ہوئے اذیت محسوس کرتا، وہی حاصل تھا۔ کیونکہ لمحہ اس لامتناہی لمحات کی شروعات ہوتا، جو وہ موت تک محسوس کرتا۔میں جانتا ہوں آپی کہ اس کیمپس میں ماہم کے ساتھ کئی مقامات

ایسے آئے ہیں جہاں میں اس کے ساتھ نکاح کر لیتا اور اس کے باپ کو اس وقت معلوم ہوتا جب میں رچڈل پہنچ جاتا۔ مگر میں نے ایسا نہیں چاہا"۔

"اچھا کیا ہے بھائی !....اسی لیے تو ماہم تیری محبت میں پوری طرح ڈوب گئی ہے۔ جب اسے معلوم ہوا کہ ابان کیوں اس کے باپ سے انتقام لینا چاہتا ہے تو اس سے ماہم کا مان تجھ پر مزید بڑھ گیا ہے"۔ وہ خوشگوار لہجے میں بولیں۔

"اچھا آپ مجھے بتائیں کہ اب مجھے کیا کرنا چاہئے؟ "میں نے حتمی انداز میں پوچھا۔

"تمہیں صرف ٹھیک ہونا ہے۔ صحت مند، جتنی جلدی ہو سکے، اتنی جلدی ....پھر کیا کرنا ہے، کیا ہونا ہے، یہ میں نے سب سوچ لیا ہے، ماہم کے بارے میں صرف تین لوگوں کو معلوم ہے تمہیں مجھے اور میری اس کلاس فیلو وارڈن کو جس کے پاس ماہم ہے۔ اس کے علاوہ کسی کو نہیں پتہ۔ میں یہ دیکھنا چاہتی ہوں کہ اتنے دنوں میں کون، کیا کرتا ہے"۔ اس نے نہ جانے کیا سوچتے ہوئے خود کلامی کے سے انداز میں کہا تو مجھے خیال آیا۔

"اب دیکھیں رچڈل سے کون کون آتا ہے۔ پاپا اکیلے ہی آئیں گے یا ماما کے ساتھ الماس بھی آجائے گی"۔

"میں کیا کہہ سکتی ہوں"۔ آپی نے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا ۔"اور پھر میرے سامنے پڑے برتن اٹھانے لگی۔ اس نے سارے برتن سمیٹ کر ایک طرح سے وہاں ہر شے صاف کر دی، پھر واش روم میں جا کر ہاتھ دھوئے اور فریش ہو کر میرے پاس آن بیٹھی۔

"اوہاں !....مجھے اس کا سیل نمبر دینے کا یاد ہی نہیں رہا"۔ یہ کہتے ہوئے اس نے ایک کاغذ پر مجھے نمبر لکھ دیا اور بولی۔" چاہو تو اس سے بات کر لینا۔ تمہارا سیل ابھی میرے پاس نہیں، میں شام کو لیتی آؤں گی، اس وقت میں چلتی ہوں"۔

"یہ کاغذ کہیں پھینک دیں، ماہم کا نمبر میرے سیل ہی میں محفوظ کر کے مجھے دے دیں"۔ میں نے کافی حد تک جھلاتے ہوئے کہا تو وہ ہنس دی۔ پھر مسکراتے ہوئے بولیں۔

"بہت بے تاب ہو رہے ہو اس سے بات کرنے کے لیے"۔

"ظاہر ہے بے تاب نہیں ہونا چاہئے"۔ میں نے ڈھیٹ پن سے کہا تو وہ مسکراتے ہوئے باہر کی جانب چلی گئیں۔

ان کے جاتے ہی کمرہ یوں ہو لگا جیسے میں ویرانے میں آگیا ہوں۔ میں نے اس وقت کی دوا لے لی تھی سو میں نے چاہا کہ اب لمبی تان کر سو جاؤ، میں آرام کی خاطر آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔

111

رات کا نہ جانے وہ کون ساپہر تھا جب میری آنکھ کھل گئی۔ کمرے میں دھیمی سی روشنی ہو رہی تھی جو کمرے سے باہر برآمدے میں لگے ہوئے بلب کے جلنے سے آرہی تھی۔ میرا بدن پسینے سے شرابور تھا حالانکہ نہ گرمی کا موسم تھا اور نہ ہی میں نے کوئی ایسا بھیانک خواب دیکھا تھا جس کے باعث میں پسینے میں نہا جاتا۔ فوری طور پر میں نہیں سمجھ سکا کہ ایسا کیوں ہوا ہے۔ یہ چونکہ معمول سے ہٹ کر تھا اور اس کی سمجھ بھی نہیں آرہی تھی۔ اس لیے میں نے نرس کو بلانے والی بیل دے دی۔ اگلے چند لمحوں میں نرس میرے پاس تھی۔ اس نے آتے ہی روشنی کر دی۔ پھر خوابیدہ سی آنکھوں کے ساتھ میرا بلڈپریشر دیکھا۔ پھر مختلف سوالوں کے بعد اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”گھبرایئے مت مسٹرابان !....آپ کی حالت نارمل ہے شاید آپ کو دواؤں کے اثر سے پسینہ آگیا۔ اگر آپ کو گرمی لگ رہی ہے تو اے سی چلا دوں“۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں .... شکریہ"۔ میں نے کہا اور دوبارہ لیٹ گیا۔ نرس واپس چلی تو میرا دھیان بٹ گیا۔ اپنے بارے میں سوچتے سوچتے میں ماہم کے بارے میں سوچنے لگا۔ وہ اس وقت مجھے شدت سے یاد آنے لگی۔ تو مجھے پھر سے گھبراہٹ ہونے لگی۔ کہیں میں سچ مچ اس سے محبت تو نہیں کرنے لگا ہوں۔ یہ ڈرامہ کہیں حقیقت کا روپ تو نہیں دھار گیا؟ اس سوال کا جواب خود میری حالت تھی۔ دراصل شام کے بعد جب آپی آئی تو وہ میرا سیل فون بھی ساتھ لے کر آئی تھیں۔ اس میں ماہم کا نمبر محفوظ تھا۔ میں نے اس وقت تو بات کرنا مناسب نہ سمجھا اور بعد میں جب آپی اور فروا واپس گئیں تو مجھے یاد نہ رہا اور میں دواؤں کے اثر سو گیا تھا۔ شاید یہ لاشعور کی کارستانی تھی کہ جس نے مجھے اپنے طریقے سے یاد دلادیا۔

میں ماہم کو سوچنے لگا۔ میرا دل چاہا کہ اس سے بات کروں، لیکن اس سے بات کرنے کی خواہش پر یہ سوال فوقیت لے گیا کہ کیا میں حقیقت میں اس سے محبت کرنے لگا ہوں۔ کیا یہ ماہم کی محبت کی شدت کا اثر ہے کہ میں بھی اس کی لپیٹ میں آگیا۔ میرے اندر تو انتقام کی آگ بھڑک رہی تھی اور میں اس آگ کو لے کر ان کے سارے خواب مسمار کر دینا چاہتا تھا۔ ماہم تو میرے لیے ایک راستہ

تھی، جس پر چل کر میں نے اسلم چوہدری تک پہنچنا تھا اور وہ میں پہنچ گیا تھا۔ کیا میں راستے کے حسن میں کھو کر رہ جاؤں گا اور جس مقصد کے لیے میں یہاں آیا ہوں، وہ کہیں بہت پیچھے رہ جائے گا، اگر ماہم مجھ سے یہ مطالبہ کر دیتی ہے کہ میں اس کے باپ کو معاف کردوں تو کیا میں ایسا کرلوں گا۔ کیا وہ چاہے گی کہ میں اس کے باپ کو نقصان پہنچا دوں۔ کہیں اس نے آپی کی بات اس لیے تو نہیں مان لی کہ میرے اور اسلم چوہدری کے درمیان ایک ریشمی دیوار بن جائے ، جسے میں چاہوں بھی تو گرانہ پاؤں۔ خیالات تھے کہ امنڈتے چلے آرہے تھے اور میں اپنے آپ میں شرمندگی کی اتھاہ گہرائیوں میں گرتا چلا جارہا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ اب تک محض کھیل تماشے میں وقت گزرا تھا لیکن اب جو وقت آنے والا تھا، وہ میرے لیے بہت کٹھن، صبر آزما اور مشکل تھا۔ میرے دائیں جانب اگر محبت کی ٹھنڈک تھی تو بائیں جانب انتقام کی سلگتی ہوئی آگ تھی۔ یہی سوچتے ہوئے ایک خیال میرے دماغ میں سرائیت کر گیا کہ کیا میں نے ماہم کی محبت کو قبول کر لیا ہے کہ میں اس محبت کی ٹھنڈک محسوس کر رہا ہوں؟ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ میری زندگی کے کمزور ترین لمحات تھے، جب میں کوئی فیصلہ کرنے یا پھر فیصلے کو قبول کرنے میں پس و پیش کر رہا تھا۔ ماہم کی محبت میں شک اب بھی لپٹا ہوا تھا جسے

میں یکسر نظر انداز میں کر سکتا تھا۔ میں نہ جانے کب تک سوچتا رہا تھا اور کب نیند نے مجھے اپنی بانہوں میں لے کر ہلکورے دینا شروع کر دیئے تھے۔ مجھے پتہ ہی نہیں چلا اور میں خود سے غافل ہو گیا۔ خیالات کے تانے بانے یونہی الجھے ہوئے رہ گئے۔

جس وقت میری آنکھ کھلی، اس وقت کمرے میں اجالا تھا۔ فروا میرے قریب بیٹھی ہوئی تھی اور فرح آپی حسب معمول کھانے پینے کے برتنوں میں الجھی ہوئی تھی۔ اس نے میری طرف دیکھے بغیر فروا سے پوچھا۔

"یہ عاشق نامدار ابھی جاگا ہے کہ نہیں، نہیں جاگا تو اسے جگاؤ تاکہ کچھ کھاپی لے ....پھر میڈیسن کا وقت ہو جانا ہے"۔

"یہ جاگ گئے ہیں اور اُلو کی طرح دیدے پھاڑ کر آپ کی طرف دیکھ رہے ہیں"۔ فروا نے دھیمے لہجے میں ہانک لگائی تو آپی نے پلٹے بغیر اسی نارمل لہجے میں کہا۔

"اُلو مت کہو ....ورنہ اُلو برا مان جائیں گے ....ابان !....بھئی اٹھو اور منہ ہاتھ دھولو"۔

"کیا میں اٹھ سکوں گا؟ "میں نے ہلکے سے خود کلامی کے انداز میں کہا تو آپی پلٹ کر میرے قریب آگئی اور تقریباً ڈانٹ دینے والے انداز میں کہا۔

"خدا کے لیے سیریس قسم کے مریض بننے کی ناکام کوشش مت کرو۔ ہلو جلو گے تو قوت پکڑو گے۔ اٹھو، چلو میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ"۔

"نہیں آپی، میں چلا جاؤں گا"۔ میں نے اٹھتے ہوئے کہا تو فروا خوشگوار لہجے میں ہنستے ہوئے بولی۔

"لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے"۔

میں نے اس کے تبصرہ پر کچھ نہ کہا اور واش روم چلا گیا۔ جب تک میں واپس آیا تو آپی نے ناشتہ بیڈ پر سجا دیا تھا۔

"یہ فروا تو ناشتہ کر چکی ہے۔ میں نے کرنا ہے۔ آؤ جلدی سے بڑی بھوک لگی ہے"۔ آپی نے کہا تو ہم دونوں کھانے لگے۔ اس دوران آپی نے پوچھا۔

"تو پھر رات کتنی دیر تک ماہم سے باتیں چلیں؟"

"اچھا، تو اس لیے آپ مجھے عاشق نامدار کہہ رہی تھیں"۔ میں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تو اور کیا ....جو بندہ دن چڑھے تک غافلوں کی طرح سوتا رہے ، ظاہر ہے وہ ...."آپی نے جان بوجھ کر فقرہ ادھورا چھوڑ دیا۔

"ضروری نہیں کہ وہ باتیں ہی کرے۔ میں نے ماہم کے ساتھ کوئی بات نہیں کی"۔

”کیوں....؟“ وہ حیرت سے بولیں تو میں نے صاف گوئی سے کہا۔

”میں دراصل کچھ اور ہی سوچتا رہا۔ اس سے پہلے کہ ماہم کی محبت میری راہ میں حائل ہو جائے، میں اس سے بچ کر اپنا مقصد حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ اب جبکہ ساری بات کھل گئی ہے، اسلم چوہدری میرے مدِمقابل آگیا ہے، تو اب کس چیز کی پرواہ، میں اسلم کو اس حد تک زچ کر دوں گا کہ“....

”غلط ٹریک پر چل پڑے ہو بھائی !....ماہم تمہارے راستے میں حائل نہیں ہے، میں یہ دعویٰ سے کہتی ہوں“۔ آپی نے گہری سنجیدگی سے کہا تو میں اسے سمجھاتے ہوئے بولا۔

”آپی !....اختلافات جس قدر بھی ہوں۔ خون آخر خون ہوتا ہے۔ وہ اپنے باپ کو اپنے ہی سامنے مرتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔ شاید آپ اسے نہیں سمجھی ہو۔ میں نے بہت غور کیا ہے۔ وہ کوئی سیدھی سادی لڑکی نہیں ہے، میں اس کی محبت سے بھی انکار نہیں کرتا، لیکن یہ بات میرے دماغ میں نہیں اترتی کہ وہ اسلم چوہدری سے انتقام لینے کے لیے میرا ساتھ دے گی یا پھر کم از کم میری راہ میں حائل نہیں ہو گی“۔

”تم ٹھیک کہتے ہو ابان .... لیکن میرا وجدان مجھے دھوکا نہیں دے سکتا۔ وہ جو کچھ کر رہی ہے۔ اس سے تو میں کہہ سکتی ہوں کہ وہ تمہاری راہ میں حائل نہیں ہو گی ....اور ہو سکتا وہ تمہاری مدد کر رہی ہے۔ اس وقت اسلم چوہدری اس کی تلاش میں زمین آسمان ایک کیے ہوئے ہے۔ وہ یہاں آنے اور تم سے ملنے کے لیے تڑپ رہی تھی، مگر میں نے اسے یہاں نہیں آنے دیا۔ ممکن ہے اس کا کوئی بندہ یہاں نگرانی کر رہا ہو“۔

”وہ تو اس کے سیل فون سے معلوم ہو جائے گا کہ وہ اس وقت کہاں ہے“۔ میں نے اس کی توجہ مبذول کرائی تو وہ بولی۔

”بھائی !....شاید تم نے غور نہیں کیا، نہ صرف اس کا سیل بلکہ اس کا نمبر بھی بدلا ہوا ہے۔ یہ بات میرے ذہن میں سب سے پہلے تھی۔ خیر !....تم اس سے بات کر لو“۔

”وہ کیوں نہیں کر سکی۔ وہ کر لیتی“۔ میں نے ایک خیال کے تحت کہا۔

”میں نے منع کیا تھا کہ جب تک ابان تم سے رابطہ نہ کرے۔ تم نے نہیں کرنا۔ یہ ایک طرح اس کا ٹسٹ ہے اور دیکھو اس نے تمہیں کال نہیں کی۔ چاہے اس کے دل میں کتنی خواہش ہے“۔ آپی نے مان سے کہا۔

”اوکے !....میں کرلوں گا اسے کال“۔ میں سکون سے بولا۔

”اور بن جاؤں گا ، عاشق نامدار “....فروا نے دھیرے سے کہا تو میں ہنس دیا۔

”اب ایسا بھی عاشق نہیں ہے میرا بھائی۔ تم اپنی چونج بند رکھو“۔ آپی نے تیزی سے کہا۔ اس سے پہلے کہ فروا کوئی جواب دیتی ، دروازے پر دستک ہوتی اور پھر سلیم کا چہرہ مجھے دکھائی دیا۔

”آجاؤ سلیم “....آپی نے تیزی سے کہا تو وہ اندر آ کر ایک طرف کھڑا ہو گیا اور میری طرف دیکھ کر بولا۔

”کیسے ہو آپ....؟“

”میں ٹھیک ہوں تم سنا ....ؤ سبزہ زار کیسا ہے۔جندوڈا“....

”سب ٹھیک ہے سر، اور آپ کو بہت یاد کر رہے ہیں“۔ اس نے دھیمے سے لہجے میں کہا۔ پھر کافی حد تک جھجکتے ہوئے بولا۔” میں سر باہر ہوں۔ پھر آجاتا ہوں“۔

”نہیں اگر تم کوئی بات کرنا چاہتے ہو تو کہو“۔ آپی نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”فرح بی بی ، بات تو ایسی کوئی نہیں ہے۔ وہ اسد کا فون آیا تھا مجھے .... وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے“۔

”تو مل لینا تھا“۔ میں نے تیزی سے کہا۔

”میں بس وہی پوچھنے آیا تھا، باقی پیر بخش سے میری تفصیلی بات ہوئی ہے۔ بس وہ آپ کا انتظار کر رہا ہے“۔

”وہ کون ہے اور کیوں....؟“آپی نے پوچھا تو سلیم نے اختصار سے پیر بخش کے بارے میںبتا دیا اور پھرکیوں کا جواب دیتے ہوئے بولا۔” اصل میں کیمپس پر کاشف وغیرہ کی گرفت کم از کم ہمارے لیے اچھی ثابت نہیں ہوئی۔ وہ دوسرا گروپ جس نے مذہبی جماعت کا لیبل لگا رکھا ہے۔ اندر سے تو وہ بھی کاشف وغیرہ کی طرح ہیں، سوچ یہ کہ ان دونوں کو آپس میں لڑوا کر کسی تیسرے کو آنے کا راستہ دیا جائے“۔

”یہ طویل راستہ ہے سلیم ....تم لوگوں نے جو ٹریک چنا ہے ہمیں اس کا کیا فائدہ۔ تم اسد سے ملاقات کر کے دیکھو۔ پھر میں تمہیں بتاؤں گا کہ کیا کرنا ہے۔ اس کی سنو وہ کیا کہتا ہے“۔ میں پُر سکون انداز میں کہا۔

”ٹھیک ہے سر، میں ابھی اسے فون کر کے کہیں بلوا لیتا ہوں۔ پھر جو ہو گا وہ شام تک معلوم ہو جائے گا“۔ سلیم نے حتمی لہجے میں کیا اور سلام کر کے چلا گیا۔ تو میں فرح آپی کی طرف دیکھ کر کہا۔

”آپی ....آپ بھی یوں اکیلی یہاں نہ آیا کریں۔ دشمن کا کوئی پتہ نہیں کہ وہ کب“....

”دشمن کی ایسی کی تیسی .... میری ایک گاڑی کے ساتھ پانچ گاڑیاں مزید ہوتی ہیں اور اس سے بھی دو گنا بندے یہاں اردگرد تعینات ہیں ۔ بھائی !....ہم کوئی لاوارث تو نہیں کہ کوئی اٹھے اور ہماری طرف انگلی اٹھا سکے۔ میں تو اس کی انگلی کاٹ دوں“۔آپی نے دانت پیستے ہوئے کہا۔” خیر !.... میں اب چلتی ہوں، اسد جو بات بھی کرے اور اس پر کوئی بھی فیصلہ دینے سے پہلے ایک بار مجھ سے بات ضرور کر لینا۔ میں کیمپس میں کچھ اور ہی گیم چلا رہی ہوں“۔

”گیم ؟“میں نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں گیم !....میں اس کی تمہیں تفصیل بتاؤں گی، لیکن رات کو ....تم ماہم سے بات کر لینا۔ اس سے متنفر ہونے کی ضرورت نہیں“۔

”ٹھیک ہے ....کر لوں گا بات“....میں نے کہا تو فروا اٹھ گئی، دونوں نے میری طرف دیکھا الوداعی ہاتھ ملایا اور باہر چلی گئیں اور میں پھر سے کمرے میں تنہا ہو گیا۔ کچھ دیر بعد میں نے سیل فون اٹھا کر ماہم کا نمبر دیکھا تو اس میں پرانے نمبر کے ساتھ ماہم نیو کے نام سے اس کا نمبر محفوظ تھا، میں نے اسے پش کر دیا، کچھ

دیر بیل جاتی رہی، پھر فون پک کر لیا گیا اور ماہم کی گھبرائی ہوئی حیرت زدہ پُراشتیاق آواز سنائی دی۔

"بہت دیر کی مہربان آتے آتے"....

"کیسی ہو....؟"میں نے پوچھا۔

"میں بالکل ٹھیک ہوں ....بقولِ فرح آپی ....میں زیر زمین ہوں .... آپ کے فون کے انتظار کے سوا میرے پاس کوئی کام نہیں ہے اور نہ کوئی ٹینشن ہے"۔

"مطلب مزے میں ہو "....میں نے یونہی کہہ دیا۔

"بالکل !.... یہ قید میں نے خود اپنی مرضی سے قبول کی ہے"۔ اس نے کافی حد تک شوخ لہجے میں کہا۔

"اردگرد کی کوئی خبر نہیں رکھتی ہو "....میں نے پوچھا تو اس نے بتایا۔

"وہ ساری خبریں جو میرے اور آپ کے متعلق ہیں۔ ان سب سے آگاہ ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ پاپا اور زریاب انکل کی آپس میں ٹھن چکی ہے۔ پاپا کی طرف سے شدت اس لیے نہیں ہے کہ وہ میرے بارے میں معلوم کرنا چاہتے ہیں اور پھر اس کے بعد ہی کوئی شدت والا عمل ہو گا .... آپی کا یہ فیصلہ بہت اچھا ہے کہ

میں چند دن ”زیر زمین “۔چلی جاؤں۔ اس سے کم از کم یہ فائدہ ہے کہ آپ کے ٹھیک ہو جانے تک کی مہلت مل جائے گی“۔

”اور کیمپس کے اندر....؟ “میں نے پوچھا تو وہ کہنے لگی۔

”خاموشی ہے ....اسد بے چارہ اب کاشف کی بلیک میلنگ میں آگیا ہوا ہے۔ یہاں تو وہ تنہا ہی ہے نا....پہلے اسے آپ کا سہارا تھا۔ اب اسے ایک طرف کونے میں لگا کر بے دست و پا کر رہے ہیں اور میرا خیال ہے کہ یوں آہستہ آہستہ اسے اپنے گروپ میں سے نکل پھینکیں گے۔ رابعہ بے چاری تو اس کے ساتھ ہو گی۔ جہاں وہ ہو گا۔ رہی تنویر کی بات تو آپ کو معلوم ہے۔ جدھر پلڑا بھاری دیکھا یہ لڑھک کر اُدھرہو جاتا ہے۔ اصل میں کاشف اور اس کی پشت پر جو سیاسی قوت تیزی سے کیمپس پر گرفت چاہ رہے ہیں۔ یہ تم پر حملہ ہونے کی وجہ سے پولیس یہاں انوالو ہوئی ہے تو چند دن سکون ہو گیا ہے .... ورنہ ....وہ اپنے ہر مخالف کو کیمپس چھوڑ جانے پر مجبور کررہا ہے۔ اس لیے انہیں جوبس کرنا پڑے“۔

”تم تو خاصی باخبر ہو“۔

”دراصل رخشندہ میرے رابطے میں ہے۔ میں ایک دوسرے فون سے اس کے ساتھ رابطے میں ہوں“۔

"رخشندہ تو"..... میں نے کہنا چاہا تو وہ میری بات کاٹ کر بولی۔

"وہ کاشف گروپ کی تھی، لیکن اسے بھی دکھایا کچھ تھا اور اب کر کچھ رہے ہیں۔ وہ بہت ذہین لڑکی ہے۔ فوری طور پر اس نے خود کو چھپا لیا۔ وہ ان کے ساتھ تو ہے، لیکن ان سے متنفر ہے۔ جو کچھ کاشف کرنے جارہا ہے نا وہ اسے قطعاً پسند نہیں"۔

"یہ کاشف کر کیا رہا ہے۔ اسے نہیں معلوم کہ دھیرے دھیرے اس کے دوست اس سے الگ ہو رہے ہیں؟"میں نے تبصرہ کیا۔

"وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہا ہے۔ جیسے جیسے وہ قوت پکڑ رہا ہے۔ اس کے ساتھ نئے نئے لوگ شامل ہوتے چلے جارہے ہیں۔ پرانے تو اپنی بات منوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس کی برابری کرتے ہیں۔ نئے لوگوں پر تو وہ حکم چلاتا ہے وہ اس کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں ہیں"۔

"ہاں !.....تم ٹھیک کہتی ہو۔ خیر !.....تم خوش ہونا یہاں میڈم کے پاس"۔

"پنجرہ چاہے سونے کا ہو۔ قید تو پھر قید ہوتی ہے۔ میں پاپا سے الگ رہنا چاہتی تھی۔ یہ اچھا ہو گیا کہ میں یہاں ہوں۔ ورنہ میں اب تک کچھ نہ کچھ کر بیٹھتی"۔

”آپی نے تمہیں سب کچھ بتا دیا۔ اس پر تم “....میں نے کہنا چاہا مگر اس نے میری بات کاٹی اور کہتی چلی گئی۔

”ابان !....پہلے پہلے جب آپ میرے ساتھ شادی کی بات کر کے، وعدہ کر کے عین وقت پر پھر جاتے تھے نا ....تو مجھے بہت دکھ ہوتا تھا۔ تب احساس ہوتا تھا کہ درمیان میں کوئی ایسی بات ہے جو آپ چھپا رہے ہو، لیکن کیا ....اس کا مجھے اندازہ نہیں تھا۔ میں سمجھ رہی تھی کہ آپ بھی عام لڑکوں کی طرح مجھ سے فلرٹ کررہے ہو ، لیکن جب مجھے فرح آپی سے اصل حقیقت معلوم ہوئی تو میری نگاہ میں آپ کی عزت اور بڑھ گئی۔ آپ چاہتے تو اپنے پیار کے جال میں پھنسا کر بہت کچھ کر سکتے تھے۔ میں مانتی ہوں کہ آپ کو بہت سارے مواقع ملے، کچھ میں نے دیئے، لیکن آپ نے اس کا فائدہ نہیں اٹھایا۔ میں جتنا بھی سوچتی ہوں۔ آپ کی قدر میری نگاہ میں اتنی ہی بڑھ جاتی ہے“۔

”ماہم، جن سے محبت کی جاتی ہے نا ....انہیں دھوکا نہیں دیا جاتا، یہ مسلکِ محبت کے خلاف ہے۔ انجانے ہی میں سہی، مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے، میں اس کا اعتراف کرتا ہوں، لیکن میں جس مقصد کے لیے یہاں آیا ہوں۔ اس پر بھی کوئی

سمجھوتہ نہیں کر سکتا۔ میں بس اس میں پھنسا ہوا ہوں"۔ میں نے صاف گوئی سے کہا۔

"میں آپ کی مجبوری نہیں بنوں گی۔ ہاں، میں پاپا کو قائل ضرور کروں گی کہ وہ مجھے آپ کے ساتھ شادی کی اجازت دے دیں۔ اس کے بعد اگر وہ اجازت دے دیتے ہیں، آپ کی اہمیت کومان جاتے ہیں تو میں آپ سے درخواست کرنے کا حق رکھتی ہوں۔ ورنہ نہیں "!وہ بھی صاف گوئی سے بولی۔

"میں اسی لیے تذبذب میں رہا۔ ورنہ میرے پاس بہت شارٹ کٹ راستہ تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ یہاں آتے ہی میرا گروپ بن گیا تھا اور میں اس گروپ کو بہت اچھی طرح استعمال کر سکتا تھا۔ اب بھی صرف اس گروپ کے ساتھ سمجھوتہ کرنے کی دیر ہے جو پہلے ہی تمہارے پاپا کے خلاف ہے"۔

"ابان !....میں کہہ سکتی ہو ں کہ ساری دنیا کو ایک طرف چھوڑیں، جو ہونا تھا، وہ ہو چکا، ہم دونوں ایک ہو جائیں اور ایک نئ زندگی کا آغاز کریں۔ پُرامن .... پُرسکون۔ جس میں نفرتوں کا شائبہ تک نہ ہو"۔ وہ گہرے انداز میں بولی۔

”مگر ہم اپنوں سے الگ نہیں رہ سکتے، میں اپنے پاپا کو کیا جواب دوں گا۔ جن کے سامنے میں نے بلند بانگ دعوے کیے اور یہاں آ کر ....کچھ بھی نہ کرسکا۔ مجھے بھی تو بتاؤ، میں کیا کروں“۔ میں نے بھی پوری سنجیدگی سے کہا۔

”ہم اسے وقت پر چھوڑ دیتے ہیں۔ وقت ہمارے دامن میں کیا ڈالتا ہے۔ تاہم ہمارے درمیان یہ تعلق اتنا ہی مضبوط رہنا چاہیئے۔ کچھ بھی ہو جائے۔ شک اور بدگمانی ہمارے درمیان میں نہیں آئے“۔ وہ یوں بولی جیسے اس کی آواز بہت دور سے آرہی ہو۔

”چلو، میں مان لیتا ہوں۔ ہم اپنی قسمت وقت پر چھوڑ دیتے ہیں“۔ میں نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔ پھر اس کے بعد ہم کافی دیر تک کیمپس میں ہونے والی سیاست، اپنے اردگرد لوگوں کے رویے اور ماحول کے بارے میں بات کرتے رہے یہاں تک کہ دوپہر ہونے کو آگئی اور ہم نے اطمینان بھری تشنگی کے ساتھ فون بند کر دیا۔

شام سے ذرا پہلے سلیم کا فون آگیا کہ اس کی اسد سے ملاقات ہو گئی ہے۔ ان کے درمیان ہونے والی ساری باتوں کا لب لباب یہی تھا جو مجھے پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا۔ سلیم نے دانش مندی یہ کی تھی کہ اس نے اسد کو اپنے ساتھ رابطہ رکھنے کو

کہہ دیا تھا۔ بظاہر تو سلیم سے اسد نے اس لیے رابطہ کیا تھا کہ میرے بارے میں جان سکے۔ درحقیقت اسے احساس ہو گیا تھا کہ وہ کس دلدلِ میں جا پھنسا تھا۔ اسد کے ساتھ کوئی نئ یا انوکھی بات نہیں ہوئی تھی۔ کسی بھی گروہ میں جب کوئی بندہ شامل ہو تا ہے وہ اپنی ہی کسی مجبوری کے تحت شامل ہوتا ہے، لیکن وقت کے ساتھ ساتھ وہ محکومیت کی اَن دیکھی زنجیروں میں جکڑتا چلا جاتا ہے۔ اسے احساس اس وقت ہوتا ہے جب وہ واپسی چاہتا ہے یا پھر اپنی مرضی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پھر اس کے بعد فقط دو راستے رہ جاتے ہیں۔ یا تو بغاوت کر کے اپنا آپ ختم کر لے یا پھر ان کو مٹا کر اپنی حاکمیت قائم کرلے۔ اسد کے پاس جذبات تھے۔ حوصلہ تھا اور جرأت بھی تھی لیکن اس کی پشت پر کوئی نہیں تھا۔ نہ کوئی سیاسی خاندان اور نہ ہی کوئی ایسا مضبوط ہاتھ جو اسے سہارا دے سکے۔ وہ ڈانوں ڈول ہو گیا تھا۔ یہی وہ وقت تھا کہ اسے سنبھال لیا جائے۔ کاشف نے اسے میرے خلاف استعمال کرنا چاہا تھا، لیکن وہ نہ ہو سکا۔ اب یہ ہتھیار میں نے استعمال کرنا تھا، یہ کیسے ہوتا اس کی مجھے سمجھ نہیں تھی۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔

www.pakistanipoint.com

اس شام آسمان پر گہرے سرمئی بادل چھائے ہوئے تھے۔ پاپا، ماما اور الماس پاکستان پہنچنے والے تھے۔ جبکہ میں ہسپتال کے کاریڈور میں بیساکھی کے سہارے کھڑا تھا۔ میرا دل بہت زیادہ تنگ تھا۔ رونے کو بہت جی چاہا رہا تھا۔ میرے ذہن میں صرف اور صرف یہی خیال آرہا تھا کہ مجھے اس حالت میں دیکھ کر پاپا اور ماما کیا محسوس کریں گے۔ بلاشبہ میری اس حالت کا وہ خود کو ذمہ دار ٹھہرائیں گے ، میرے پاکستان آنے کی اجازت دینے پر خود کو کوسیں گے۔ شرمندگی محسوس کریں گے اور ممکن ہے مجھے میرے مقصد کو ادھورا چھوڑ دینے پر مجبور کر دیں۔ میں اگر تندرست ہوتا تو نازک ترین لمحات نہیں آنے تھے۔ میں نے خود پر ایک نگاہ ڈالی تو مجھے وہ بیساکھیاں بہت بری محسوس ہوئیں۔ میں نے ایک دم سے انہیں خود سے الگ کر دیا۔ اس وقت میں خود پر حیران رہ گیا جب میں خود چل کر اپنے بیڈ تک جا پہنچا، شاید لاشعوری طور پر میں نے خود کو کچھ زیادہ ہی بیمار محسوس کرلیا تھا۔ نہ جانے اس وقت میرے اندر کیسے جذبات تھے۔ میں بیڈ سے اٹھا اور پھر چند قدم چل کر کاریڈور میں آگیا۔ کچھ دیر بعد مجھے یقین ہو گیا کہ میں کسی بھی سہارے کے بغیر اپنے قدموں پر چل سکتا ہوں۔ میں نے فون اٹھایا اور سب سے پہلے یہ مژدہ فرح آپی کو سنایا۔

"دیکھو تم جھوٹ تو نہیں بول رہے ہو میرے ساتھ"۔

"آپ خود آ کر دیکھ لو "....میں نے وضاحت کرنے کی بجائے انہیں پیشکش کر دی۔

"اوکے !....میں آرہی ہوں۔ اگر جھوٹ ہوا تو بہت ماروں گی"۔ انہوں نے خوشی سے لبریز لہجے میں مصنوعی خفگی سے کہا۔

"میں انتظار کر رہا ہوں"۔ میں نے مزید کچھ کہنے کی بجائے فون بند کر دیا۔

تقریباً ایک گھنٹے میں فرح آپی کے ساتھ فروا، ابان اور زریاب انکل آگئے۔ انہیں ایک ساتھ دیکھ کر مجھے بے انتہا خوشی ہوئی۔ ان لمحات میں مجھے لگا کہ جیسے میں تنہا نہیں ہوں۔

"بھائی ، یہ کیسے ہو گیا"۔ فروا نے پوچھا تو زریاب انکل نے ہلکے سے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وِل پاور بیٹا، اور جہاں تک مجھے گمان ہے اس نے اپنے پاپا کے بارے میں سوچا ہو گا؟"

"آپ ٹھیک کہتے ہیں انکل ....میں نے انہی کے بارے میں سوچا تھا۔ وہ مجھے دیکھ کر کیا سوچیں گے"۔ میں نے بے بسی سے کہا۔

"کچھ بھی نہیں سوچنا انہوں نے ....میں نے انہیں پہلے ہی ہر بات بتا دی ہے اور تقریباً روزانہ ان سے بات ہوتی ہے اور تمہارے بارے میں ایک ایک بات انہیں معلوم ہے۔ اس لیے تو آج کل وہ تم سے بات نہیں کر رہے کہ تم کچھ زیادہ ہی محسوس نہ کرو"۔ زریاب انکل نے مجھے تفصیل سے بتایا تو میں کچھ دیر تک ان کے چہرے کی طرف دیکھتا رہا۔ تب انہوں نے نہایت شفقت سے مجھے کہا۔

"اچھا تم ایسا کرو، اب یہاں سے چلنے کی تیاری کرو، میں نے ہسپتال والوں سے بات کرلی ہے، وہ تمہیں ڈسچارج کر دیں گے"۔

"میں سلیم کو بلا لیتا ہوں، وہ یہ سارا سامان لے جائے گا"۔

"میں نے اسے کال کر دی ہے، وہ آتا ہی ہو گا"۔ زریاب انکل نے کہا تو میں نے اپنی کچھ مخصوص چیزیں اٹھالیں۔ اتنے میں وہاں سلیم آگیا۔ میں اپنے قدموں پر چلتا ہوا گاڑی میں جا بیٹھا۔ جب ڈرائیور نے گاڑی بڑھائی تو زریاب انکل بولے۔

"اب فرح !....تم اپنے بھائی کی جتنی خدمت چاہے کر لینا۔ اب یہ ہمارے ساتھ ہی رہے گا"۔

"نہیں انکل !....ابھی میں کچھ دنوں تک سبزہ زار ہی میں رہوں گا۔ جب تک کہ میرا مقصد پورا نہیں ہو جاتا"۔ میں نے تیزی سے کہا۔

"نہیں بھائی !....اب سکیورٹی کا خدشہ زیادہ ہے"۔ فروا نے جلدی سے کہا۔

"سبزہ زار اب محفوظ جگہ نہیں رہی"۔ ابان نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

"اور انکل آنٹی اور الماس بھی تو ادھر ہمارے پاس ہوں گے"۔ فروا نے بتایا۔

"میں وہاں آپ کے پاس روزانہ آجایا کروں گا، لیکن میں رہوں گا سبزہ زار ہی میں"۔ میں اپنی بات پر اَڑ گیا۔

"ٹھیک ہے، تم وہیں رہنا"۔ زریاب انکل نے کہا تو پھر خاموشی چھا گئی۔ کوئی بھی اس موضوع پر نہیں بولا۔ یہاں تک کہ ہم گھر تک آن پہنچے۔ جہاں آنٹی نے بالکل ماؤں کے سے انداز میں مجھے خوش آمدید کہا۔ جس سے مجھے بڑا سکون ملا۔ شام ڈھلتے ہی ہم سب تین گاڑیوں میں ائیر پورٹ کی طرف روانہ ہو گئے۔ یہ جو چند مہینے میں نے اپنے والدین سے دور رہ کر گزارے تھے، یہ دور مجھے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے بہت طویل مدت ہو۔ میں جذباتی لمحات کے زیر اثر ائیرپورٹ کی طرف جارہا تھا اور میرے ساتھ زریاب انکل کی فیملی تھی۔ اس وقت شہر کے برقی قمقمے جگمگا اٹھے تھے جب ہم ائیر پورٹ پہنچے۔ جہاز اس وقت تک لینڈ کر چکا تھا۔ کچھ دیر ہی انتظار میں گزرے ہوں گے کہ پاپا کے ساتھ ماما اورالماس آتے ہوئے دکھائی دیئے۔ وہ بے تابی سے اِدھر اُدھر دیکھ رہے تھے اور میں نے واضح طور پر

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

محسوس کیا تھا جیسے ہی ان کی نگاہ مجھ پر پڑی ایک خوشگوار حیرت ان کے چہروں پر پھیل گئی۔ نہ جانے انہوں نے میرے بارے میں کیا سوچا ہو گا۔

تاہم تندرست حالت میں ائیر پورٹ پر ان کا منتظر کھڑا دیکھ کر انہیں جو اطمینان ملا ہو گا، میں اس کا بخوبی احساس کر سکتا تھا۔ ملنے ملانے کا وہ جذباتی منظر دیدنی تھا۔ ہم وہاں سامان آجانے تک ٹھہرے اور پھر گھر کی طرف چل پڑے۔

پُرتکلف ڈنر کے بعد باتوں کا سلسلہ دراز ہو گیا۔ الماس میرے ساتھ ہی جڑ کر بیٹھی ہوئی تھی اور گاہے بگاہے کوئی نہ کوئی سوال کرلیتی ہے۔ زریاب انکل نے پوری تفصیل سے یہاں کے حالات انہیں بتائے۔ جب وہ سارا کچھ بتا چکے تو میں نے کہا۔

”پاپا !....آپ صبح تیار رہیں، ہم دادا اور دادی کی قبروں پر چلیں گے“۔

میرے یوں کہنے پر انہوں نے چونک کر میری جانب دیکھ اور پھر لرزتی ہوئی آواز میں بولے۔

”کیسا ہے وہاں پر ماحول؟“

”وہ گاؤں تو اسلم چوہدری کا ہے، لیکن بات اتنی بھی گئی گزری نہیں کہ ہم وہاں تک نہ جا سکیں“۔ میں نے انہیں اطمینا دلایا۔

"لیکن بیٹا !....جس طرح کہ میں ماہم کے بارے میں سن رہا ہوں اور اسلم چوہدری کو تمہارے بارے میں معلوم ہو چکا ہے، تو وہ وہاں پر تمہیں اور ہم سب کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرے گا ....اور"....

"کچھ نہیں ہو گا، میں نے ان دنوں میں یہی تو بندوبست کیا ہے۔ مجھے آپ کی خواہش کا احترام ہے پاپا۔ آپ یہاں آئیں اور فوراً ہی اپنے والدین کی آخری آرام گاہ پر نہ جا سکیں۔ تو پھر میرے یہاں آنے کا مقصد کیا ہوا"۔

"اوکے !....تم مجھے تیار پاؤ گے"۔ پاپا نے جذبات سے بھرے جرائت مند لہجے میں کہا تو میری روح تک میں سکون اتر گیا۔

"آپ آرام کریں، میں صبح یہاں آپ کو لینے آجاؤں گا"۔ میں نے اٹھتے ہوتے کہا تو ماما نے فوراً پوچھا۔

"تم کہاں چلے؟"

"جانے دے اسے ....یہ سبزہ زار جارہا ہے"۔ لپپا نے کہا تو ماما نے شاکی نگاہوں سے مجھے دیکھا۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں انہیں سمجھانے کی کامیاب کوشش کی اور وہاں پلٹ کر سبزہ زار پہنچ گیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

میری توقع کے عین مطابق اسد اور رابعہ ڈرائنگ روم میں بیٹھے میرا انتظار کرے تھے۔ میں نے ہسپتال سے نکلتے ہی ایک پلان بنا لیا تھا اور پھر اس کے مطابق عمل کرنا چاہتا تھا۔ سلیم کے ذریعے میں نے اسد کو سبزہ زار بلوالیا تھا۔ وہ مجھے دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے۔ ان کے انداز میں شرمندگی کا عنصر بہت زیادہ غالب تھا۔ میں نے خاموشی سے ہاتھ ملایا اور اس کے سامنے والی نشست پر بیٹھ گیا۔ وہ بھی خاموش تھا جسے بات کرنے کے لیے اس کے پاس فقط موجود نہ ہوں۔ تبھی رابعہ نے کہا۔

"ابان !....اسد کو نہیں معلوم تھا کہ اس کاشف کا ٹریک کیا ہے اور اصل میں وہ چاہتا کیا ہے۔ اس نے پھر ماحول ہی کچھ ایسا بنا دیا تھا کہ "....وہ جھجکتے ہوئے کہہ رہی تھی کہ میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"جو کچھ ہوا وہ ماضی کا حصہ ہے۔ اسے بھول جاؤ سوائے اس بات کے کہ ہم دوست ہیں۔ پرانی باتیں دہرانے کی ہمیں قطعاً ضرورت نہیں ہے"۔

"مجھے سمجھ نہیں آئی کہ"۔ اسد نے کہنا چاہا تو میں نے اسے بھی ٹوکتے ہوئے کہا۔

"دیکھو اسد!....یہ کاشف جیسے لوگ اپنا کوئی مقصد نہیں رکھتے۔ ایک طاقت کے ساتھ جڑے رہنااِن کی مجبوری ہوتی ہے کہ یہ لوگ زندگی میں اپنی حاکمیت جتا سکیں۔ حالانکہ وہ خود کسی کے غلام بنے ہوئے ہوتے ہیں۔ میں جانتا ہوں کہ وہ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

کس کے لیے کام کرتا ہے۔ وہ بظاہر پیر ہے لیکن اندر سے وہ نرا کاروباری شخص ہے۔ اپنے ہی مریدوں سے قرض حسنہ کے نام پر رقم بٹور کر اپنا کاروبا چلا رہا ہے اور یہ بہت معمولی بات ہے۔ لوگوں کو عذابِ آخرت سے ڈرا ڈرا کر۔ ان کی زمین ہتھیا لیتا ہے اور ان پر مدرسہ بنا کر اپنا کاروبار چلائے ہوئے ہے۔ ایسے ہی لوگ دین کے نام پر دھبہ ہیں میں اس کے بارے میں پوری تفصیل کسی وقت بتاؤں گا لیکن اس وقت تم یہی سمجھو کہ ان سے ڈرنے کی ذرا بھی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتے"۔

"آپ ان کے بارے میں اتنا کیسے جانتے ہیں؟ "رابعہ نے پوچھا۔

"یہی تو بات ہے کہ مکافات عمل ہے، اس پر مجھے یقین ہے ....شاید یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئے تو کچھ مادی معاملات ایسے ہیں کہ جس طرح فراڈ کی بنیاد پر بنائی گئی۔ یہ کاروباری دنیا ہے، اسے کچھ اچھے اور پائیدار اصولوں سے ختم کرنے میں زیادہ وقت نہیں لگتا۔ بہت سارے لوگوں کی خام خیالی ہوتی ہے کہ وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ طاقت ور ہیں۔ حالانکہ وہ مینڈک ہوتے ہیں۔ خود بھی پھٹ جاتے ہیں۔ خیر !....یہ ہمارا موضوع نہیں، میں تم لوگوں سے کچھ اور بات کرناچاہتا ہوں"۔

"جی بھائی بتائیں "!....اسد ہمہ تن گوش ہو گیا۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

"میں نہیں سمجھتا کہ تمہارے ساتھ کوئی افرادی قوت ہے یا نہیں، لیکن کیا اب بھی تم اتنی جرائت رکھتے ہو کہ ایک طرف کاشف اور دوسری طرف مذہبی تنظیم کے ساتھ لڑائی لڑ سکو؟"

"آپ کی ایک بات اب بھی میرے ذہن میں موجود ہے کہ کوئی کچھ کرتا پھرے یہ اس کا اپنا عمل ہے، مگر ہمیں نہ چھیڑے اور اگر ہمیں کوئی چھیڑے گا تو اسے خود بھگتنا ہو گا"۔ اسد نے سکون سے کہا۔

"تو پھر کیا کہتے ہو؟ "میں نے پوچھا تو وہ بولا۔

"جیسے ہی مجھے کاشف کے بارے میں معلوم ہوا، اس کی نیت کا میں نے اندازہ لگایا تو میں نے اپنے چند دوستوں کو فوراً آگاہ کر دیا۔ اسے بھی معلوم ہے کہ میں گروپ رکھتا ہوں، اس لیے اب تک اس نے مجھے نہیں چھیڑا"۔

"جن دنوں میں ہسپتال میں تھا۔ انہی دنوں مذہبی تنظیم کا ایک اہم طالب علم رہنما مجھے ملنے آیا تھا۔ اس نے مجھ سے بہت ساری باتیں کی تھیں۔ مجھے کئی آفر کیں۔ میرا کاشف کے ساتھ براہِ راست کوئی تعلق نہیں، وہ ماہم کی وجہ سے تھا۔ یا پھر تمہاری وجہ سے اگر تم چاہو تو میں مذہبی تنظیم کی آفر قبول کر لوں ۔ کاشف لوگ واش ہو جائیں گے اور تم سکون سے اپنی تعلیم حاصل کرو"۔

”میں تنگ آگیا ہوں اس جنگ و جدل سے ....میں یہاں پڑھنے “....اس نے کہنا چاہا تو میں نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”اوکے !....آج رات میں اپنی افرادی قوت اکٹھی کرو۔ کل اسے شو کرنا ہے۔ مجھے اسلم چوہدری کے گاؤں جانا ہے۔کیا ایسا کر سکو گے؟“میں نے پوچھا تو اس نے اگلے ہی لمحے کہا۔

”جی، بالکل !....کب اور کیسے جانا ہے، مجھے صرف یہ بتا دیں“۔

”یہ میں تمہیں کل صبح بتادوں گا، تم کیمپس میں تیار رہنا، اپنی افرادی قوت کے ساتھ“۔ میں نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔تو وہ اٹھتے ہوئے بولا۔

”ٹھیک ہے، کل ملتے ہیں“۔

اس کے ساتھ ہی رابعہ بھی اٹھ گئی۔ وہ دونوں چلے گئے ۔ تو میں اپنے طور پر مصروف ہو گیا۔ ابھی مجھے ماہم سے بھی بات کرنا تھی لیکن اس وقت میں نے سلیم کو بلالیا۔

وہ ایک روشن صبح تھی جب میں نے اپنے پاپا کو زریاب انکل کے گھر سے لیا۔ اس وقت میرے ساتھ پسنجر سیٹ پر سلیم تھا۔ وہ پچھلی نشست پر آ کر بیٹھ گئے تو میں نے ڈرائیونگ سلیم کو دے دی اور خود پسنجر سیٹ پر آ بیٹھا۔ پاپا بے حد جذباتی لگ

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

رہے تھے۔ وہ میری طرف یوں دیکھ رہے تھے جیسے میں کوئی الگ سے مخلوق ہوں۔ میں چاہتا تو ان سے بہت ساری باتیں کر سکتا تھا لیکن میں خاموش رہا اور سلیم کو گاڑی بڑھانے کا اشارہ کیا۔ تبھی میں نے اپنے رابطے کرنا شروع کر دیئے۔ مجھے پہلے کیمپس جانا تھا۔ جہاں سرخ گاڑی میں ماہم میرا انتظار کر رہی تھی۔ میرے وہاں پہنچتے ہی ماہم اس گاڑی سے نکلی اور پچھلی نشست پر پاپا کے ساتھ آ بیٹھی تب گاڑی چل دی۔ پاپا بڑے غور سے ماہم کو دیکھ رہے تھے۔

"پاپا !....یہ ماہم ہے .... میری دوست"۔

"اور مستقبل میں میری پیاری سی بہو "....وہ اس قدر خوش کن انداز میں بولے کہ میرے اندر سکون اُتر گیا۔ ان کی خود اعتمادی لوٹ آئی تھی۔ انہوں نے ماہم کے سر پر پیار کیا اور اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولے۔" بالکل اپنی ماں پر گئی ہے"۔

"آپ نے میری ماں کو دیکھا ہے؟ "ماہم نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا کہ میں خود چونک گیا۔

"ہاں دیکھا ہے بیٹا "!....پاپا نے کہا تو وہ ان کے گلے لگ کر سسکنے لگی۔ یہ وقت جذباتی باتوں کا نہیں تھا۔ میں نے اسد سے رابطہ کیا اور اسے بتا دیا کہ کیا کرنا ہے۔

پھر اس کے بعد میں نے اسلم چوہدری کے نمبر پش کر دیئے۔ چند لمحوں بعد ہی میرا فون ریسیو کر لیا گیا۔ دوسری طرف سے اسلم چوہدری نے بڑی کرخت آواز میں ہیلو کہا تھا۔

"میں ابان علی بات کر رہا ہوں"۔ میں سکون سے کہا۔

"بول !....تُو کہاں ہے۔ میں بہت عرصے سے تجھے ملنا چاہتا ہوں"۔ وہ کرخت انداز میں بولا۔

"میں تیرے گاؤں جارہا ہوں۔ اپنے پاپا کے ساتھ۔ اپنے دادا دادی کی قبروں پر ....ملنا چاہتے ہو تو آجا"ؤ۔میں نے اپنا لہجہ ہنوز نرم رکھا۔

"تم مجھے دھمکی دے رہے ہو۔ چیلنج کر رہے ہو؟ "وہ چیختے ہوئے بولا۔

"ہاں یہی سمجھ لو ....کیونکہ ابتداءتم نے کر دی ہے۔ اپنی طرف سے تم نے مجھے مار دیا ہے۔ اب میری طرف سے انتظار کر۔ میں کب تم تک پہنچتا ہوں"۔

"ہوں !....تو اس کا مطلب ہے اب تیرے ساتھ نپٹنا ہی پڑے گا۔ دیکھتا ہوں میں تمہیں"۔ یہ کہتے ہی اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے سیل فون جیب میں ڈالا اور سلیم کو گاڑی بڑھانے کا اشارے کر دیا کہ مزید تیز کر دو۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

اسلم چوہدری کے گاؤں کے باہر ہی ایک وسیع قبرستان تھا، جہاں پر اردگرد کے گاؤں کے لوگ بھی دفن تھے۔ سرکنڈوں اور دیگر جڑی بوٹیوں سے کسی حد تک سبزہ تھا۔ قبرستان میں جیسے ہی پہنچے، وہاں چند آدمی ہمارے منتظر تھے۔ سلیم نے قبرستان کے باہر گاڑی روکی تو ہم چاروں ان لوگوں کی طرف بڑھ گئے۔

”یہ لوگ کون ہیں؟“ پاپا نے پوچھا۔

”پاپا آپ کو تو نہیں معلوم کہ آپ کے والدین کی قبریں کہاں ہیں۔ میں نے آتے ہی یہاں رابطہ کیا تھا۔ ان لوگوں میں وہ جو بوڑھا شخص ہے، وہ آپ کو جانتا ہے اور آپ اسے جانتے ہیں۔ وہ گاؤں کا حجام ہے۔ وہ پھجا نائی....

”اوہ !....یاد آیا “....پاپا نے ایک دم سے کہا اور پھر تیزی سے ان لوگوں کی طرف بڑھنے لگے۔ پاپا کا ان لوگوں سے ملنے کا منظر دیدنی تھا۔ وہ بے حد جذباتی ہو رہے تھے۔ پھجے نائی نے ہی قبروں کی نشاندہی کی تو پاپا ان قبروں سے لپٹ کر روتے رہے۔ میں ، ماہم اور سلیم انہیں دیکھتے رہے۔ میں نے انہیں رونے دیا۔ نہ جانے کب کے رکے ہوئے آنسو تھے۔ جو بہہ رہے تھے۔ کافی دیر بعد جب انہیں تسلی ہو گئی تو وہ پُر سکون ہو گئے تو انہوں نے پھجے نائی سے پوچھا۔

”سردار فخرالدین کی بیٹی جسے اس کے بیٹوں نے مار دیا تھا۔ اس کی قبر....؟“

"نہیں ....مارنے کی کوشش کی تھی۔ اسے گولی لگ بھی گئی تھی، لیکن بچ گئی تھی۔ اس کی قبر یہاں نہیں ہے"۔ پھجے نے بتایا تو پاپا نے حیرت سے اس کی طرف دیکھا ۔ اس لمحے ماہم کی سسکی نکل گئی اور ایک دم سے وہ زاروقطار رونے لگی۔

"تمہیں کیا ہوا....ماہم"۔ میں نے حیرت سے پوچھا۔

"وہی تو میری ماں تھی ....میں آپ کو تفصیل سے بعد میں بتاؤں گی"۔ اس نے دھیمی آواز میں کہا تو میں خاموش ہو گیا۔

"یہ .... کیسے ....مجھے تو یہی معلوم تھا کہ وہ مر گئی ہے۔ قتل ہو گئی تھی"۔ پاپا انتہائی حیرت زدہ لہجے میں پوچھ رہے تھے۔

"پتہ نہیں کیا ہوا تھا۔ یہاں سے اسے ہسپتال لے گئے تھے۔ اتنا معلوم ہے کہ وہ بچ گئی تھی۔ بعد میں کیا ہوا۔ یہ ہمیں نہیں معلوم اتنا پتہ ہے کہ وہ بچ گئی تھی"۔ پھجے نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"آئیں پاپا !....چلتے ہیں اس کی وضاحت بعد میں کرلیں گے"۔ میں نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کہاں جانا ہے؟ ...."واپس ؟"

"نہیں گاؤں چلتے ہیں۔ اپنا پرانا گھر دیکھیں گے آپ"۔ میں نے انہیں بتایا۔

”اوکے .... چلو “....وہ ایک دم سے تیار ہو گئے۔

اس بار جب ماہم گاڑی میں بیٹھی تو بہت حد تک افسردہ تھی۔ مجھے اس کی حالت دیکھ کر اندازہ ہو رہا تھا کہ بات وہ نہیں ہے جو ہم جانتے ہیں۔ اندر کی کہانی کچھ اور ہی ہے۔ ممکن ہے ماہم نے مجھے کبھی بتانا چاہا ہو، لیکن میں نے ہی نہ توجہ دی ہو۔ بہر حال یہ بعد میں سوچنے والی بات تھی۔ فی الحال مجھے کچھ اور معاملات درپیش تھے۔ میں پچھلی نشست پر پاپا کے ساتھ بیٹھ گیا اور پھجا نائی پسنجر سیٹ پر اور ہم چل دیتے۔ اس گاؤں کے باہر ہی مجھے اسد کی تیاری کے آثار دکھائی دینے لگے تھے۔ گاڑیوں کی ایک لمبی قطار تھی۔ میں نے فوراً اسد سے رابطہ کیا۔ اس نے مجھے تصدیق کر دی کہ وہ گاؤں کے باہر آچکا ہے کہ وہ میری گاڑی دیکھ رہا ہے۔ پھر اس جلوس نما ہجوم کے ساتھ ہم گاؤں میں داخل ہو گئے۔

اتنے ہجوم کی شاید مجھے ضرورت نہ ہوتی اور میں ایسے کرتا بھی نہیں اگر اس گاؤں میں سردار فخرالدین کا ایک بیٹا فریاد علی نہ ہوتا۔ دوسرا بیٹا اس کا جوانی ہی میں فوت ہو گیا تھا۔ فریاد علی اور اسلم چوہدری کا آپس میں بہت گٹھ جوڑ تھا۔ کاشف جس پیر کے لیے کام کرتا تھا۔ وہ اصل میں فریاد علی ہی تھا۔ جسے میں بہت عرصہ پہلے آتے ہی پہچان گیا تھا۔ جب میں نے اپنے اس آبائی گاؤں کے بارے میں

معلومات لی تھیں۔ جسے میں نے دیکھا تک نہیں تھا۔ یہ سارا کام میرے لیے جندوڈ ے نے کیا تھا اور دھیرے دھیرے یہ معلومات مجھے دیتا رہا تھا۔ اسد کو استعمال کرنے اور آئندہ فیصلے کا انحصار اس بات پر تھا کہ فریاد علی میرا سامنا کرتا ہے یا نہیں؟ ہم گاؤں کے چوک میں پہنچ چکے تھے۔ پاپا حسرت سے گاؤں کی ان گلیوں کو دیکھ رہے تھے۔ اگلی دو گلیوں کو پار کرنے کے بعد ہم اس گلی میں جا پہنچے، جہاں پاپا کا گھر تھا۔ تقریباً پچیس سال بعد بھی وہ گھر ویسا ہی ہیبت ناک کھنڈر تھا۔ اس پر کسی نے اپنا گھر نہیں بنایا تھا۔ اس کے جلنے کے آثار ویسے ہی تھے۔ کچی اینٹوں اور گارے سے بنا وہ گھر وقت کے ہاتھوں کھنڈر بن گیا ہوا تھا۔ پاپا ایک دم سے سسک پڑے۔ میں نے انہیں ذرا سا بھی حوصلہ نہیں دیا۔ کچھ دیر بعد وہ گاڑی سے نکلے اور اس کھنڈر نما گھر میں پھرتے رہے۔ نہ جانے ان کے ساتھ کیسی کیسی یادیں لپٹ گئی تھیں۔ وہ وہاں پھرتے رہے اور روتے رہے۔ ہم سب انہیں دیکھتے رہے۔ کافی دیر بعد انہوں نے اپنے آنسو صاف کئے اور واپس گاڑی میں آبیٹھے۔

”واپس چلو بیٹا “!....انہوں نے بھیگی آواز میں کہا تو میں نے پھجے نائی کا شکریہ ادا کیا۔ اسد کو فون پر واپس چلنے کا کہا اور خود گاڑی میں آبیٹھا۔ سلیم نے گاڑی بڑھا دی۔تب میں محتاط ہو گیا۔ یہی نازک وقت تھا۔ اسلم چوہدری فریاد علی کسی سے

بھی مڈبھیڑ ہو سکتی تھی۔ ہم آہستہ روی سے چلتے ہوئے گاؤں سے باہر آ گئے۔ سامنے چھوٹی سی سڑک تھی جو شہر کی طرف جا رہی تھی۔ یہیں کہیں میدان جنگ بن سکتا تھا۔ مگر !....کچھ بھی نہ ہوا اور ہم واپس شہر پہنچ گئے ۔ اسد واپس کیمپس چلا گیا اور میں ماہم کو لے کر زریاب انکل کے گھر آ گیا۔

سارے گھر والے تو جیسے ہمارے انتظار میں تھے۔ جیسے ہی گاڑی پورچ میں رکی۔ سب وہیں آ گئے۔ انھوں نے جیسے ہی ماہم کو دیکھا تو فرخ آپی نے اونچی آواز میں کہا۔

”خوش آمدید ماہم .... خوش آمدید“۔

”تو یہ ہیں ماہم بھابی “....الماس نے خوشگوار حیرت سے تقریباً چیختے ہوئے کہا۔

”آ ؤ بیٹا !....اندر بیٹھتے ہیں، سکون سے تعارف بھی ہو گا اور باتیں بھی کرتے ہیں“۔ آنٹی نے پیار سے اس کا ہاتھ پکڑا اور ہم سب اندار چلے گئے۔ سکون سے بیٹھنے کے بعد زریاب انکل نے وہاں کی روداد سنی اور پھر جیسے ہی یہ بات سامنے آئی کہ فخرالدین کی بیٹی مری نہیں بچ گئی تھی تو زریاب انکل بھی چونک گئے۔

”یہ کیسے ممکن ہے؟ مجھے تو یہی معلوم“۔ انھوں نے کہنا چاہا تو ماہم نے انتہائی جذباتی انداز میں کہا۔

"انکل آپ ٹھیک کہتے ہیں .... لیکن درست بات وہی ہے جو ابان کہہ رہے ہیں"۔

"ماہم تم .... تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو بیٹی؟ "زریاب انکل نے پوچھا۔

"کیونکہ میں اس خاتون کی بیٹی ہوں"۔ ماہم نے جذباتی انداز میں بھیگتے ہوئے لہجے میں کہا تو سبھی حیران رہ گئے۔ ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔ تب ماہم کہتی چلی گئی۔" یہ درست بات ہے کہ فریاد ماموں نے میری ماں پر گولی چلائی تھی، ایک نہیں دو گولیاں ماری تھیں، لیکن اس کے ساتھ ساتھ بھاگتے ہوئے زریاب اور اس کے دوست کو بھی پکڑنا چاہتے تھے۔ ایک کو گولی بھی لگ گئی لیکن وہ پکڑا نہیں گیا، غاب ہو گیا۔ میری ماں کو ہسپتال لے آیا گیا۔ جہاں وہ زندہ بچ گئی"۔

"تو کیا اس نے اسلم چوہدری کے بارے میں کچھ نہ بتایا۔ وہ ساری بات"۔ پاپا نے تیزی سے پوچھا۔

"پاپا نے یہاں بھی چالاکی دکھائی، ماما کے بے ہوش ہونے کے دوران ہی وہ فخرالدین کو یہ باور کرانے میں کامیاب ہو گئے کہ وہ کسی کا گناہ اپنے سر لے لیں گے۔ دوسری طرف وہ دو قتل کر چکے تھے، ایک گھر جلا چکے تھے۔ وہ سب ایک دوسرے کی مجبوری میں جکڑے گئے۔ اگر میری ماں کے بچ جانے کا اعلان کرتے ہیں تو قتل کس کھاتے میں جاتے۔ عافیت اسی میں تھی کہ سب کچھ ابان کے پاپا

پر ڈال دیا جائے اور یہ اعلان کر دیا جائے کہ میری ماں مر گئی ہے۔ شہر میں ایک حویلی خالی تھی وہ اسلم چوہدری کو دے دی گئی اور میری ماں کا نکاح اس کے ساتھ کر دیا گیا ۔ اس وقت میں تین ماہ کی اپنی ماں کے پیٹ میں تھی"۔ یہ کہتے وہ رو دی۔

"اوہ !....تو اسلم چوہدری نے یہاں بھی انہیں دھوکا دیا"۔

"وہ سب ایک دوسرے کو دھوکا دے رہے تھے۔ میرے ماموں اپنی زمینوں اور جائیداد کے لیے اور میرے پاپا کا چکر ہی کچھ اور تھا۔ میرے پیدا ہونے کے بعد خاموشی سے میری ماں کو مار دیا گیا۔ میرے ماموں اور پاپا کا گٹھ جوڑ تبھی سے بن گیا تھا اور میرا دوسرا ماموں ان کے لالچ کی بھینٹ چڑھ گیا"۔

"اوہ ....بہت برا ہوا"۔ زریاب انکل نے آنکھیں بند کرتے ہوئے دکھی لہجے میں کہا اور چند لمحوں بعد بولے"۔ تم کیسے جانتی ہو یہ سب کچھ؟"

"میں اس خاندان کی فرد ہوں انکل !....جب تک شعور نہیں آیا تھا، تب تک تو کچھ نہیں تھا، شعور آتے ہی میرا تجسس بیدار ہوا اور مجھے سب پتہ چل گیا۔ میرے باپ اور ماموں کا گٹھ جوڑ آگے بھی بڑھنے والا تھا۔ میں اس لیے کہہ رہی ہوں کہ وہ میری شادی کزن یعنی فریاد ماموں کے بیٹے سے کرنا چاہتے تھے۔ جو ان دنوں

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

امریکہ میں پڑھ رہا ہے۔ اس نے انتہائی نخوت سے، مجھے ذلیل کر دینے کی حد تک ریجیکٹ کر دیا کہ میں اس لڑکی سے شادی کروں گا جو حلال نہیں ہے“۔ آخری لفظ جیسے اس کے گلے پھنس گئے تھے۔ اس کے ساتھ ہی وہ دھاڑ مار کر رو دی۔ تبھی ماما نے اسے اپنے گلے سے لگا کر ڈھارس دی ۔کچھ دیر بعد اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے بولی۔” یہ بات ....یہ طعنہ ....مجھے کھا گیا۔ یہی سوال میں نے اپنے پاپا کے سامنے رکھ دیا تو وہ مجھے کوئی جواب نہیں دے پائے۔ انہوں نے کیا جواب دینا تھا۔ تب سے میں باغی ہو گئی۔یہ حقیقت ہے کہ اسلم چوہدری میرے پاپا ہیں، لیکن ذہنی طور پر میرا ان سے کوئی تعلق نہیں رہا“۔

”تم فکر نہ کرو میری بیٹی !....ہم جو ہیں“....ماما نے پیار سے اس کے سر کو سہلاتے ہوئے کہا۔

”کیا تمہیں ابان کے بارے میں معلوم تھا کہ یہ کون ہے....یا “ .... پاپا نے اس سے پوچھا۔

”پہلے پہل مجھے بالکل معلوم نہیں تھا، لیکن بعد میں ایک دن میں نے ان کے ساتھ سلیم کو دیکھا، سلیم جو ہے وہ زریاب انکل کا خاص ملازم ہے۔ زریاب انکل چونکہ

شروع ہی سے پاپا کے مخالف تھے تو ان کے بارے میں ہمیشہ تجسس رہتا تھا۔ یہ تجسس مزید بڑھ گیا کہ سلیم ان کے ساتھ کیوں؟ پھر ساری بات کھلتی چلی گئی"۔

"اوکے !.... اب اس بات کو مزید مت کھولیں۔ اگر کھولنا بھی ہے تو بہت وقت پڑا ہے۔ سب فریش ہو جائیں اور لنچ کے لیے آجائیں"۔ آنٹی نے حکم صادر کیا تو سب اس طرف متوجہ ہو گئے۔

111

شہر پر رات کے اندھیرے امنڈ آئے تھے اور میں سبزہ زار کی چھت پر تنہا بیٹھا صرف ماہم کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ اس نے اپنا آپ کھول کر رکھ دیا تھا۔ میں جو اس سے کترا رہا تھا، اس کی مجبوری سمجھ گیا تھا کہ وہ کیا چاہتی تھی، وہ آزاد خیال، اپنی مرضی کی مالک اور غصے والی لاپروا کیوں تھی؟ وہ خود سے فرار چاہ رہی تھی۔ جبکہ اندر سے وہ اب بھی وہی نرم و نازک اور کومل سی لڑکی تھی جو پتہ کھڑکنے سے بھی لرز جائے۔ زندگی کے نرالے رنگوں میں سے ایک یہ بھی تھا کہ جس کے لیے محتاط قدم بڑھاتے ہوئے چل رہا تھا، وہ مجھے آنے کا آراستہ دے رہا تھا۔ شام ڈھلنے سے کچھ دیر قبل میں زریاب انکل کے ہاں سے آگیا تھا اور اب میں آگے کی سوچ رہا تھا کہ مجھے کیا کرنا ہے۔ دراصل میں لاشعوری طور پر اسلم

چوہدری کے فون کا یا کسی بھی ردِ عمل کا منتظر تھا۔ جبکہ اس کی طرف سے مکمل خاموشی تھی۔ جیسے طوفان سے پہلے خاموشی ہوتی ہے۔ میں انہی سوچوں میں غلطاں تھا کہ میرے سیل فون پر کاشف کی کال آگئی۔ میں نے قدرے تذبذب محسوس کیا اور پھر کال پک کرلی۔

"تو پھر تم نے اسد کو توڑ لیا۔ مگر بے چارہ کیا کر سکے گا وہ ....اپنی طاقت کا اظہار کرنے میں اس نے ذرا سی بے وقوفی کی، آدھے سے زیادہ لڑکوں کو انہوں نے اعتماد میں ہی نہیں لیا۔ جواب اس کی خلاف ہیں"۔

"تم یہ سب بتا کر مجھے کیا جتانے کی کوشش کر رہے ہو"۔ میں نے پوچھا۔

"یہی کہ اگر کوئی گولی چلانی ہے نا تو کاندھا تو مضبوط لو بندرق رکھنے کے لیے"۔ اس نے طنزیہ انداز میں کہا۔

"دیکھ کاشف !.... مجھے کیمپس کی سیاست میں کوئی دلچسپی نہیں ہے اور نہ ہی میں ایسا کرنے چاہتا ہوں، اس بات سے تم اچھی طرح واقف ہو، لیکن اگر تُو میری کوئی آزمائش چاہتا ہے تو بتا جیسے کہے گا اور جتنے وقت میں کہے گا،میں وہ پوری کردوں گا"۔ میں نے پورے اعتماد سے کہا۔

"دشمنی تو میں بھی نہیں چاہتا .... مگر تمہارے کام دشمنوں والے ہیں۔ تو پھر میں اسے کیا سمجھوں؟ "اس نے تقریباً غصے بھرے لہجے میں کہا، جیسے مجھے یہ باور کرانا چاہتا ہو کہ وہ خود پر کنٹرول رکھے ہوئے ہے۔ میں اس کی ڈرامہ بازی سے واقف تھا۔ اس لیے اسے باور کرائے بغیر کہا۔

"تم جو چاہو سمجھو بندہ اگر اپنا نقصان کر کے بھی مفافقوں سے جان چھڑا لے تو سودا گھاٹے کا نہیں ہوتا۔ کسی کی لڑائی اگر تم لڑنا ہی چاہتے ہو تو شوق سے لڑو۔ میں تمہیں منع نہیں کروں گا"۔ میں نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"مجھے نفع اور نقصان سے کوئی مطلب نہیں، میں تمہیں صرف یہ سمجھا رہا ہوں کہ اگر کیمپس میں رہنا ہے تو ماہم سے دور رہو۔ تمہیں معلوم ہے کہ میری ماہم کے ساتھ کیا لڑائی ہے"۔ اس نے غراتے ہوئے کہا تو میں تیزی سے بولا۔

"جھوٹ بول رہے ہو تم .... سچ کیا ہے میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں۔ ماہم اب بھی میری بانہوں میں ہے، جن کو یہ پسند نہیں ہے، انہیں بتا دو....اگر وہ مجھ سے چھین سکتے ہیں تو چھین لیں"۔

"مطلب، تم سیدھے سبھاؤ نہیں سمجھو گے، تمہیں بہت غور سے سمجھانا پڑے گا"۔ اس نے غصے سے کہا۔

”لگتا ہے اب کی بار تمہیں خود ہی سمجھنا پڑے گا۔ آزمالو“۔ میں نے بڑے تحمل سے کہا تو گویا اسے آگ لگ گئی۔ یہ اسے کھلم کھلا دھمکی تھی۔

”تو چلو پھر آزما لیں“۔ اس نے دھمکی کا جواب دے دیا۔

”میدان فقط کیمپس رکھنا ہے، پورا شہر یا پھر پورا ملک ....میں دیکھناچاہتا ہوں کہ تُو کہاں تک بھاگ سکتا ہے۔ تُو بھاگے گا مگر میں نے تمہیں بھاگنے نہیں دینا۔ کیونکہ تیرے جیسے کتے اپنی مرضی سے نہیں بھونکتے۔ وہ کسی کی مرضی پر بھونکتے ہیں ....وہی پیر !....وہ کاروباری پیر !....جو تقویٰ کا فریب کیے بیٹھا ہے“۔

”بہت بول لیا تُو نے ....اب اگر تُو نے کیمپس میں قدم بھی رکھا، تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا“۔ اس نے غراتے ہوئے کہا۔

”اور اگر تُو نے کیمپس سے باہر قدم رکھا تو تجھے نکلنے نہیں دوں گا۔ آزمائش شرط ہے“۔میں نے سکون سے کہا۔

”دیکھ لیتے ہیں “....اس نے کہا اور فون بند کر دیا۔ تب میں فون بند کرتے ہوئے مسکرا دیا۔ ان کی خاموشی سے مجھے اضطراب محسوس ہو رہا تھا۔ اب میں پُرسکون تھا۔ میں نے اسے باور کرانے کے لیے اسد کو فون کیا کہ اس کا پتہ کرو، وہ کہاں پر ہے، پھر مجھے بتاؤ۔ ایسا ہی فون میں نے پیر بخش کو کر دیا کہ اسے گھیرے میں

رکھنا ہے۔ اس میں جتنا بھی خرچ آجائے پروا نہیں کرنی، اسے کیمپس سے باہر نہیں جانے دینا۔ پھر رات گئے تک ماہم سے فون پر باتیں کرتا رہا۔ وہ زریاب انکل کے گھر میں فرح آپی کے پاس تھی۔ میں نے اسے پوری صورتِ حال سمجھا دی۔ ان دونوں نے مجھے چند مشورے دیئے جو کافی معقول تھے۔ ہم نے پروگرام بنا لیا کہ صبح اکٹھے ہی کیمپس جائیں گے۔ ان سے بات کر کے میں نے اسد سے رابطہ کیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ کون سے ہاسٹل کے کس کمرے میں ہے۔ کچھ دیر بعد پیر بخش نے بھی اطلاع دے دی کہ وہ کہاں پر ہے۔ دونوں کی طرف سے تصدیق ہو جانے پر میں نے کاشف کو فون کر دیا۔

"میں تمہارے ہاسٹل کے باہر کھڑا ہوں۔ آجاؤ، روک لو مجھے"..... ۔

"وہاٹ !....اس نے زور سے کہا، ایک دم سے اس کی آواز لرز گئی تھی۔

"میں وہیں آجاؤں گا، جہاں تم مجھے بلاؤ گے۔ میں آگیا ہوں"۔ میں نے پھر کہا تو اس نے جواب دینے کی بجائے فون بند کر دیا۔ پیر بخش کا کارندہ وہیں تھا۔ دوسری طرف اسد کا ساتھی اس ہاسٹل میں تھا۔ انہوں نے بتایا کہ ہاسٹل کے اندر تو ہلچل ہوئی، مگر کاشف کی ہمت نہیں ہو سکی باہر نکلنے کہا۔ میں نے پھر اسے فون کر دیا۔ کافی دیر بیل جاتی رہی پھر اس نے فون پک کر لیا۔

"تم تو وہاں نہیں ہو"۔

"تم ہاسٹل سے باہر ہی نہیں نکلے ہو۔ میں کب سے انتظار کررہا ہوں، خیر اندھیرا ہے تمہیں شاید پتہ نہ چلے یا تم اب بندے نہ جمع کر پاؤ۔ صبح میں نے کیمپس آنا ہے جو ہو سکے کر لینا"۔ میں نے کہا اور فون بند کر دیا۔

صبح میں کیمپس جانے کے لیے تیار تھا۔ مجھے علی الصباح ہی اشارے ملنا شروع ہو گئے تھے کہ میرے استقبال کے لیے کیا کچھ کیا جارہا ہے۔ میں بھی کیمپس کے اندر اور باہر سے پوری طرح تیار ہو گیا تھا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ اسلم چوہدری اور فریاد علی وہیں کیمپس ہی میں میرا قصہ تمام کرنا چاہتے تھے۔ جبکہ میں کچھ اور ہی سوچ رہا تھا۔ میں نے اپنی گاڑی نکالی اور کیمپس جانے کے لیے تیار ہو گیا۔اسلحہ سے لیس سلیم بھی پسنجر سیٹ پر آن بیٹھا۔ ایک خاص مقام پر فرح آپی اور ماہم دوسری گاڑی میں ہمیں مل گئیں اور ہم چاروں اپنے ڈیپارٹمنٹ جا پہنچے۔ جہاں معمول کے مطابق کلاس فیلوز آئے ہوئے تھے۔ چیئرمین صاحب ابھی اپنے آفس نہیں آئے تھے۔ ہم کچھ دیر وہاں رہے اور پھر حسب معمول کینٹین پر آ گئے جہاں رابعہ اور رخشندہ ہمارے انتظار میں تھیں۔ اسد میرے ساتھ رابطے میں تھا۔ مذہبی تنظیم کے لوگ سامنے آئے بغیر اس کی پوری مدد کر رہے تھے۔ کاشف جیسے ہی

ہاسٹل سے باہر نکلا، چند لڑکوں نے اسے اندر چلے جانے کو کہا۔ تقریباً دو گھنٹے سے وہ ہاسٹل ہی سے باہر نہیں نکل پایا تھا۔ تبھی میں نے اسلم چوہدری کو فون کیا۔

”تیرا بھیجا ہوا ایک چوہا میں نے تاڑ لیا ہوا ہے۔ کیا اس کی مدد کے لیے کمک نہیں بھیجو گے“۔

”میں تیری ابھی بولتی بند کرتا ہوں“۔ اس نے غراتے ہوئے کہا۔

”لیکن یہ دیکھ لینا، میں تیرا ہونے والا داماد ہوں۔ اپنی بیٹی کو بیوہ کرے گا کیا“۔

اس کے ساتھ ہی میں نے قہقہہ لگا دیا۔

”تیرا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہو گا“۔

”چلو، نہیں کرتا نکاح، ویسے ہی رکھ لیتا ہوں، تُو نے بھی تو اسے بغیر نکاح کے پیدا کیا تھا“۔ میں نے کہا۔

”بکواس کرتے ہوتے کتے“۔

”بھونکو مت .... اور سنو۔ میں تیرے اس چوہے کو ابھی مار رہا ہوں۔ ایک گھنٹہ تیری کمک کا انتظار کروں گا اور کیمپس کے وقت کے بعد واپس چلا جاؤں گا اور کل میں تیری بیٹی کے ساتھ شادی کر رہا ہوں۔ روک سکتے ہو تو روک لو“۔

”تُو زریاب کے کہنے پر اچھل کود رہا ہے نا۔ میں دیکھتا ہوں وہ تیری کیا مدد کرتا ہے“۔

”شادی میں تیری بیٹی سے کر رہا ہوں۔ ہاں وہ شادی میں شرکت ضرور کریں گے۔ اگر تجھ میں ذرا سی بھی غیرت ہے تو آ کر مجھے روکنا ....میں تجھ سے ملنا چاہتا ہوں اور اگر تم نہ آئے تو میں خود تیری بیٹی کے ساتھ تیرے گھر آؤں گا ۔ تجھ سے ملنے“۔ یہ کہہ کر میں نے فون بند کر دیا۔ میں نے لڑکیوں کو وہیں بیٹھے رہنے دیا اور خود کاشف والے ہاسٹل کی طرف چل دیا۔ راستے میں اسد اور پیر بخش کو بتا دیا کہ میں آرہا ہوں۔

ہاسٹل کے باہر دور دور تک کوئی نہیں تھا، باہر سے یوں لگ رہا تھا کہ جیسے سنسان ہو، لیکن جیسے ہی میں نے گاڑی اندر داخل کی اندر ہاسٹل میں میلہ لگا ہوا تھا۔ کاشف اور اس کے ساتھیوں سمیت انہیں باہر لان میں بٹھایا ہوا تھا۔ بلاشبہ ان سے اسلحہ چھین لیا گیا تھا۔ میں کار سے باہر آیا اور باہر نکلتے ہی میں نے کاشف کو اپنی طرف بلایا۔ وہ باہمت تھا، شاید مرتے ہوئے ہیرو بننا چاہتا تھا۔ اس لیے اٹھ کر میرے پاس آگیا۔

”کاشف....اب بھی اگر تم بھاگ سکتے ہو تو بھاگ جاؤ، میں تمہیں وقت دیتا ہوں“۔

وہ چند لمحے میرے طرف دیکھتا رہا اور بولا۔

”تم ٹھیک کہتے ہو ابان....میں کسی کی لڑائی لڑ رہا ہوں۔ میں معافی مانگتا ہوں“۔

”کون سپورٹ کررہا ہے تمہیں؟“

”فریاد علی“۔ اس نے نگاہیں جھکاتے ہوئے کہا۔

”تم کل شام تک ادھر ہی رہو گے، کہیں نہیں جاؤ گے۔ میری بات مانو گے تو بہت کچھ پاؤ گے۔ ورنہ تم جانتے ہو، تیرے ساتھ کیا ہو سکتا ہے“۔ میں نے انگلی سے اس کا سر اوپر کرتے ہوئے کہا۔ تو اس نے دھیرے سے سر ہلا دیا مجھ سے خاصے فاصلے پر مذہبی تنظیم کا ایک سرگرم رکن کھڑا تھا۔ میں نے اسے اشارے سے قریب بلایا تو وہ چشم زدن میں قریب آگیا“۔ یہ ہاسٹل اب تمہاری نگرانی میں ہے۔ چھان بین کر لو ....کوئی اسلحہ وغیرہ نہ ہو۔ یہ کاشف تمہارے سپرد ....اگر یہاں سے نکلنے کی کوشش کرے تو“۔باقی بات میں نے اسے اشارے میں سمجھا دی۔ اس کی باچھیں کھل گئیں۔ میں نے مزید بات کرنا پسند نہیں کیا اور وہاں سے پلٹ کر کینٹین پر آگیا۔ جہاں فرح آپی، ماہم، رابعہ اور رخشندہ بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ میں ان کے پاس جا بیٹھا تو فرح آپی نے پوچھا۔

”کہاں چلے گئے تھے تم“۔

"یہیں تھا"۔ میں نے مختصر سا جواب دیا اور خاموش ہو گیا۔

"اچھا، ہم نے ایک پروگرام بنایا ہے۔ یہ میرا خیال ہے زیادہ محفوظ اور بلاشبہ یاد گار ہو گا"۔ فرح آپی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا....؟"میں نے پوچھا۔

"تمہاری اور ماہم کی شادی یہیں اس کیمپس میں ہو گی؟"

"وا ! ....ؤ اچھا ہے"۔ میں نے لمحہ میں اس حکمت کو سمجھ لیا، جو فرح آپی کے ذہن میں تھی۔

"تو بس پھر ٹھیک ہے۔ میں سارے انتظام کر لیتی ہوں، تم اپنی بارات کا بندوبست کر لو"۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا تو نہ جانے کیوں مجھے یہ لگا کہ ماہم کے چہرے پر خوشیوں کے پھول کھلنے کی بجائے اداسی کی زردی چھا گئی ہے ۔ اس نے میری طرف دیکھا اور پھر موہوم سا مسکرادی۔ میں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں اسے مطمئن رہنے کا اشارہ کیا تو اس نے رسپانس دے دیا۔

وہ ایک روشن دن تھا۔ فرح آپی نے سارے انتظامات مکمل کر لیے تھے۔ اس نے ڈیپارٹمنٹ کے چیئرمین سے بات کرلی تھی۔ یہاں تک کہ وی سی کو بھی دعوت

دے دی۔ وہ خود تو نہیں لیکن انہوں نے اپنا نمائندہ بھیجنے کی ہامی بھر لی۔ ہونا یہ تھا کہ میں ہاسٹل سے بارات لے کر ڈیپارٹمنٹ جاتا،جہاں نکاح ہونا تھا اور وہیں لان میں دعوت دی جانی تھی۔ بارات میں کوئی لڑکی نہیں اور ڈیپارٹمنٹ میں کوئی لڑکا نہیں، یہ شرط تھی۔ یہ لڑکیوں کے اپنے شغل تھے، جبکہ میں پریشان تھا کہ کاشف یا اس کے کسی ساتھی کی وجہ سے کوئی گڑبڑ نہ ہو جائے۔ اس کا ایک دوست رضوان جو کافی عرصے سے نظر نہیں آرہا تھا۔ ممکن ہے اس کے ذریعے وہ کچھ کرنے کی کوشش کرے۔ اسے بخوبی علم تھا کہ میں نے اسے یرغمال کیوں بنا کر رکھا ہوا ہے۔ میں زیادہ سے زیادہ ان لمحات میں تصادم سے بچنا چاہ رہا تھا۔ اس کے بعد جو کچھ ہو جاتا، میں اسے دیکھ لیتا۔ میں اس ہاسٹل میں تھا، جہاں میں نے کاشف کو رکھا ہوا تھا۔ مذہبی تنظیم کے لوگوں نے پوری طرح تعاون کرنے کی یقین دہائی کروادی تھی۔ جس سے میں بہت حد تک مطمئن تھا۔ دوسری طرف پیر بخش تیار تھا اور باقاعدہ طور پر پریس کو وہاں شادی پر بلوایا ہوا تھا۔ بارات کے لیے جو وقت دیا گیا تھا، میں اس وقت اپنے مخصوص دوستوں کو لے کر ڈیپارٹمنٹ کی طرف روانہ ہو گیا۔ جہاں لان میں اہتمام کیا گیا تھا۔ وہ سجی سنوری لڑکیاں ہی لڑکیاں

تھیں۔ کیٹرنگ کمپنی والوں نے پورا انتظام کیا ہوا تھا۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ یہ کیمپس ہے بلکہ یوں گمان ہو رہا تھا کہ جیسے ہم شادی ہال میں آگئے ہوں۔

پاپا ....ماما سمیت زریاب انکل اور آنٹی ، الماس ، ابان فروا۔ سبھی وہیں پر تھے۔ ہمارے پہنچتے ہی دلہن کو لے آیا گیا۔ دلہن بنی ماہم بہت خوبصورت دکھائی دے رہی تھی۔ اس کے چہرے پر حزن کی جو کیفیت تھی اس نے مجھے چونکا دیا۔ میں نے اسد سے رابطہ کر کے پوچھا کہ سب ٹھیک ہے نا۔ تو اس نے اطمینان بھرا جواب ہی دیا۔ ماہم میرے ساتھ بیٹھ گئی تھی اور نکاح خواں نے ایجاب وقبول کے لیے جملے کہنے شروع کر دیئے تھے۔ اس دوران میں نے فون پر اسلم چوہدری کے نمبر پش کر دیئے۔ چند لمحوں میں رابطہ ہو گیا۔ یقیناوہ نکاح ہو جانے کی بابت سن رہا تھا۔ کچھ لمحات کے بعد فون بند ہو گیا۔ خطبہ نکاح کے بعد دعا ہو گئی او ر فوراً ہی کھانا شروع ہو گیا۔

”زریاب انکل !....مجھے یہ خاموشی خطرے کا الارم لگ رہی ہے۔ پلیز آپ گھر والوں کو لے کر کسی محفوظ راستے سے نکل جائیں“۔ میں نے ان کے قریب جا کر کہا۔

”نہیں بیٹا !....گھبرانے کی کوئی بات نہیں، میں نے پورابندوبست کر لیا ہو ا ہے، یہاں کوئی بھی اپنی طاقت نہیں دکھا سکتا، بس کھانا ختم کریں اور نکلیں“۔ انہوں نے مجھے تسلی دی۔ کچھ ہی دیر بعد لڑکیوں نے ماہم کو میرے ساتھ رخصت کر کے گاڑی میں بٹھا دیا۔ اسد اور سلیم اسی موقعہ کے لیے پوری طرح تیار تھے۔ میں ان کی سکیورٹی میں ماہم کو لے کر کیمپس سے نکل گیا۔

ماہم میرے ساتھ پسنجر سیٹ پر تھی اور میں گاڑی چلا رہا تھا ۔ وہ کسی بت کی طرح خاموش بیٹھی ہوئی تھی۔ میری منزل زریاب انکل کا گھر تھا۔ تمام راستے میں پوری طرح چوکنا تھا۔ میرے دل میں نہ جانے یہ کھدبد کیوں ہو رہی تھی کہ کچھ ہو جانے والا ہے۔ مگر کچھ بھی نہیں ہوا اور میں زریاب انکل کے گھر پہنچ گیا۔ جہاں گھر والے پہلے ہی سے موجود تھے۔ روایات کے مطابق دلہن کو جو مان اور سمان دیا جاتا ہے وہ وہاں پر دیا گیا۔ تبھی میں نے اسلم چوہدری کو فون کر دیا۔ اس نے میرا فون نہیں پک کیا۔ مگر میں کہاں باز آنے والا تھا۔ میں اسے فون کرتا رہا۔ کچھ دیر بعد اس نے میرا فون اٹھا لیا۔ اس سے پہلے کہ میں کچھ کہتا، وہ بول اٹھا۔

"میں جانتا ہوں کہ تُو نے میری بیٹی کے ساتھ شادی کر لی ہے۔ یہی بتانا چاہتا ہے مجھے۔ بیٹی تو میں نے بیاہنی تھی لیکن اس طرح ....یہ میں نے نہیں سوچا تھا۔ اب تم اور تمہارا باپ جیسا چاہو، مجھ سے انتقام لے سکتے ہو"۔

"تمہیں صرف گولی مار دینے سے کچھ نہیں ہو گا، جب تک تمہاری سانس ہے۔ تمہیں اس وقت تک سزا ملے گی۔ میں بھی یہیں ہوں اور تم بھی یہیں ہو"۔

"تم اب میرے بیٹوں کے جیسے ہو۔ میرا سب کچھ تمہارا ہے۔ تم جو چاہو مجھے قبول ہو گا۔ نفرت محبت سب کچھ"۔

"تم سیاست دان ہو مکر اپنی چکنی چپڑی باتوں سے مجھے نہیں پھنساسکتے۔ جس اذیت سے میرے پاپا گزرے ہیں اس سے بخوبی واقف ہوں۔ اتنی ہی اذیت تمہیں دوں گا اور اب فریاد علی بھی میرے دشمنوں میں شامل ہو گیا ہے۔ اس نے میرے دادا دادی کو قتل کیا تھا۔ میرا تو انتقام ہی اب شروع ہو گا"۔ میں نے غصے کی شدت سے کہاتو اس نے فون بند کر دیا۔ میں نے خود کو نارمل کیااور پلٹ کر سب میں آبیٹھا۔ جہاں ہر طرف خوشیاں خوشیاں بکھری ہوئی تھیں۔

شام کے سائے پھیل رہے تھے۔ میں ، پاپا اور زریاب انکل لان میں بیٹھے ہوئے تھے۔زریاب انکل کا یہ خیال تھا کہ مجھے ابھی یہاں رہنا چاہئے۔ یہاں تک کہ اسلم

چوہدری اور فریاد علی سے پوری طرح انتقام نہ لے لیا جائے۔ جبکہ پاپا کا خیال تھا کہ ایک دو دن میں ہم سب واپس چلے جاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد دیکھا جائے گا کہ کیا ہوتا ہے۔ اس وقت زریاب انکل نے صاف الفاظ میں بتا دیا تھا کہ وہ نوکری ختم کرتے ہی سیاست میں آجائیں گے اور ان کے حریف یہی لوگ ہوں گے۔ تب ابان کی بہت زیادہ ضرورت پڑے گی۔ دونوں نے مجھ دیر بحث کی اور پھر فیصلہ مجھ پر چھوڑ دیا کہ مجھے کیا کرنا چاہئے۔

"دیکھو بیٹا !....کوئی لگی لپٹی مت رکھنا، میرا بزنس سنبھالو، اور مجھے سیاست کرنے دو، لیکن جو فیصلہ کرو بہت سوچ سمجھ کر کرو۔ تمہارا بھائی جو ابھی چھوٹا ہے، اس کی تربیت کرو"۔

"زریاب یہ تم بالکل خود غرضی دکھا رہے ہو، بھئی میں وہاں پر کیا کروں گا"۔ پاپا نے تیزی سے کہا۔

"میں تجھے چھوٹا ابان دے رہا ہوں۔ تم اس کی تربیت کر لینا۔ تم نے کون سا سیاست کرنی ہے۔ میں تو یہاں مصروف ہو جاؤں گا"۔ زریاب انکل نے دلیل دی۔

"نہ بھئی، اپنے اپنے بچے سنبھالو، اب مجھے وقت ملا ہے زندگی انجوائے کرنے کا اور تم پھر سے مجھے کولہو کا بیل بنا رہے ہو"۔ پاپا مان ہی نہیں رہے تھے۔

"اچھا یار !....اس پر ہم پھر بحث کر لیں گے۔ میں ولیمہ کر رہا ہوں دھوم دھام سے، کل رات، مینو بناؤ کیا دینا ہے ولیمے میں"۔ زریاب نے ساری بحث سمیٹ کر نیا موضوع دے دیا۔ میں سمجھ گیا کہ وہ یونہی پاپا سے گپ شپ کر رہے تھے۔

"بھئی سب کی رائے لے لو ....میں اکیلا تو کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا"۔ پاپا نے کاندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"تو پھر سب کو بلاتے ہیں"۔ زریاب نے کہا کچھ فاصلے پر کھڑے ملازم کو قریب آنے کااشارہ کیا۔ وہ آیاتو انکل نے سب کو بلانے کے لیے بھیج دیا۔ کچھ ہی دیر بعد سب باری باری وہاں پہنچ گئے اور مینو پر بحث ہونے لگی۔ تبھی آنٹی نے کہا۔

"بھئی سیدھی سی بات ہے، دعوت آپ دے رہے ہیں۔زریاب صاحب !مہمان بھی آپ نے بلانے ہیں۔ تو مینو کا بھی آپ کو پتہ ہونا چاہیے۔ ہم تو آج آپ کو بہت اچھا ڈنر دے رہے ہیں۔ ماہم کے اعزاز میں"۔

اس سے پہلے کہ زریاب انکل یا کوئی دوسرا اس پر تبصرہ کرتا، ملازم نے قریب آ کر کہا۔

”صاحب !....باہر کوئی اسلم چوہدری آئے ہیں آپ سے ملنے کے لیے“۔
اس کا یوں کہنا تھا کہ ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔ ماہم گھبرا کر اٹھ کھڑی ہو ئی۔ جبکہ زریاب انکل کا چہرہ ایک دم سے سرخ ہو گیا۔ پھر میری طرف دیکھ کر بولے“۔

”اگر اس شخص نے ذرا سی بھی ٹیڑھی بات کی تو معاف نہیں کرنا“۔یہ کہہ کر اس نے ملازم سے پوچھا۔”کتنے لوگ ہیں اس کے ساتھ؟“

”کوئی بھی نہیں، وہ اکیلا ہے“۔

”بلا“ !....ؤزریاب انکل نے کہا تو ملازم چلا گیا۔ میں نے ماہم کے چہرے پر دیکھا، وہ پیلی زرد ہو رہی تھی۔ میں نے نرمی سے اس کا ہاتھ تھام کر دبا دیا۔ سبھی اسلم چوہدری کی آمد کے منتظر تھے۔ کچھ دیر بعد وہ پیدل چلتا ہوا لان کے سرے پر آیا، اس نے سب کی طرف نگاہ بھر کر دیکھا اور وہیں کھڑے ہاتھ جوڑ لیے اور سر نیچے کر لیا۔ اس وقت مجھے لگا کہ ماہم جذباتی ہو جائے گی لیکن وہ خاموش رہی۔ اسلم چوہدری ہاتھ جوڑے چلتا چلا آیا اور آتے ہی سیدھا پاپا کے پاؤں میں گر کر اس کے پاؤں پکڑ لیے۔

"میں تمہارا مجرم ہوں، میں نے چاہا تھا کہ میں امیر ہو جاؤں اور میں نے وہ سب کچھ پالیا جو میری تمنا تھی لیکن ایک بھرا پُرا خوش کن خاندان نہیں پا سکا۔ ابان کہتا ہے کہ میں آخری سانس تک اذیت دوں گا۔ میں اسے بتانا چاہتا ہوں کہ میں نے ہر پل اذیت سہی ہے۔ مجھے ایسی زندگی کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بس مجھے معاف کر دو"۔

"تمہاری خواہش اور میری زندگی کے قیمتی سال ....کیسے معاف کر دوں تجھے۔ تُو تو ایسا سانپ ہے، جس نے اپنی بیٹی کو بھی اس کی خوشیاں نہ دیں۔ میرے ابان کو مار ڈالنا چاہا۔ میں تجھے معاف نہیں کر سکتا۔ پہلے میرے ماں باپ اور پھر میرا بیٹا "!....یہ کہتے ہوئے پاپا اپنے پاؤں سمیٹ لیے۔

"میں نے نہیں ....ابان کو میں نے نہیں مارنا چاہا اور نہ ہی تمہارے والدین کو میں نے کچھ کہا، میں نے کچھ کہا، میں تو ماہم کی ماں کے ساتھ اس وقت ہسپتال میں تھا۔ اسے تو فریاد علی ....نے "....اس نے کہا اور بے بسی سے رو دیا۔

"تو بس پھر فیصلہ ہو گیا۔ میں تجھے معاف کر دوں گا۔ ابان بھی سب کچھ بھلا دے گا۔ اگر تم فریاد علی کو ختم کر دو"۔

مزید کتب پڑھنے کے لئے آج ہی وزٹ کریں۔
www.pakistanipoint.com

پاپا نے انتہائی اذیت سے کہا۔ تو وہ چونک کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے حسرت سے ماہم کی طرف دیکھا اور رو دیا پھر بولا۔

”بہت کڑی آزمائش ڈال دی ہے“۔

”اب یہ مت کہنا اسلم چوہدری کہ میں فریاد علی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ وہ جعلی پیر ہے اور اس کے مریدین کی تعداد کہیں زیادہ ہو گی۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے، لوگوں کو بہت شعور آگیا ہے۔ تم اگر کچھ نہ کرسکے تو نہ سہی، میں نے بہر حال اس سے انتقام لینا ہے۔ وہ چاہے جتنا مرضی طاقتور ہو گیا ہو“۔

”مجھے معاف کر دو میرے بیٹے “!اسلم نے میری طرف دیکھ کر کہا۔

”پاپا نے شرط بتا دی ہے اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ اس وقت تک تمہیں کچھ نہیں کہوں گا جب تک مجھے یہ یقین نہ ہو گیا کہ تم نے کوئی وار کیا ہے۔ تمہیں صرف اتنی مہلت دیتا ہوں کہ جب تک میں رچڈل نہیں چلا جاتا، اس وقت سے پہلے پہلے ....میں چلا گیا تو پھر تجھے بھی معافی نہیں .... اب جا“ؤ۔

”بیٹی“!....اس نے بے بسی سے دھاڑ مار کر روتے ہوئے کہا۔ ماہم نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا ہوا تھا۔ اس پر اس نے مضبوطی سے مجھے پکڑ لیا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ وہ کن جذباتی لمحات سے گزر رہی ہے۔ اس وقت میرے پیار کا میرے اعتماد

ہی کا لمس اسے مضبوط بنا سکتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ دھیرے دھیرے لرز رہی ہے۔

"پاپا، آپ جا سکتے ہیں، انکل نے جو شرط بتائی ہے، اسے پورا کریں تو میں آپ کی بیٹی ....ورنہ میں اپنے بہو ہونے کا مان کیوں ختم کروں"....یہ کہہ کر وہ سسک دی تھی۔

"زریاب پلیز !....مجھے یہ اعتماد دے دو کہ آپ مجھے معاف کر دیں گے تو میں"۔

"کیا تمہیں یقین نہیں آرہا ہے کہ ابان نے تمہیں کیا کہا ہے۔ یہ ہمارا مستقبل ہیں۔ ہم ان کی بات نہیں ٹال سکتے۔ تم جاؤ، حالانکہ اس در سے کوئی سوالی خالی نہیں گیا۔ مگر واپس جانا ہو گا۔ تمہارے اپنے ماضی کی وجہ سے"۔ زریاب انکل نے کہا تو پاپا انتہائی نفرت سے بولے۔

"اسلم چوہدری !.... کہہ دینا فریاد علی سے .... کہ میں اس کی حویلی کے پاس اپنا گھر دوبارہ تعمیر کروں گا۔ اس نے تو میرا ماضی مجھ سے چھین لیا تھا نا۔ اس کا میں مستقبل چھین لوں گا۔ مجھے معلوم ہے کہ تُو فریاد علی سے کچھ نہیں کہہ پائے گا، لیکن پیغام ضرور پہنچا دینا"۔

اسلم چوہدری پوری طرح مایوس ہو چکا تھا۔ اس نے حسرت سے سب کی طرف دیکھا اور ڈھیلے قدموں سے واپس جانے لگا۔ لان عبور کرنے سے پہلے اس نے پھر مڑ کر دیکھا کہ شاید کوئی اسے روک لے مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔ سب اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ تبھی ماما نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"آپ اسے معاف کر دیں۔ ہم نے یہاں رہنا تو نہیں ہے، جو ہو چکا سو ہو چکا۔ معاف کر دینا اللہ کو بہت پسند ہے۔ چھوڑیں ختم کریں دشمنی، معاف کر دیں"۔

ان کے یوں کہنے پر سب نے ماما کی طرف دیکھا۔ پاپا ان کی طرف حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ پھر بولے۔

"میں .... میں ....تو اسے انکار کر چکا ہوں۔ اب شاید نہیں"۔

"جاؤ بیٹی !....ماہم جا ....ؤ اور اپنے پاپا کو لے آؤ مجھے یقین ہے کہ سب انہیں معاف کر دیں گے جا"ؤ۔

ماہم نے حیرت سے ماما کی طرف دیکھا اور پھر میری طرف ....میں اپنی ماں کا حکم کیسے ٹال سکتا تھا۔ میں نے اسے جانے کی اجازت دے دی۔ کیونکہ وہ اجازت طلب نگاہوں سے میری جانب دیکھ رہی تھی۔ میرا عندیہ پاتے ہی وہ تیز آواز میں بولی۔

"پاپا"!....

وہ جو پہلے ہی اس امید پر دھیرے دھیرے قدم اٹھا رہا تھا۔ ایک دم سے رک گیا۔

"جی بیٹا"۔

"پاپا، آپ کو انکل نے معاف کر دیا ہے"۔

یہ سنتے ہی وہ تیزی سے واپس پلٹا، اور پاپا کی طرف دیکھا۔ پاپا نے اسے گلے لگا لیا۔

"اب میں خود فریاد علی کو معاف نہیں کروں گا۔ کیونکہ میرا سب کچھ ابان علی کے لیے ہے یہ میرا داماد ہی نہیں میرا بیٹا بھی ہے"۔

"چل زیادہ مکالمہ بازی مت کر۔ آبیٹھ کچھ کھا پی لے"۔ زریاب انکل نے مسکراتے ہوئے کہا تو اسلم چوہدری گہری سنجیدگی سے بولا۔

"بیٹیوں کے گھر سے پانی بھی نہیں پینا چاہئے۔ میں معافی چاہتا ہوں"۔ یہ کہہ کر اس نے اپنی ویسٹ کوٹ کے اندر ہاتھ ڈالا اور چند کاغذ نکال کر بولا۔" یہ میرے نام سب کچھ آج سے ابان اور ماہم کے نام ہے ....لو"....

"تمہیں تو معلوم ہی نہیں ابان کا اصل نام کیا ہے"۔ زریاب انکل نے کہا۔

"وہ جو پاسپورٹ پر ہے اور نکاح نامے پر لکھوایا ہے۔ میں اتنا بھی غافل نہیں ہوں یہ لو "....انہوں نے وہ کاغذ میرے ہاتھ میں تھما دیا اور بولا۔" اگر مجھے اس قابل سمجھیں تو کل ولیمے میں بلالیں"۔

یہ کہہ کر وہ تیزی سے باہر کی طرف چلا گیا۔ میں نے کاغذ پر ایک نگاہ ڈالی، اس نے اپنی ساری جائیداد برابر کے ساتھ میرے اور ماہم کے نام کر دی تھی۔ میں نے وہ کاغذ زریاب انکل کو تھمایا اور ماہم کو لے کر اندر چلا گیا۔ اس کی دلجوئی بہر حال ضروری تھی۔ مجھے اپنے عقب سے قہقہہ سنائی دیا جس کی میں نے قطعاً کوئی پروا نہیں کی۔

ختم شد